نجات کا انمول خزانہ

ایک ٹاپک ۔ ایک صفحہ

نجات

(تعلیماتِ دین کا خلاصہ)

تعصب اور فرقہ واریت سے پاک

ابو عبداللہ

☆۔نجات کا انمول خزانہ۔☆

(ایک ٹاپک۔ایک صفحہ)

نجات

(تعلیماتِ دین کا خلاصہ)

(Book of Talks)

(شارٹ وڈیو(Clips) کی تحاریر کا مجموعہ)

ابوعبداللہ

(ہمارا عزم)

☆سچائی کی پیروی☆

(WWW.KHIDMAT-ISLAM.COM)

(CHANNEL: @NIJAT63)

(جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں)

نام کتاب: نجات (تعلیماتِ دین کا خلاصہ)

تالیف: ابوعبداللہ

اشاعت اول: 2026، (رجب:1447ھ)

نوٹ: اگر چہ جملہ حقوق محفوظ ہیں تاہم ہماری تمام تحاریر لوگوں کی فلاح کیلیئے ہر ایک کو شائع کرنے کی اجازت ہے۔لیکن ان سے کمائی نہ کی جائے بلکہ محض اللہ کی رضا مندی کیلیئے لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان میں کسی قسم کی ترمیم نہ کی جائے۔

ہمارا عزم

(۱)۔فرقہ واریت اور تعصب و تنگ نظری سے چھٹکارہ ، (۲)۔اخلاص و سچائی کی ترویج، (۳)۔ قرآن و سنت کے پختہ دلائل کو بنیاد بنانا،(۴)سلف کے فہم سے استفادہ کرنا،(۵)۔احتیاط اور ذمہ داری کو ملحوظ رکھنا،(۶)۔اعتدال پر رہنا (۷)۔ہر پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے: "حق اور سچ کو من وعن واضح کرنا"۔

نوٹ

(۱)۔دیانتداری سے کوشش تو پوری کی گئی ہے کہ سچائی کو واضح کیا جائے۔لیکن انسانی کاوش خطا سے پاک نہیں۔اسلیئے اگر کہیں کوئی خطا ہوئی ہوگی تو وہ دانستہ نہیں، بلکہ سہواً ہی ہوئی ہوگی۔لہٰذا اگر کہیں کوئی کمی بیشی نظر آئے،کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت پر نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔اگر واقعتاً ایسا ہی ہوا تو انشاء اللہ ہم فوراً رجوع کریں گے۔اللہ ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔(آمین)

(۲)۔خالق اور اسکی مخلوقات میں سے بہترین ہستیاں انبیاء علیہم السلام سے محبت اور ان کی عزت وتوقیر ایمان کی بنیادی شرط ہے۔مزید یہ کہ اہل تقویٰ صالحین کا ادب واحترام بھی ہم پر لازم ہے۔لہٰذا تصانیف میں ہم نے الفاظ کے چناؤ میں ہر ممکن ادب واحترام (Ethics) کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔لیکن سوشل میڈیا پر موجود مواد کو آسانی سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔لہٰذا اس ضمن میں ہمارے اس مواد میں کوئی بے ادبی پر مبنی قابل اعتراض الفاظ نظر آئیں،تو وہ یقیناً کسی نے ہماری تحریر میں تحریف کی ہوگی۔لہٰذا اس صورت حال میں ہم سے تصدیق کرنا ضروری ہے۔

☆ چونکہ اس مسودہ کی پروف ریڈنگ ابھی پوری طرح سے نہیں ہوسکی،لہٰذا الفاظی غلطیوں کیلیئے پیشگی معذرت۔

شارٹ وڈیو (Clips) کی تفصیل

سَچی سُچی رہنمائی (Pure Guidance)

اللہ کے خصوصی فضل وکرم کی بدولت لمبا عرصہ دین میں غوطہ زن رہ کر، سچائی کی بنیاد پر فہمِ دین کی بلاتعصب (بے رنگ شفاف عینک والے شیشوں سے) تمام مکاتب فکر سے استفادہ کی بناپر، دین کے تمام اہم موضوعات پر مبنی (دو تین منٹ) کی انتہائی مختصر وڈیوز (Speech) درج ذیل عنوانات کے تحت تیار کی جارہی ہیں:

نمبر	عنوان	نمبر	عنوان
1	دنیا کی حقیقت اور آخرت کا تصور	5	ایمان
a	ہماری حقیقت اور ابلیس	6	ہدایت اور فرقہ پرستی
b	مقصدِ حیات	7	توحید
c	موت پر حقائق	8	رسالت
d	دنیا کی حقیقت	9	عبادات
e	اُخروی حسرتیں	10	دین کی اخلاقی تعلیمات
f	اُخروی انجام	11	معاشیات
2	خالق کا یقین	12	قرآنِ حکیم سے منتخب مقامات (قرآن کا مطلوب انسان)
3	خالق سے تعلق کے مراحل	13	متفرق عنوانات
4	قرآن ہدایت کی اوّلین بنیاد		

بڑی خوشخبری: عوام کی سہولت کیلئے اِن تمام عنوانات / لیکچرز کو صرف ایک ہی تصنیف میں ''نجات'' کے عنوان کے تحت کتابی شکل میں اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ جو اِس وقت آپکے ہاتھ میں ہے۔ فائدہ اُٹھا کر دوسروں کی رہنمائی کا ذریعہ بنیں۔

اب جس کے جی میں آئے پائے وہی روشنی　　　ہم نے دیا جلا کے سرِ بام رکھ دیا

یاد رکھیں! حقیقی ہدایت صرف اُس پر کُھلتی ہے جس میں: اخلاص ہو، سچائی جاننے کی شدید تڑپ ہو، پیاس ہو، جو بے قرار ہو، جس کیلئے ہدایت زندگی موت کا مسئلہ بن جائے۔ حقیقی ہدایت تک رسائی کیلئے مذکورہ مواد جیسے جیسے تیار ہوتا جائے گا، درج ذیل (YouTube) چینل پر دستیاب (Upload) ہوتا جائے گا۔ سچائی سے خود آگاہ ہو کر دوسروں کی آگاہی کا ذریعہ بنیں۔

Channel: @nijat63

Web Site: (www.khidmat-islam.com)

فہرست

☆ کتاب نہیں کتابوں کا مجموعہ.......5
☆ ہم نے ''دیا'' جلا کے سرِ بام رکھ دیا.......6
(1)۔دنیا کی حقیقت اور آخرت کا تصور.......7
(i)۔ہماری حقیقت.......8
(ii)۔مقصدِ حیات.......14
(iii)۔موت پر حقائق.......23
(iv)۔آخرت کا تصور اور دنیا کی حقیقت.......30
(v)۔حسرتیں.......49
(vi)۔اُخروی انجام.......57
(2)۔خالق کا یقین.......65
(3)۔خالق سے تعلق کے مراحل.......81
(4)۔قرآن دین کی اولین بنیاد.......85
(5)۔ایمان.......94
(6)۔ہدایت اور فرقہ پرستی.......103
(7)۔توحید.......110
(8)۔رسالت.......130
(9)۔عبادات.......147
(10)۔اخلاقیات و معاملات.......156
(11)۔معاشیات.......173
(12)۔قرآنِ حکیم سے چند منتخب مقامات (قرآن کا مطلوب انسان).......174
(13)۔متفرق عنوانات.......197
☆ ہر دن کے اہداف.......219
☆ بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ.......220
☆ ہماری تحاریر.......221
☆ ہماری دعوت.......222
☆ ویب سائٹ کا تعارف.......223

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالانبياء والمرسلين و على آله وصحبه اجمعين اما بعد!

کتاب نہیں کتابوں کا مجموعہ

الحمد اللہ طویل عرصہ بلاتعصب (بے رنگ شفاف عینک سے) ہدایت کی تلاش کی انتھک محنت کے نتیجے میں پروردگار نے بے پناہ فضل فرماتے ہوئے حقیقی ہدایت کی راہیں کھولیں اور اِس ہدایت کو منظّم تحریری شکل میں مرتب کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔لوگوں کی سہولت کیلئے یہ تحریری مواد:

(۱)۔تفصیلی کتابیں،(۲)۔کم تفصیل پر مبنی کتابچے،(۳)۔پانچ،دس صفحات پر مشتمل مختصر پمفلٹ،(۴)۔موبائل وغیرہ پر شیئرنگ کیلئے خلاصے کی شکل میں "صرف ایک صفحہ پر مبنی بروشرز/شارٹ وڈیولیکچرز اور(۵)۔چند سطور پر مبنی گولڈن اقوال کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔

مادہ پرستی کے اس دور میں اکثریت کے پاس اب بھاری بھرکم تحاریر پڑھنے کا وقت نہیں رہا۔لہٰذا دورِ حاضر کے تقاضوں کے تحت عوام کیلئے ہماری تمام تصانیف کا نچوڑ انتہائی مختصر خلاصے کی شکل میں یعنی دو تین منٹ کے شارٹ لیکچرز میں ریکارڈ کرایا جارہا جسے آپکے ہاتھ میں موجود اس کتاب میں ایک جمع کر دیا گیا ہے۔یوں دین کے "تمام عنوانات کا خلاصہ" انتہائی مختصر شکل "صرف ایک صفحہ" جسے پڑھنے میں تین چار منٹ درکار ہوں گے،**نجات** کے انتہائی قیمتی خزانے کی شکل میں اب آپکے پاس موجود ہے۔**نجات** کے اس قیمتی خزانے سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اس روشنی کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔اللہ ہمیں سعادت مند بنادے۔(آمین)

ڈگری کی رکاوٹ

راہِ ہدایت میں حائل بے شمار رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ یعنی دین پر بات کرنے کیلئے کسی مدرسہ سے سند یافتہ ہونا ضروری ہے،اس پر چند ضروری باتیں سمجھ لیں: تحصیل علم کیلئے باقاعدہ کورسز کی افادیت سے تو انکار نہیں۔تحصیل علم میں جتنا زیادہ وقت دیا جائے،اسی قدر علم میں اضافہ ہوگا۔لیکن مقصد،علم ہے نہ کہ ڈگری۔دین کا علم سیکھنے کیلئے ڈگری شرط نہیں۔ڈگری کے بغیر بھی مختلف ذرائع (قرآن وسنت،استاد،تقاریر وتحاریر،شروح) سے علم سیکھا جاسکتا ہے،جیسا کہ ہمارے اسلاف (ائمہ ومحدثینؒ) نے سیکھا۔اگر فرقہ واریت کی جگہ اسلام ترجیح ہو تو مدارس کی ڈگریاں مفید ثابت ہوں۔لیکن مدارس سے اپنے فرقے کے علاوہ باقیوں کی نفی کی ڈگری سے،کس خیر کی امید کی جاسکتی ہے؟ کس کی ڈگری مانیں گے اور کس کی نہیں؟ ہر کوئی اپنے فرقہ کی ڈگری کو عین حق ،جبکہ باقی سب کی ڈگریوں کو غلط بلکہ اپنے سوا باقیوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔حالانکہ سب صرف ونحو کی پیچیدگیوں سمیت قرآن،حدیث،فقہ،منطق...... سیکھ کر فارغ ہوتے ہیں۔ یادرکھیں! حقیقی علم صرف اسے ہی نصیب ہوگا،جو مخلص ہوگا۔جس کا مقصد نہ فرقے،نہ دولت،نہ عزت نہ شہرت ہوگی،بلکہ اللہ کی رضا اور اسلام مقصود ہوگا جو کہ بڑا مشکل کام ہے۔

ہم نے تو ''دیا'' جلا کے سرِ بام رکھ دیا

یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ ہم مسلمان ہونے، حرم کے پاسباں ہونے کا دعویٰ کرنے اور تمام تر دینی جدوجہد کے باوجود دن بدن اخلاقی زوال کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ہماری انفرادی، خاندانی اور معاشرتی زندگیاں بدترین اخلاقی و عملی زوال کا شکار ہو چکی ہیں۔ جس کی بدولت عدم استحکام، استحصال اور شدید معاشرتی بحران پیدا ہو چکا ہے۔ اور امن و سلامتی کے ساتھ زمین پر رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ایک ریڑھی بان سے لے کر اعلیٰ سطح تک، ملاوٹ، دھوکہ دہی، عہد شکنی، حق تلفی، خیانت، جھوٹ، رشوت، ناجائز سفارش.... کے ذریعے دوسروں کی حق تلفی سے، الا ماشاء اللہ کوئی بھی باز نہیں آتا۔ مادیت عروج پر ہے جبکہ روحانیت مغلوب۔ اسلام کی جگہ فرقوں نے لے لی ہے اور مذہب پسندی اب تعصب اور ہٹ دھرمی کا نام بن چکی ہے۔ توحید کی جگہ شرک نے جبکہ سنت کی جگہ بدعات و خرافات نے لے لی ہے۔ اپنے اپنے من پسند فرقوں کے احیاء کی خاطر قرآن و سنت کی تحریف کرنا، مذہب کے ذریعے مال، جائیدادیں، گاڑیاں .... بنانا، مذہبی منافرت اور تعصب کی بنا پر جنگ و جدل، خونریزی، عبادت گاہوں میں بم دھماکے، املاک کی توڑ پھوڑ اور قانون شکنی کے ذریعے امن و سلامتی اور ملکی بقا کو خطرے میں ڈالنا اب مسلمانوں کا وطیرہ بن چکا ہے۔ دین کی خدمت کے نام پر دوسرے فرقوں کی مساجد پر قبضہ کرنا ہم نے اپنا شعار بنا لیا ہے۔ ان حالات میں ہر صاحبِ فکر کو سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے کہ آخر مسئلہ کہاں پر ہے؟ جہاں تک ہم نے غور و فکر کیا ہے اُس کے مطابق ''اصل مسئلہ قرآن کی رہنمائی'' سے دوری ہے۔ جب تک قرآنی احکامات من و عن ہماری زندگیوں کا حصہ نہیں بنیں گے تب تک اِس بھنور سے راہ یابی کی کوئی صورت نہیں۔ اسلئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ ہمارا خالق ہم سے کیا چاہتا ہے؟ لہٰذا اِس ضمن میں آپ کے ہاتھ میں موجود یہ تحریر عمومی طور پر اور اِسکا (باب :۱۲: قرآن کا مطلوب انسان) خصوصاً آپ کو یہ رہنمائی دے گا کہ ہمارا خالق ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اسلئے زندگی سے کچھ وقت نکال کر فوراً اپنے آپ کو اپنے خالق کی منشاء کے مطابق ڈھال کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اصلاح کر کے ابدی اُخروی زندگی بچا لیں۔

اب جس کے جی میں آئے پائے وہی روشنی
ہم نے تو دیا جلا کے سرِ بام رکھ دیا

✡✡✡✡✡

(1)۔دنیا کی حقیقت

اور

آخرت کا تصور

(i)۔ہماری حقیقت

(1)۔ہم کیا ہیں؟ (ہماری حقیقت)..9

(2)۔ہماری حقیقت (جسم کا دوسرا حصہ:نفس)...............................9

(3)۔ہماری حقیقت (نفس کی حالتیں)....................................10

(4)۔ہماری حقیقت (روح اور انسانی خیالات)...............................10

(5)۔تزکیہ سے محرومی کا انجام..11

(6)۔آلہ تزکیہ (ایک بڑی غلط فہمی کا اِزالہ)...............................11

(7)۔قرآن اور تزکیہ کی ضروری بنیادیں....................................12

(8)۔ابلیس (حصہ اول)..13

(9)۔ابلیس (حصہ دوم)..13

(1)۔ہم کیا ہیں؟ (ہماری حقیقت)

دنیا اور آخرت کی حقیقت جاننے سے قبل سب سے پہلے ہمیں اپنی حقیقت جاننی ہے کہ ہم کیا ہیں؟ ہمارا وجود تین حصوں پر مشتمل ہے۔نمبر:ا۔جسم (یعنی مادی قالب)،نمبر:۲۔نفس اور نمبر:۳۔روح۔

نمبر:ا۔ جسم (یعنی مادی وجود): یہ گوشت پوست کا ایک مادی قالب ہے جو (60%) پانی اور دیگر ان گنت عناصر پر مشتمل ہے۔یعنی ہمارے ڈھانچے کا زیادہ تر حصہ پانی پر مشتمل ہے۔یہ سب عناصر توازن اور مطلوبہ مقدار میں موجود رہیں تو زندگی ہے، ورنہ کسی ایک چیز میں کمی بیشی بھی انسان کو لاچار کرکے رکھ سکتی ہے۔ہماری شخصیت کا یہ حصہ دائمی نہیں بلکہ عارضی طور پر اس دنیا کے شب وروز گزارنے کیلئے دیا گیا ہے۔یہ حیوانی وجود ہے جسے اپنی بقا کیلئے خوراک اور افزائش نسل کی ضرورت ہے۔اس کی ساری رغبت کھانے پینے اور شہوات پورا کرنے میں ہے۔اس میں موجود حواسِ خمسہ سے: دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔جبکہ دل ودماغ سے قلب وذہن جیسی غیر مادی حسّیں جنم لیتی ہیں جو نفس اور روح کیلئے اہم کردار ادا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔مذکورہ ظاہری دھانچہ ہی انسان کی ساری توجہ کا مرکز ہے۔ہماری ساری توانائیاں صِرف اسی حصہ کی سَیوا میں کھپتی ہیں۔زندگی صرف اِسی کی فکر میں بیتتی ہے۔اسکے سوا ہمیں کچھ اور نظر نہیں آتا۔مزید آگاہی کیلئے اگلے لیکچر کا انتظار کریں۔

(2)۔ہماری حقیقت (جسم کا دوسرا حصہ: نفس)

''نفس'' ایک غیر مادی یعنی غیر مرئی (Invisible) چیز ہے۔یہ وہ لطیف حِس ہے جو قلب وذہن اور حواسِ خمسہ سے متعلق ہے۔نفس کے تین اجزا ہیں: نمبر۔ا: مادی جسم، نمبر۔۲: حواسِ خمسہ یعنی (دیکھنا، سننا، چکھنا، چھونا اور سونگھنا)، نمبر۔۳: قلب وذہن۔ان تین اجزا کے مجموعے کا نام ''نفس'' ہے۔

دماغ: تمام قسم کے احساسات: یعنی اچھا، بُرا، میٹھا کڑوا، سکون، تکلیف وغیرہ دماغ (یعنی قلب وذہن) میں محسوس کئے جاتے ہیں۔دماغ پورے بدن پر حکمران ہے۔ذہن غیر مادی چیز ہے جو دماغ کا حاصل یعنی (Out put) ہے۔اور یہ حاصل ذہانت وفطانت، عقل ودانائی اور فہم وفراست.... کی شکل میں ہے۔عقل ودانش وہ نور ہے جو تعلیماتِ وحی سمیت دیگر علوم کے فہم کا ذریعہ ہے۔جو لوگ اس عظیم نعمت کے استعمال سے نظریں چرا لیتے ہیں وہ جہالت و درندگی کا شکار ہوکر معاشرے کیلئے ناسور بن جاتے ہیں۔عقل کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسکی بنیاد پختہ علم پر ہو، ورنہ دوھوکہ بھی لگ سکتا ہے۔

حواسِ خمسہ: یہ جسم اور ذہن سے مل کر خواہشات کو جنم دیتے ہیں۔پس معلوم ہوا کہ **نفس** کا تعلق انسان کے باطن، اِسکی سوچ، اِسکی کیفیت اور اِسکی حالت کے ساتھ ہے۔اسی سے فطرت تبدیل ہوتی ہے۔نفس اور شیطان باہم مل کر اپنا کام کرتے ہیں۔شیطان کی زمین نفس ہے۔عموماً: شہوات، اخلاقِ رذیلہ، مکروفریب اور غیظ وغضب کا ذریعہ ''نفس'' ہی بنتا ہے، مگر یہ کہ اسکی اصلاح یعنی اسکا تزکیہ کرلیا جائے۔

(3)۔ ہماری حقیقت (نفس کی حالتیں)

نفس کی حقیقت سے آگاہی کے بعد اب ہم اِسکی مختلف حالتوں کو جانتے ہیں۔
نفس کی حالتیں: نفس کی تین حالتیں ہیں: نفسِ مطمئنّہ، نفسِ امّارہ اور نفسِ لوّامہ
نمبر۔۱: نفسِ مطمئنّہ: یہ تربیتِ نفس کا سب سے اونچا مقام ہے، جس میں نفس کا توازن پوری طرح برقرار ہوجاتا ہے۔ فطرتِ سلیمہ پوری طرح سے جاگ جاتی ہے۔ مَن میں خالق کے احکامات کی مکمل پیروی کا شوق و جذبہ اُمڈ آتا ہے، دیکھئے: (الفجر: آیت: 27-30)۔ نمبر۔۲: نفسِ امّارہ: ایسا بدنصیب شخص جو نفس کی برائیوں پر کی گئی ملامت کی پروا نہ کرے۔ محض شہوات کو پورا کرنا ہی جس کا مقصدِ حیات بن جائے۔ وہ خالق کے عطا کردہ نفس کے توازن کو کھو بیٹھتا ہے۔ اِسکی فطرتِ سلیمہ مسخ ہوجاتی ہے اور اِس میں نیکی، بدی کا شعور جاتا رہتا ہے اور یہ برائیوں کی غلاظت میں لپٹتا جاتا ہے، دیکھئے: (سورہ یوسف: آیت: 53)
نمبر۔۳: نفسِ لوّامہ: یہ نفس کی وہ حالت ہے جس میں اِسکا توازن ابھی پوری طرح سے نہیں بگڑا۔ نیکی اور بدی کا شعور بھرپور طور پر موجود ہے۔ انسان کا باطن نیکیوں پر خوشی اور برائیوں پر ملامت کرتا ہے۔ اِس ملامت پر انسان اگر کان دھرتا رہے، تو رفتہ رفتہ نفسِ مطمئنّہ تک جا پہنچتا ہے۔ دیکھئے: (القیامہ: آیت: 2)۔
نفس کی اصلاح کی تدابیر: نفس کو قابو میں رکھنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اسکے لئے زندگی بھر محنت کی ضرورت ہے۔ اِسکی اصلاح کیلئے: نمبر۔۱: تبدیلی کا پختہ فیصلہ کیا جائے، نمبر۔۲: خالق کے ساتھ تعلق مضبوط کیا جائے، نمبر۔۳: اچھی صحبت کا التزام اور بری صحبت سے ہر ممکن اجتناب کیا جائے، نمبر۔۴: بُرائیوں سے کنارہ کشی کی جائے، نمبر۔۵: موت کی یاد اور اُخروی انجام کے محاسبے سے خواہشات کو لگام ڈالی جائے، نمبر۔۶: شب و روز فہم قرآن سے وابستہ رہا جائے، اور نمبر۔۷: دعا کے ذریعے خالق سے مدد طلب کی جائے۔

(4)۔ ہماری حقیقت (روح اور انسانی خیالات)

روح: روح کے متعلق بہت کم علم دیا گیا ہے۔ تاہم جو بات معلوم ہوتی ہے اُسکے مطابق نفس کی طرح روح بھی ایک غیر مادی یعنی غیر مرئی اور انتہائی لطیف چیز ہے۔ یہ دائمی ہے۔ ہمارا مادی جسم تو عالمِ خَلق یعنی اِسی دنیا کے اجزا سے بنایا گیا ہے، جبکہ روح، عالمِ امر (یعنی اللہ کے حُکمِ خاص) سے آئی ہے۔ اگر یہ بدن میں موجود ہے تو ہم زندہ ہیں، اگر نکل جائے تو بدن مردہ ہوجائے۔ نفس کے برعکس ''روح'' اخلاقِ حمیدہ یعنی: (ایمان، تقویٰ و تطہیر، پاکیزگی، سچائی، دیانتداری اور حیا...) کا منبع ہے۔ جس طرح جسم کی بقا کیلئے اِسکی مطلوبہ مادی غذا کی ضرورت ہے۔ اسی طرح روح کی بقا اور اِسکے توانا رہنے کیلئے بھی اِسے اِسکی مطلوبہ غذا ملنا ضروری ہے۔ اور اِسکی غذا: عبادت، یادِ الٰہی، تقویٰ و تطہیر اور صالح اعمال ہیں۔ پس! جسم کے ساتھ ساتھ روح کی آبیاری کی بھی بھرپور فکر کیجئے تاکہ ابدی زندگی بچ سکے۔ انسانی خیالات کا منبع: خیالات کہاں سے آتے ہیں؟ ہمارے قلب و ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کے تین ذرائع ہیں: نمبر۔۱: خالق اور اُسکے فرشتے، نمبر۔۲: ہوائے نفس، اور نمبر۔۳: شیاطین۔ انہیں قوتوں کے زیر اثر انسان کی زندگی چلتی ہے۔ انسان نے جو کام بھی کرنا ہوا اُسکا اولین درجہ میں محرک خیالات ہی بنتے ہیں۔ جس قسم کی سوچ اور خیال پیدا ہوگا اُسی قسم کا فعل انسان سے سرزد ہوگا۔ پس! پاکیزہ سوچ اور نفس و شیاطین کی اُکساہٹوں سے بچنے کیلئے نفس کی اصلاح یعنی تزکیہ نفس ناگزیر ہے۔

(5)۔تزکیہ سے محرومی کا انجام

دنیا وآخرت کی حقیقی فلاح کیلئے وہ بنیادی ''صفت'' جس کا انسان سے بطورِ ہدف، گول یا ٹارگٹ تقاضا کیا گیا ہے وہ ''تقویٰ'' ہے۔لیکن تقویٰ کے مقام کو پانے کیلئے پہلی بنیادی شرط تزکیہ ہے۔ان دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ''تزکیہ سوچ کی تبدیلی'' جبکہ ''تقویٰ عمل کی تبدیلی کا نام ہے۔ یعنی اعضائے بدن کو خالق کا مطیع وفرمانبردار بنانا تقویٰ ہے۔تزکیہ کا مرکزومحور ہمارا نفس اور قلب وذہن ہے۔جبکہ تزکیہ کا حاصل، عمدہ کردار اور احسن عمل یعنی ''تقویٰ'' ہے۔جیسی سوچ ہوگی ویسا ہی عمل ہوگا۔اسلئے پہلے سوچ (نفس) کو پاک کرنا ہوگا۔زمین کو تیار کرنا ہوگا، پھر بہتر عمل کی نوبت آئے گی۔اسی لئے پروردگار نے اکٹھی سات قسمیں کھا کر انسان سے اصلاحِ نفس یعنی ''تزکیہ'' کا انتہائی زور دار تقاضا کیا ہے اور تزکیہ سے محرومی پر بڑی ہلاکت کا فیصلہ سنا دیا ہے، جیسا کہ انسان کو خبردار کردیا گیا: ترجمہ: ''یقیناً مراد کو پہنچ گیا وہ جس نے اس (نفس) کو پاک کرلیا، اور یقیناً نامراد ہوگیا وہ جس نے اسے مٹی میں دفن کردیا۔'' (الشمس: آیت:9-10)۔تزکیہ سے مراد باطن یعنی سوچ کی تبدیلی ہے۔یعنی اپنی سوچ کو خالق کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنا جسکا اولین ہدف: توحید، رسالت اور ایمان واخلاق کی اصلاح ہے۔ اِسی کا نام تعمیرِ سیرت ہے۔پس! جو تزکیے سے محروم رہ گیا۔یعنی جسکی سوچ، جسکا باطن خالق کی تعلیمات کے مطابق نہ ڈھل سکا وہ شہوات کا پجاری بن کر، بے عملی کا شکار ہوکر خسارے کی راہ پر چڑھ گیا۔یہی وہ ہلاکت ہے جس سے انسان کو مذکورہ آیت میں متنبہ کیا گیا ہے۔پس! جلد از جلد اپنے باطن کی صفائی کرکے، قرآن کے مطابق ڈھل کر، تقوے کی راہ کو اپنا کر اپنے آپ کو ابدی ہلاکت سے بچالیں۔

(6)۔آلہ تزکیہ (ایک بڑی غلط فہمی کا اِزالہ)

تزکیہ کے متعلق آگاہی کے بعد اب اگلا سوال یہ ہے کہ تزکیہ کرنے کیلئے کون سا آلہ استعمال کرنا ہے؟ جب ہم معاشرے میں دیکھتے ہیں تو ہمیں تزکیے کے اَن گنت طور طریقے نظر آتے ہیں۔ ہر مسلک، ہر گروہ، ہر مکتبہ فکر کے پاس تزکیہ کا اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔جبکہ سب سے پہلے ہمیں قرآن سے دیکھنا چاہیے کہ اس حوالے سے خالق سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔چنانچہ اس ضمن میں پروردگار نے فرمایا: ترجمہ: ''یقیناً اللہ نے احسان کیا اہل ایمان پر کہ اِنہیں میں سے ان میں اپنا رسول مبعوث فرمادیا (مقصود یہ کہ) وہ انہیں آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب کی تعلیم اور حکمت سکھاتا ہے۔اور اس سے قبل یہ کھلی گمراہی میں تھے۔'' (آلِ عمران: آیت:164)۔اس آیت کریمہ نے یہ دوٹوک حقیقت واضح کردی ہے کہ: نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مبعوث کیا جانا اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اور یہ احسانِ عظیم کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ قرآن کی آیات کی تلاوت اور تعلیم وحکمت کے نور سے لوگوں کا ''تزکیہ'' کیا جائے، جیسا کہ (البقرہ: آیت:129) اور (سورہ جمعہ: آیت:2) میں بھی یہی بات واضح کی گئی ہے۔یعنی قرآن کے ذریعے صفائی کی جائے اور گمراہی اور باطل نظریات کا خاتمہ کرکے قلب وذہن کو خالق کے احکامات پر اُستوار کیا جائے۔یہی حقیقی تزکیہ ہے کہ اپنا فہم، اپنی سوچ، اپنے نظریات قرآن کے مطابق کرلینا۔نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا آلہ دعوت وانذار اور آلہ تزکیہ قرآن ہی تھا، جیسا کہ پروردگار نے تخصیص کے ساتھ فرمایا: ترجمہ: ''پس آپ نصیحت کیجئے اِس قرآن کے ساتھ ہر اُس شخص کو جو میری وعید کا ڈر رکھے۔'' (سورہ ق: آیت:45)۔لیکن افسوس کہ الّا ماشاء اللہ اکثریت اس راہ کو چھوڑ چکی ہے، جسکی شکایت بروز قیامت نبی کریم ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں یوں کرنی ہے: ترجمہ: ''اور عرض کریں گے رسول کہ اے میرے رب میری قوم نے اِس قرآن کو پسِ پُشت ڈال دیا تھا (یعنی رہنما نہ بنایا تھا)'' (الفرقان: آیت:30)۔پس حق واضح ہوجانے پر فوراً حقیقت کو تسلیم کرکے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچالیں۔

(7)۔قرآن اور تزکیہ کی ضروری بنیادیں

آج ہم یہ انتہائی اہم حقیقت جانیں گے کہ قرآنِ حکیم کی روشنی میں تزکیہ کی ضروری بنیادیں کیا ہیں؟

نمبر۔۱:توحید: دین کی پہلی بنیاد ''توحید'' (لا اِلٰہَ اِلاّ اللہ) ہے۔جس میں شرک کی نفی اور توحید کا اَثبات ہے۔اللہ کے سوا کسی اور کو معبود کے درجے پر فائز کرنے سے بچنا یعنی اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔تمام انبیاءعلیہم السلام کی دعوت کی اوّلین بنیاد یہی تھی۔جو اِس حقیقت کو پانے میں ناکام ہوگیا، وہ سب کچھ پا کر بھی سب کچھ کھو بیٹھا۔

نمبر۔۲:رسالت: یعنی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو آخری نبی تسلیم کرنا۔رسالت کے تمام تقاضوں کو قرآن کی روشنی میں سمجھنا اور اِنہیں ملحوظ رکھنا۔اپنے اپنے مَن پسند فرقے اور اکابرین کی پیروی کو آپﷺ کے تابع کرنا جو کہ انتہائی مشکل کام ہے۔مزید یہ کہ:رسالت کی ضِد: آبا پرستی اور سّنت کی ضِد:بدعات سے بچنا۔

نمبر۔۳:عبادات:ترجیح،شوق وجذبہ،اورخشوع وخضوع سے عبادات کا اہتمام کرنا۔

نمبر۔۴:حقوق العباد:یعنی اخلاقیات ومعاملات میں خالق کی حدود پر پہرہ دینا،جسکے بنیادی تقاضے: عدل واحسان،سچائی،حیا کی پاسداری،رزقِ حلال،کفالت کی ذمہ داری،ایفائے عہد،امانت داری،حُرمتِ مال،حُرمتِ جان،اور والدین سے حسنِ سلوک سمیت دیگر رشتوں کا لحاظ رکھنا ہے۔مزید یہ کہ انتشار وبدامنی،فتنہ وفساد کا حصہ بننے سے بچنا۔جو یہاں فیل ہوگیا وہ مارا گیا۔

نمبر۔۵:گناہ سے بچنا: گناہ،بالخصوص کبائر سے اجتناب کرنا۔اگر کہیں بھول چوک ہو جائے تو اُس پر اصرار کرنے کی بجائے فوراًپلٹ آنا،

نمبر۔۶:اِنفاق وقربانی:اللہ کیلئے حسبِ توفیق:جان،مال،وقت اور صلاحیتوں میں سے خرچ کرتے رہنا۔

نمبر۔۷:صبر وشکر:زندگی میں آنے والے دکھ درد،تنگی وتکالیف،بیماریوں پر صبر کرنا اورنعمتوں کے ملنے پر شکر گزار رہنا۔

نمبر۔۸:دعوتِ دین:انسانیت کی صحیح دینی رہنمائی کرنے کا ذریعہ بننا،بالخصوص اپنی رعیّت کیلئے یہ فرض ہے۔

یہ ہیں قرآنِ حکیم کی روشنی میں تزکیہ یعنی ہماری سوچ،ہماری زمین کی تیاری کی اصل بنیادیں جونجات کیلئے ناگزیر ہیں۔

(8)۔ابلیس (حصہ اول)

جسم،نفس اور روح کی بابت ضروری آگاہی کے بعد اب ہم ابلیس کے متعلق جانتے ہیں۔ابلیس انسان کا بدترین دشمن ہے۔یہ انتہائی خطرناک،مکاراور چالاک دشمن ہے۔جنّ و اِنس میں بہت سے اِسکے ساتھی اور مددگار ہیں۔اسکا مقصد جنّ و اِنس کو ابدی دوزخ کا ایندھن بنانا ہے۔جس میں وہ پوری طرح کامیاب ہے۔ اِس نے کھلا چیلنج کیا ہے کہ: ''میں تمام اولادِ (آدم) کی جڑ کاٹ کر رکھ دوں گا سوائے چند لوگوں کے۔''(بنی اسرائیل: آیت:62)

ابلیس کا عمل دخل: اِسکا بڑا لاؤ لشکر ہے۔اِسکے پاس وسوسہ اندازی کا ہتھیار ہے،ذہن میں برائی کے خیالات ڈالتا ہے۔یہ ایک لمحے کی تاخیر کیئے بغیر ہمہ تن اپنے کام میں مصروفِ عمل ہے اور کسی کو بھی سپیئر نہیں کرتا۔نیک ہو یا بد،ہر شخص کیلیئے اُسکی مناسبت سے اِس کے پاس قابو کرنے کے لئے ہزاروں داؤ اور چالیں ہیں۔یہ انسان کے خون میں گردش کرتے ہوئے انسان کو اُچک لیتا ہے۔انسان کو اتنی چالاکی اور مکاری سے قابو کرتا ہے کہ انسان کو کان و کان خبر نہیں ہو پاتی۔انسانیت اس کے حوالے سے سوئی ہوئی ہے،جبکہ اِس ظالم نے انسانیت کا تیہ پانچا کر کے رکھ دیا ہے۔ابلیس کے اہداف: اس کا سب سے بڑا ہدف: انسان کو اللہ و رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا دشمن بنانا اور کفر و شرک کی غلاظت میں غرق کرنا ہے۔مزید یہ کہ: باہم انسانوں میں بے حیائی،فتنہ و فساد،لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت کے ذریعے انسان کا جینا حرام کرنا۔ابلیس پر مزید آگاہی کیلیئے اگلا لیکچر ضرور دیکھیئے۔

(9)۔ابلیس (حصہ دوم)

ابلیس کی چالیں: یہ مکار دشمن کس طرح ورغلاتا ہے،چند ضروری نکات ذہن نشین کر لیں:

نمبر۔۱: نفسِ امّارہ پر لا کر اچھائی برائی کی تمیز ختم کروا کر اعلانیہ جرائم: چوری ڈاکہ،قتل و غارت،بدکاری،جوا اور شراب نوشی... پر آمادہ کرنا،نمبر۔۲: جو لوگ نیکی بدی میں تمیز پر قائم ہوں اُن میں سستی کاہلی پیدا کرنا۔ترجیح اور سبقت سے روکتے ہوئے ناقص اعمال پر مائل کرنا،نمبر۔۳: صالحین میں خود پسندی اور ریا کاری پیدا کر کے اعمال کو ضائع کرانا،نمبر۔۴: غلُو یعنی حد سے تجاوز کرانا: متقین کو خدائی صفات کا حامل قرار دلوا کر شرک کی دلدل میں دھکیلنا یا شرک کی آڑ اور توحید میں غلُو سے اِنکی تحقیر کرانا۔نمبر۔۵: شہوات اور لذات کو بطورِ ڈھال استعمال کرتے ہوئے بے حیائی، بدکاری، دنیا پرستی سمیت دیگر اخلاقی برائیوں پر اُکسانا،نمبر۔۶: لمبی امیدیں اور جھوٹے وعدوں کی آڑ میں ورغلانا،نمبر۔۷: جس فطرتِ توحید پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اُس میں بگاڑ پیدا کرنا۔توحید کی جگہ شرک پر آمادہ کرنا، نمبر۔۸: آلہ تزئین یعنی غلط کاموں کو نظروں کے سامنے سنوار کر خوش فہمی میں مبتلا کر کے بُرائی پر مطمئن کرنا، نمبر۔۱۰: سنت کو اپنانے کی بجائے بدعات کو خوشنما بنا کر ان پر مائل کرنا،نمبر۔۱۱: رحمتِ الٰہی کی غلط امیدوں کے جال میں پھنسا کر خوش فہمی میں مبتلا کر کے بے عملی پر گامزن کرنا،نمبر۔۱۲: عقل و بصیرت اور دلیل (یعنی قرآن و سنت) کی بجائے اندھا دھند گُمان و قیاس پر لانا۔ابلیس سے بچاؤ: ابلیس سے صرف اللہ ہی بچا سکتا ہے۔تاہم اِسکی چالوں کی زَد سے بچنے کیلیئے: نمبر۔۱: بچاؤ کی پہلی بنیادی شرط اخلاص ہے،نمبر۔۲: دعا کے ذریعے اللہ کی پناہ میں آنا،نمبر۔۳: اسکے داؤ کا سب سے بڑا توڑ: دلیل (یعنی قرآن و سنت) کی پیروی ہے۔ہر ہر عقیدہ اور ہر ہر عمل کو پختہ دلیل کی بنیاد پر اختیار کرنا،نمبر۔۴: گناہ سے فاصلے پر رہنا۔پس! اس مکار سے دوستی نہیں کرنی، بلکہ دشمنی کرنی ہے یعنی اسکے خلاف چلنا ہے۔

(ii)۔مقصدِ حیات

(1)۔مقصدِ حیات (ہماری نظر میں)۔حصہ اول.........................15
(1)۔مقصدِ حیات اور کامیابی کا اصل راز! (حصہ دوم)....................16
(2)۔مقصدِ حیات (خالق کی نظر میں)..............................16
(3)۔مقصدِ حیات (بارِامانت کا بنیادی تقاضا)..........................17
(4)۔مقصدِ حیات (ابلیس کی مخالفت)................................17
(5)۔مقصدِ حیات (ابلیس سے دوستی کا انجام)..........................18
(6)۔مقصدِ حیات کے حقیقی اہداف..................................18
(7)۔مقصدِ حیات: ایک لفظ میں.......................................19
(8)۔تقویٰ کے عظیم ثمرات (حصہ اول)................................19
(8)۔تقویٰ کے عظیم ثمرات (حصہ دوم)................................20
(9)۔مقصدِ حیات اور انتہائی قابلِ غور حقائق..........................21
(10)۔جینے کا بڑا مقصد (Greator Meaning of Life)......22

(1)۔مقصدِ حیات (ہماری نظر میں)۔حصہ اول

اِس حقیقت کو جاننا انتہائی ضروری ہے کہ:ہمیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ہمیں دنیا میں کس لئے بھیجا گیا ہے؟ کیونکہ دنیا میں آنے کی جو غایت بھی ہمیں سمجھ آئے گی،اُسی کے گرد ہمارے شب وروز صَرف ہوں گے۔**زندگی کا آغاز:** زندگی کا آغاز ہمیں ایک بھولے بھالے چھوٹے سے معصوم بچے کی شکل میں نظر آتا ہے۔جو وقت کے ساتھ ساتھ دنیا کے ماحول میں رہتے ہوئے دنیا کی چالاکیاں ،ہوشیاریاں سیکھ کر اِس دنیا کی بھیڑ میں یوں گم ہوجاتا ہے کہ اصل مقصد اُسے یاد ہی نہیں رہتا۔

مقصدِ حیات ہماری نظر میں: اِلّا ماشاءاللہ ارد گرد کے ماحول سے انسان کو مقصدِ حیات صرف دنیا میں کامیاب ہونا ہی سمجھ آتا ہے اور انسان اپنے حالات اور صلاحیتوں کے مطابق اِس مقصد کے حصول میں اپنی زندگی کھپانے کا تہیہ کرلیتا ہے۔چنانچہ انسان جب بلوغت کو پہنچتا ہے تو عام طور پر اُسے یہی سمجھ آتا ہے کہ:صرف دنیاوی زندگی میں کامیاب ہونا،دنیاوی آرزوؤں کی بھرپور تکمیل اور کثیر مال و دولت اکٹھا کرنا ہی اصل مقصدِ حیات ہے۔یوں انسان کی کامیابی اور ناکامی کا معیار آخرت کی بجائے صرف دنیا ہی بن جاتا ہے اور جن کے پاس یہ سب کچھ نہ ہو وہ اگرچہ متقی ہوں،اُسے وہ ناکام ہی نظر آتے ہیں۔حقیقی مقصدِ حیات سے دور انسان اپنی سمجھ کے مطابق درج ذیل مختلف راہیں اختیار کرتا ہے:نمبر۔۱:حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر مال بنانا،نمبر۔۲:پُر تعیّش طرزِ زندگی اور عیاشی کو زندگی کا مقصد بنانا،نمبر۔۳:تسکینِ نفس کیلئے:شراب نوشی،بدکاری،موسیقی،گانے باجوں میں مشغولیت، نمبر۔۴:سود،جُوا،چوری ڈاکے،ملاوٹ،لوٹ مار کی راہ کو اختیار کرنا،نمبر۔۵:جادوٹونہ،تعویذ گنڈوں کے ذریعے لوگوں کو گھیر کر مال بٹورنا،اور نمبر۔۶:فرقہ واریت کا شکار ہوکر،لوگوں میں تفریق پیدا کرنا،اسلام کو اپنے فرقے کے تابع کرنا وغیرہ۔اِنہیں دھوکوں میں زندگی تمام ہوجاتی ہے،وقت بہت جلد بیت جاتا ہے اور جب انسان کو ہوش آتا ہے تو اب دنیا کا سفر اپنے اختتام پر ہوتا ہے۔اب اُسے احساس ہوتا ہے کہ یہ دنیا تو عارضی ٹھکانہ تھی،یہ تو حقیقت میں امتحان کی جگہ تھی جسے وہ دارلجزا سمجھ بیٹھا تھا۔اب وہ اپنے آغاز کی طرف واپس جانا چاہتا ہے،لیکن جا نہیں سکتا۔اب سوائے حسرت وافسوس کے اُسکے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں!اِلّا ماشاءاللہ ہم سب کی تقریباً یہی کہانی ہے۔**یادرکھیں!** عقلمند صرف وہ ہے جو مقصدِ حیات کو **بروقت** سمجھ جاتا ہے اور فوراً اپنی زندگی اپنے خالق کے نازل کردہ اُصولوں کے مطابق ڈھال کر اپنے آپ کو بچالیتا ہے،جسکے برعکس نِری ہی بیوقوفی ہے۔لہٰذا ابھی وقت ہے،توبہ کریں اور اصل ٹریک پر آکر ابدی ہلاکت سے بچ جائیں۔

(1)۔ مقصدِ حیات اور کامیابی کا اصل راز! (حصہ دوم)

انسان کی زندگی کے مختلف ادوار ہیں: بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا اور لاغری۔ اِن مختلف ادوار میں انسان کیلئے مقصدِ حیات یعنی کامیابی کے معیارات مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے: بچپن میں زندگی کا مقصد صرف کھیل کود اور کھلونے جمع کرنا ہے۔ لیکن بچے جب بلوغت کو پہنچتے ہیں تو اُنہیں یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اصل کامیابی کھلونے جمع کرنا نہیں بلکہ تعلیمی میدان میں آگے بڑھنا ہے۔ پھر شادی ہونے پر معلوم ہوتا ہے کہ بہترین شریکِ حیات کا ملنا ہی اصل کامیابی ہے۔ پھر روزگار کے معاملات سے دل میں یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اصل کامیابی تو کاروبار کے وسیع ہونے یا ملازمت میں پروموشن سے ہے۔ پھر جوانی ڈھلنے پر نقطہ نظر تبدیل ہو جاتا ہے اور انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اصل کامیابی تو باصلاحیت اولاد، بڑے سے بڑا گھر اور بہترین گاڑی کے ہونے سے ہے۔ لیکن بڑھاپے میں انسان کے نزدیک اصل کامیابی کا پیمانہ بیماریوں سے بچ کر جسمانی و ذہنی تندرستی کا برقرار رہنا قرار پاجاتا ہے۔ بالآخر جب موت کا فرشتہ انسان کی کو وطنِ اصلی کی طرف لینے کیلئے آموجود ہوتا ہے تو اصل بات کھل کر پھر سامنے آتی ہے کہ کامیابی کے تمام تر دنیاوی تصورات درحقیقت بہت بڑا دھوکہ تھے۔ اصل کامیابی تو خالق کے احکامات یعنی قرآنِ حکیم کو سمجھنے اور اُسوہ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق اعمال بجالانے میں تھی جس کیلئے اُسے کبھی وقت ہی نہ مل سکا تھا۔ لہٰذا زندگی کو غنیمت سمجھتے ہوئے فوراً آنکھیں کھولیں اور بروقت فیصلہ کر کے، نصیب ہونے والے ہر دن کی قدر کرتے ہوئے قرآن وسنت کے تحت اصل ٹریک پر آکر دنیا کو آخرت کے تابع کر کے ابدی خسارے سے بچ جائیں۔

(2)۔ مقصدِ حیات (خالق کی نظر میں)

انسان کی نظر میں مقصدِ حیات سے آگاہی کے بعد اب ہم اپنے خالق کی نظر میں مقصدِ حیات کو جانتے ہیں۔ خالق نے بہت بڑے مقصد کے تحت ہمیں یہاں بھیجا ہے، جیسا کہ اُس نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''وہ ہستی جس نے موت وحیات کا سلسلہ جاری کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اَحسن اعمال پر کاربند ہوتا ہے۔'' (الملک: آیت: 1-2)۔ مزید فرمایا: ترجمہ: ''اور نہیں ہے جنوں اور انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد سوائے اِسکے (کوئی اور) کہ وہ میری بندگی کریں''۔ (الذاریٰت: آیت: 65)

آسان الفاظ میں: دیگر آیات کی روشنی میں تخلیق کی غایت کا خلاصہ کچھ یوں بنتا ہے:

''بطورِ امتحان ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا جس میں بنیادی ہدایت ودیعت کر کے اُسے آزادی واختیار دے دیا جائے۔ جو مجبور نہ ہو، بلکہ اپنی مرضی سے اچھائی اور برائی، جس راہ کو چاہے اختیار کر سکتی ہو۔ پھر ان میں سے ایسے خوش نصیبوں کی چھان پھٹک کرنا جو دی گئی امانت یعنی اختیار واقتدار کی آزادی کے باوجود اپنی خواہش، اپنی مرضی اپنے خالق کے تابع کر دیں۔ اپنے خالق کی بندگی، اُس کے حکم، اُس کے قانون کی پاسداری پر جم جائیں.... اِنہیں اُخروی ابدی لافانی بادشاہی (جنت) دے دی جائے اور جو بدنصیب اَمانت کا پاس نہ رکھ سکیں اُنہیں جہنم میں ڈال دیا جائے۔''

اِس مقصد کو پورا کرنے کی تین بنیادی شرائط ہیں: (۱)۔ خالق کی معرفت اور اُس کے احکامات کو جاننے کا صحیح علم حاصل کرنا، (۲)۔ ترجیح کے ساتھ اللہ کے قانون کو اپنی زندگی پر لاگو کرنا، اور (۳)۔ حسبِ استطاعت فریضہ دعوت واصلاح کیلئے کاوش کرنا۔ لیکن اِلّا ماشاءاللہ، انسان حقیقت کو سمجھ نہیں سکا۔ آزادی وامانت کا پاس نہیں رکھ سکا۔ اِسی حقیر زندگی کو جنت سمجھ بیٹھا ہے، بلکہ خواہشات کا رسیا بن کر زمین پر ظلم برپا کر کے اللہ کے غضب کا مستحق ٹھہر گیا ہے۔ لہٰذا ہوش کریں اور بچنے کی فکر کریں۔

(3)۔مقصدِ حیات (بارِامانت کا بنیادی تقاضا)

آج ہم یہ جانیں گے کہ بارِامانت یعنی امانت کی پاسداری کے بوجھ کا بنیادی تقاضا کیا رکھا گیا ہے۔اس ضمن میں پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ:''یہ (بارِامانت) اسلیئے ڈالا گیا ہے تا کہ سزا دے اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور نوازے اپنی رحمت سے اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو، اور اللہ تو ہے بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا۔'' (الاحزاب: آیت:73)

اس بارِامانت میں تین چیزوں کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے: نمبر۔۱:نفاق، نمبر۔۲:شرک، اور نمبر۔۳:ایمان۔ پس!مقصدِ حیات کا بنیادی تقاضا: نفاق اور شرک کی پالیدگی سے اپنا دامن بچا کر حقیقی ایمان کی دولت سے سرفراز ہو کر منافقین اور مشرکین سے بچ کر مومنین کی صف میں داخل ہونا ہے۔معلوم ہوا کہ ہلاکت سے بچنے کیلیئے انسان کیلیئے:''اولین ترجیح: قرآنِ مجید کی رہنمائی میں حقیقی ایمان کو سمجھنا، اِسے پانا اور نفاق اور شرک کو سمجھنا اور اِس سے اپنا دامن بچانا ہے''۔جو ان تین حقائق کے حوالے سے غافل ہو گیا وہ مکار ابلیس کا لقمہ بن گیا۔چونکہ نجات کی بنیاد مذکورہ دو نجاستوں سے بچ کر حقیقی ایمان کو پانے میں ہے اِسلیئے یہاں ابلیس پوری قوت سے میدان میں آ کر انسانیت کو اُچک لے گا۔اور یہی ہوا ہے۔نفاق اور شرک کے بارے میں ابلیس نے اَن گنت چالوں کے ذریعے امت مسلمہ کو ورغلا کر غفلت کی گہری نیند سُلا کر اپنا کام نکال لیا ہے۔پس! بچنا چاہتے ہیں تو اولین ترجیح کے ساتھ: نفاق اور شرک کو سمجھ کر ایمان وعمل اور توحید پر آ کر اپنے آپ کو بچالیں۔آ گاہی کیلیئے دیکھیئے ہماری تحاریر: (ایمان ایک زندہ حقیقت اور توحید:لا الٰہ اِلاّ اللہ)

(4)۔مقصدِ حیات (ابلیس کی مخالفت)

امتحان وآزمائش کی اِس زندگی میں مقصود کو پانے کیلیئے انسان نے ابلیس کی مخالفت کرنی ہے۔ابلیس ہمارا کھلا دشمن ہے جس سے محبت ودوستی نہیں کرنی بلکہ اِس سے دشمنی کرنی ہے، جیسا کہ انسان کو متنبہ کیا گیا، ارشاد ہوا:

ترجمہ:''شیطان تمھارا دشمن ہے تو تم بھی اُسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔وہ اپنے (پیروکاروں) کے لشکر کو بلاتا ہے تا کہ وہ ہو جائیں دوزخ والوں میں سے۔'' (فاطر: آیت:6)

دشمنی سے مراد؟: شیطان کی ساری کاوش جنّ وِانس کو اللہ اور اُسکے رسول (ﷺ) کی تعلیمات کے خلاف کھڑا کر کے، بغاوت پر اُکسا کر دنیا وآخرت میں ناکام کرنے پر ہے۔لہٰذا دین کے احکامات کو نظر انداز کر کے زندگی گزارنا، معصیت ونافرمانی کی راہ پر چلنا ابلیس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا ہے۔جبکہ خالق کی حدود کے تابع ہونا، نیکیوں کو اختیار کرنا اور بُرائی سے اجتناب کر کے تقوے پر گامزن ہو جانا ابلیس سے دشمنی کرنا ہے۔پس! ہمیں اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم اِس انتہائی مکار اور ظالم دشمن سے دوستی کر رہے ہیں یا دشمنی....؟ بروزِ قیامت ابلیس سے دوستی کرنے والوں سے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا جائے گا:

ترجمہ:''اور آج کے دن تم الگ ہو جاؤ اے مجرمو! کیا نہیں ہدایت کی تھی مَیں نے تمہیں اے بنی آدم کہ نہ عبادت کرنا تم شیطان کی۔یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی تو سیدھی راہ ہے۔اور یقیناً گمراہ کیا اُس نے تم میں سے کثیر تعداد کو۔تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ اب یہ ہے جہنم جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔'' (سورہ یاسین: آیت:59-63)

پس! ابھی وقت ہے تھوڑا سا صبر کر لیں، ناجائز خواہشات کو لگام ڈالیں، قرآنی احکامات کو منّ وعن مان کر اِس مکار دشمن کی مخالفت کر کے ابدی ہلاکت سے بچ جائیں۔

(5)۔مقصدِ حیات (ابلیس سے دوستی کا انجام)

جیسا کہ ہم جان چکے کہ امتحان و آزمائش کی اس زندگی میں مراد کو پانے کیلیئے یہاں ابلیس کی مخالفت کرنی ہے۔اِس سے دوستی یعنی: اِسکی بات ماننے، اِسکی پیروی کرنے سے اجتناب کرنا ہے۔یہی ہمارا دنیا میں بڑا امتحان ہے اور جو بدنصیب بھی اِس امتحان میں فیل ہو گیا وہ منزل کھو بیٹھا۔پروردگار نے ہمیں ہلاکت سے بچانے کیلیئے ہر خطرہ پہلے ہی کھول کھول کر واضح کر دیا ہے۔چنانچہ اِس ضمن میں پروردگار نے اپنے بندوں پر اپنا فیصلہ دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا ہے کہ جس کسی نے بھی اِس مردود ابلیس سے دوستی کی۔یعنی اِسکی راہ پر چلا تو وہ اِسی کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا،جیسا کہ خبردار کیا: ترجمہ: ''فرمایا: پس حق یہ ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ مَیں تجھ سے اور جو تیری پیروی کریں گے اُن سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔'' (سورہ ص: آیت: 84-85)۔لہٰذا فوراً آنکھیں کھولیں، قرآن کے فیصلوں کو سنجیدہ لیں، عمل کے بغیر بخشش کی بے جا خوش فہمیوں، اور ابلیسی چالوں کی زَد سے بچ کر تقویٰ پر کاربند ہو کر اپنے آپ کو بچا لیں۔جہالت میں کوتاہی تو قابلِ معافی ہے، لیکن دانستہ طور پر ابلیس کی راہ کو اختیار کر کے بخشش کی امید رکھنا سوائے بے وقوفی کے کچھ نہیں۔یہی بڑا دھوکہ ہے جو اکثریت کو لگ چکا ہے۔دوسری طرف ہم ابلیس کو بُرا سمجھتے بھی ہیں، زبان سے اُسے بُرا کہتے بھی ہیں، دورانِ رَمی اپنے ہاتھوں سے اُسے کنکریاں بھی مارتے ہیں، لیکن افسوس کہ الّا ماشاءاللہ ہمارا عمل، ہمارا طرزِ زندگی اِسکی مخالفت کی بجائے اِسکی دوستی پر ہے۔بے جا خواہشات کی غلامی، فرقہ واریت، جھوٹ، دھوکہ دہی، قتل و غارت، خیانت، بدعہدی، بے حیائی، توحید اور رسالت سے دوری، عبادات سے غفلت سمیت اَن گنت غلاظتوں میں ہم لپٹ چکے ہیں۔پس! آنکھیں کھولیں، غفلت سے نکلیں اور اپنا محاسبہ کریں کہ ہم اِس انتہائی مکار اور ظالم دشمن سے دوستی کر رہے ہیں یا دشمنی....؟ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔(آمین)

(6)۔مقصدِ حیات کے حقیقی اہداف

حقیقی مقصدِ حیات کو پانے کے درج ذیل بنیادی اہداف ہیں:

نمبر۔۱: آخرت کو پہلی ترجیح اور دنیا کو اِسکے تابع کر کے تقویٰ پر گامزن ہونا، نمبر۔۲: قرآنی احکامات سے آگاہی حاصل کرنا، نمبر۔۳: خالق کی معرفت یعنی اُسکی پہچان حاصل کرنا، نمبر۔۴: رب کی بندگی کرنا اور اُسکی توحید پر جم جانا، نمبر۔۵: رسالت کے تقاضے پورے کرنا، نمبر۔۶: عدل و احسان پر کاربند ہونا، نمبر۔۷: انفاق و قربانی کرنا، نمبر۔۸: اولاد کی تربیت و کفالت کرنا، نمبر۔۹: حقوق العباد بالخصوص والدین سے حسنِ سلوک کرنا، بیوی بچوں کی کفالت و تربیت کرنا اور دیگر قرابت داری کا لحاظ رکھنا، نمبر۔۱۰: انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق، نمبر۔۱۱: انسانیت کی صحیح دینی رہنمائی کرنے کا ذریعہ بننا۔اِن اہداف کو پانے کیلیئے درج ذیل اُمور کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے:

نمبر۔۱: صحت و تندرستی کا خیال: صحت ہو گی تو کچھ کر پائیں گے۔لہٰذا کھانے پینے میں احتیاط، ورزش اور حفاظتی اقدامات کے ذریعے صحت کی بحالی کی بھرپور فکر کرنا۔نمبر۔۲: معاشی جدوجہد: فقر اور دوسروں کی محتاجی سے بچنے کیلیئے تعلیم اور ہنر کے ذریعے اپنے، اپنے اہلِ خانہ اور معاشرے کیلیئے نافع بننا، نمبر۔۳: فیملی کا خیال: فیملی کو وقت دینا۔صحت مند گھرانے کیلیئے: اِنکی نشونما، تربیت اور جائز سیر و تفریح کا خیال رکھنا، نمبر۔۴: وقت کی قدر کرنا: وقت زندگی ہے۔وقت کی قدر کرنا، اِسے ضائع ہونے سے بچانا، اِس سے بھرپور فائدہ اُٹھانا۔اور نمبر۔۵: دعا کا دامن تھامے رکھنا۔یہ ہے دنیا و آخرت کی فلاح کا یقینی ضامن ہمارا اکمل مقصدِ حیات جسے پانا زندگی کا مقصد بنائیں۔

(7)۔مقصدِ حیات: ایک لفظ میں

اگر دیکھا جائے کہ وہ کون سی ایسی اِصطلاح ہے،کون سا ایک ایسا لفظ ہے جو پورے مقصدِ حیات کو بیان کر دیتا ہے؟ تو اِس اِصطلاح کا نام ''تقویٰ'' ہے۔یہی وہ بنیادی صفت ہے جسکا دنیا وآخرت کی حقیقی فلاح کیلئے انسان سے بطورِ ہدف، گول یا ٹارگٹ تقاضا کیا گیا ہے۔یعنی جو تقوے پر آ گیا وہ مراد کو پا گیا اور جو تقوے سے محروم رہ گیا وہ ناکام ونامراد ہو گیا۔لہٰذا اوّلین فرصت میں اِس صفت کو سمجھ کر اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے۔اب ہم جانتے ہیں کہ تقویٰ ہے کیا؟ تقویٰ کا مطلب: خدا خوفی یعنی رب کی پکڑ سے ڈرنا، آگ سے بچنا اور پرہیز گاری اختیار کرنا ہے۔اللہ کی نافرمانی و ناراضگی ، گناہوں اور حرام کاموں سے بچنا تقویٰ ہے۔ہر وہ کام جس پر گناہ کا اطلاق ہو اُس سے اجتناب کرنا تقویٰ ہے۔چوبیس گھنٹے کی زندگی گزارتے ہوئے ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا کہ کہیں اللہ ناراض نہ ہو جائے تقویٰ ہے۔خاردار راستے سے گزرنے پر اپنے کپڑوں کو سمیٹنا، آستین اوپر چڑھا لینا تقویٰ کی مثال ہے۔دنیا کے حوالے سے ہم سب بہت متّقی ہیں، یعنی ہر نقصان دِہ چیز سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔یہی فکرِ آخرت کے حوالے سے پیدا کرنی ہے۔پس! اپنا محاسبہ کریں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ تقویٰ کا دعویٰ کرنا اور لوگوں کی نظر میں متقی بننا تو بہت آسان ہے،لیکن اِسے حقیقی طور پر پا کر اللہ کے ہاں متّقی کہلانا انتہائی مشکل کام ہے۔حقیقی تقویٰ کیلئے قرآنِ حکیم کی رہنمائی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ہے، جسکی اوّلین ترجیحات: توحید کی ضِد شرک سے بچنا، رسالت کی ضِد آباپرستی اور آخرت کی ضِد دنیا پرستی سے بچنا ہے۔مزید یہ کہ: انفاق وقربانی کرنا اور حقوق العباد میں اخلاقی رذائل: ظلم وزیادتی، بددیانتی، جھوٹ، خیانت، رزقِ حرام، بے حیائی وبدکاری، فتنہ وفساد سمیت دیگر منکرات سے بچنا۔پس! مقصدِ حیات کو پانے کیلئے حقیقی تقویٰ پر کاربند ہونے کا پختہ عزم کریں۔

(8)۔تقویٰ کے عظیم ثمرات (حصہ اول)

سابقہ لیکچر میں تقویٰ پر بنیادی آگاہی کے بعد اب ہم تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں ملنے والے عظیم ثمرات کو جانتے ہیں۔حقیقی طور پر تقویٰ کو پانا بہت مشکل کام ہے۔تاہم اگر واقعتاً اِسے پالیا جائے تو دنیا وآخرت دونوں بن جائیں۔تقویٰ کا اُخروی بدلہ بخشش اور جنت ہے۔یعنی جنت بنائی گئی ہی صرف اہلِ تقویٰ کیلئے ہے،جیسا کہ ارشاد ہوا: ''(وہ جنت) تیار کی گئی ہے متّقین کیلئے۔''(آلِ عمران: آیت:133)۔اِسی ضمن میں مزید مُژدہ یوں سنایا گیا: ''جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، وہ اُس سے اُسکی برائیاں دور کر دیتا ہے اور نوازتا ہے اُسے اجرِ عظیم سے۔''(الطلاق: آیت:5)

دنیاوی زندگی پر تقویٰ کے ثمرات: اب ہم دنیاوی زندگی پر تقویٰ کے ثمرات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔جہاں تک دنیا میں مصائب کا معاملہ ہے، وہ تو رب کی حکمت ومشیّت کے تحت آنے ہی آنے ہیں، لیکن اہلِ تقویٰ اللہ کی خاص تائید ورحمت میں آجاتے ہیں۔مصائب کے اندر بھی اُنہیں طمانیت نصیب ہوتی ہے۔اہلِ تقویٰ پر دنیا میں پروردگار کی تائید ورحمت کے حوالے سے چند آیات ملاحظہ فرما کر تقویٰ کو پانا زندگی کا مقصد بنا لیں۔

نمبر۔۱: اللہ کا ساتھ: تقویٰ پر آنے سے کائنات کی سب سے بڑی طاقت کی دوستی اور اُسکا ساتھ نصیب ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا: ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔''(البقرہ: آیت:194)۔نمبر۔۲: ولایت کا درجہ: تقویٰ پر آنے سے انسان ولیُ اللہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے، جیسا کہ واضح کیا گیا: ''آگاہ ہو جاؤ اولیاءُ اللہ کو نہ کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ غم، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔''(سورہ یونس: آیت:62-63)۔یعنی اللہ کا ولی بننے کیلئے خالق نے صرف دو شرطیں بیان فرمائی ہیں: نمبر۔۱: ایمان اور نمبر۔۲: تقویٰ۔مزید آگاہی کیلئے اگلے لیکچر کا انتظار کریں۔

(8)۔تقویٰ کے عظیم ثمرات (حصہ دوم)

سابقہ لیکچر کے تسلسل میں تقویٰ کے دنیاوی زندگی میں ملنے والے عظیم ثمرات پر مزید آگاہی ملاحظہ فرمائیں:

نمبر۔۳: رب کے ہاں قابلِ عزّت: پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ: ''یقیناً تم میں سے اللہ کے نزدیک قابلِ عزت وہ ہے جو زیادہ متقی ہے...'' (الحجرات: آیت:13)

دنیا جو کہ بہت ہی حقیر ہے۔یہاں انسان کی عزّت کا معیار اُسکا حسب نسب، حُسن، دولت، عہدہ وقابلیت وغیرہ ہے۔لیکن اللہ جو ساری کائنات کا خالق ومالک ہے، اُسکے ہاں شرف وعزت کا اولین پیمانہ 'تقویٰ' ہے۔تو پھر ایسی عظیم خوبی کے حصول کی سرتوڑ کاوش کیوں نہ کی جائے؟ نمبر۔۴: ہر کام میں آسانی: ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اور جو کوئی بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ اُس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔'' (الطلاق: آیت:4)

سبحان اللہ! تقویٰ کے ساتھ آخرت تو بنے ہی بنے گی، لیکن پروردگار دنیا کے کاموں میں بھی سہولت وآسانی کی راہ پیدا کردیں گے۔

نمبر۔۵: ہر چیز میں کفایت: فرمایا:

ترجمہ: ''اور جو کوئی بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا، وہ اُسکے لئے (ہر بھنور سے) نکلنے کی سبیل پیدا کر دے گا۔اور اُسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اُسکا وہم وگمان بھی نہ ہو۔اور جو اللہ پر توکل اختیار کرے گا تو وہ اُس کو کافی ہوجائے گا...'' (الطلاق: آیت:2-3)

یعنی مصائب آئیں گے بھی تو بالآخر بچت کی راہ نکل آئے گی۔پس! اور کیا چاہیئے؟ اِس آیتِ کریمہ پر جتنا بھی غور کیا جائے کم ہے۔حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسولُ اللہ ﷺ نے میرے سامنے اِس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا:

''اگر تمام لوگ صرف اِسے ہی لے لیں تو کافی ہوجائے۔ (مسند احمد)۔

قصہ مختصر، تقویٰ کو حقیقی معنوں میں اختیار کئے بغیر نہ دنیا میں نجات ہے اور نہ ہی آخرت میں۔لہٰذا تقویٰ کو قرآن کی روشنی میں حقیقی طور پر جاننے اور زندگی اِس پر لانے کا پختہ فیصلہ کرکے اپنے آپ کو قابلِ رشک بنالیں۔

(9)۔ مقصدِ حیات اور انتہائی قابلِ غور حقائق

مقصدِ حیات کے متعلق درج ذیل انتہائی اہم نکات پر غور فرمائیں:

نمبر۔۱: مقصدِ حیات کے بغیر زندگی اُس جہاز کی طرح ہے جو پرواز تو کرتا جا رہا ہے لیکن اُسے یہ معلوم نہیں کہ اُسکا لینڈنگ مقام کون سا ہے۔

نمبر۔۲: اگر سڑک پر چلتے ہوئے انسان سے پوچھا جائے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟۔ وہ کہے مجھے معلوم نہیں کہ میں کہاں سے آیا ہوں، میری منزل کیا ہے، میں نے کدھر جانا ہے... تو آپ یقیناً اُسکے پاگل ہونے کا اعلان کر دیں گے۔ تو کیا اپنی اصل منزل کو بھول جانا بے عقلی نہیں؟

نمبر۔۳: چیزوں سے اگر وہ مقصد حاصل نہ ہو رہا ہو جسکے لئے وہ بنائی گئیں تو ہم اپنے ہی ہاتھوں اُنہیں ڈسٹ بن کی نظر کر کے نئی کار آمد چیز سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ تو پھر اگر ہم اپنے مقصدِ تخلیق پر پورا نہ اتریں تو کیا ہمارا خالق ہمیں قبول کرے گا؟

نمبر۔۴: بغیر مطلوبہ کوشش کسی بھی منزل پر نہیں پہنچا جا سکتا تو کیا اُخروی منزل کا حصول بغیر کاوش و محنت سے ہی ہو جائے گا؟

مقصدِ حیات کے یقینی ثمرات:

نمبر۔۱: پروردگار کی تائید و نصرت،

نمبر۔۲: قلبی اطمینان و سکون کا نصیب ہونا، اور

نمبر۔۳: اُخروی کامیابی۔ مقصد حیات کیسے حاصل ہو؟ اِسکے لئے درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھنا ہے:

نمبر۔۱: تبدیلی کا پختہ فیصلہ کرنا،

نمبر۔۲: دنیا کی حقیقت کو جاننا اور اُخروی فلاح کو پہلی ترجیح پر لانا،

نمبر۔۳: موت یعنی دنیا سے جانے کے تصور کو تر و تازہ رکھنا،

نمبر۔۴: انفاق و قربانی اور جدوجہد کرنا،

نمبر۔۵: بُرے ماحول، بُری صحبت سے اجتناب اور اچھی صحبت و سنگت کا التزام کرنا، اور

نمبر۔۶: دعا کا دامن تھامے رکھنا۔

پس! جلد از جلد اصل مقصدِ حیات کو پانا زندگی موت کا مسئلہ بنا لیں۔

(10)۔ جینے کا بڑا مقصد(Greator Meaning of Life)

زندگی گزارنے کا ایک بڑا (Greater) مقصد ہے اور ایک چھوٹا (Lesser)۔ نفس کی تسکین کی خاطر صرف مادی تقاضوں: محض خواہشات کی تکمیل، کھانا پینا، رہن سہن، انجوائے منٹ، تفریحات ......کو مقصدِ حیات بنالینا اور آخرت کو نظر انداز کر کے ساری توانائیاں صرف اِسی مقصد کیلئے صرف کر دینا زندگی کا چھوٹا مقصد ہے جو پشیمانی کا باعث بنے گا۔ جبکہ زندگی تو کسی بڑے مقصد کے تحت گزرنی چاہیئے۔ زندگی کے بڑے مقصد کا پہلہ زینہ جو نامہء اعمال داہنے ہاتھ میں ملنے کا موجب بنے گا وہ: قرآن کو سمجھنا، خالق کی پہچان، اُسکی توحید کا ادراک، رسالت کی تفہیم، اللہ کی حدود کی پاسداری، رزقِ حلال کیلئے کاوش، ذمہ داریوں کا لحاظ (کفالت وتربیت وغیرہ)، اوامرونواہی کی پاسداری، حلال وحرام کی تمیز، دعوتِ دین، اور اُصولوں پر قائم رہ کر زندگی بسر کرنا ہے۔ مزید یہ کہ: ذمہ داری سے زائد، سبقت اختیار کرتے ہوئے، دائیں ہاتھ کی منزل سے آگے بڑھتے ہوئے اللہ کے مقربین میں شامل ہونے کے شوق کے ساتھ زندگی گزارنا، جسے پانے کے چار بڑے اہداف ہیں: (۱)۔ اپنی رعیت سے مزید آگے دعوت واصلاح کرنا، (۲)۔ ہمہ تن یادِ الٰہی اور نفلی عبادات، (۳)۔ زکوٰۃ سے زائد انفاق، (۴)۔ خدمتِ خلق یعنی اللہ کی رضا کی خاطر ملک وقوم کی اپنے رزق، اسباب اور صلاحیتوں سے خدمت کرنا۔ پس! اپنی استعداد کے تحت اِن میں سے کسی ایک، دو یا سب کو پانے کا عزم کرنا ہے۔

<u>چھوٹے مقصد کے تحت جینے کا نتیجہ</u>: بہت ہی حقیر اور عارضی مزے، لیکن قلبی اطمینان سے محرومی، اضطراب وپریشانی، دنیا کی ذلت اور اُخروی خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ جبکہ بڑے مقصد کے تحت جینے سے اللہ کی تائید ورحمت کی بدولت دنیا بھی جنت بن جائے گی اور آخرت بھی تو پھر آپکو اور کیا چاہیئے؟

<u>بڑے مقصد کو پانے کیلئے</u>: منزل کی طرف رواں دواں اُس ٹرین سے سبق لیں جسے راستے کے دلربا مناظر سے کوئی دلچسپی نہیں۔ خشکی اور تری، پستی اور بلندی اُسکی رفتار میں کوئی فرق نہیں ڈالتے۔ اور وہ اپنے ہدف کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے۔ بامقصد زندگی کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس نے بڑے مقصد کو پانے کا فیصلہ کرلیا ہو وہ اِدھر اُدھر (لایعنی) کاموں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ دنیا کے دلفریب مناظر اُسے اپنی طرف کھینچتے ہیں، مگر وہ اُن سے آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ سائے اور اقامت گاہیں اُسے ٹھرنے کی ترغیب دیتے ہیں، لیکن وہ اُنہیں چھوڑتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ زندگی کے نشیب وفراز اُس سے ٹکراتے ہیں، لیکن اِسکے باوجود اُسکے عزم اور رفتار میں فرق نہیں پڑتا۔ بڑے مقصد کو پانے والے خوش نصیبوں کی زندگی اُس بھٹکے ہوئے آدمی کی طرح نہیں ہوتی جسے منزل کا تعین نہیں۔ بلکہ اِسے اپنی منزل کا واضح شعور ہوتا ہے۔ اُس کے سامنے ایک متعین نشانہ ہوتا ہے۔ وہ ترجیح کے ساتھ اُس نشانے کی طرف مسلسل بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی منزل پر پہنچ جائے!

پس! بڑے مقصد کو پانے کیلئے: نیک نیتی کے ساتھ ایک سوچا سمجھا ہدف متعین کرنا ہے۔ پھر اِسے پانے کا پختہ فیصلہ کر کے ہاتھ پاؤں مارنے ہیں۔ پختہ عزم اور رب سے دعاؤں کی مدد کے ساتھ سفر شروع کر دینا ہے۔ واپسی کی کشتیاں جلا دینی ہیں۔ چھوٹی موٹی غیر متعلق باتوں میں اُلجھنے کی بجائے اپنی منزل، اپنے بڑے مقصد پر نظر رکھنی ہے۔ بُرے ماحول سے اجتناب اور اچھی سنگت میں رہنے کی کاوش کرتے ہوئے یکسوئی کے ساتھ نشانے کی طرف چلتے جانا ہے، یہاں تک کہ منزل کو پالیں۔ ان شاءاللہ کائنات کا خالق ومالک بھی آپکے ہم رکاب ہو جائے گا۔

(c)۔موت پرحقائق

(1)۔دفن ہونے سے قبل قبرستان جائیں.................................24
(2)۔موت ایک اٹل حقیقت..24
(3)۔موت صرف چند سیکنڈ کے فاصلے پر..................................25
(4)۔مرنے کے بعد خالق کے رُوبرو پیشی..................................25
(5)۔غفلت کا علاج۔موت کی یاد......................................26
(6)۔اب تو کوئی بھی رکھنے کیلئے آمادہ نہیں!................................26
(7)۔موت کے خوف سے نجات..27
(8)۔کتنا جی لیں گے؟..27
(9)۔زندگی ایک دن پر لائے بغیر کوئی چارہ نہیں!..............................28
(10)۔نجات کا حل: معمول کی زندگی کی اصلاح..............................28
(11)۔موت کا سامنا: انعام یا حسرت!..................................29

(1)۔دفن ہونے سے قبل قبرستان جائیں

دنیا کی بھیڑ میں گم انسان قبرستان جانے سے گریز کرتا ہے،لیکن ایک نہ ایک دن تو ہمیں یہاں دفن ہونا ہی ہونا ہے۔اور یہ وقت آیا ہی آیا۔اِس سے قبل کہ ہمیں چارپائی پر ڈال کر قبرستان لے جایا جائے،ابھی آپ چل سکتے ہیں،لہٰذا اپنے پاؤں پر خود چل کر قبرستان جانا زندگی کے معمول میں شامل کرلیں۔اِس سے قبل کہ مستقل طور پر مٹی میں سکونت پذیر ہونا پڑے،مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گاہے بگاہے ابھی سے قبرستان جانے کو زندگی کے معمول کا حصہ بنالیں ورنہ پچھتائیں گے۔

جب ہم قبرستان جاتے ہیں تو مردے ہم پر رشک کرتے ہوں گے کہ:کاش ہم بھی قبر سے باہر ہوتے۔ہم بھی گاہے بگاہے قبرستان آتے جاتے تاکہ ہمیں بھی اصل زندگی کی یاددہانی ہو پاتی اور ہم اپنی اصلاح کر لیتے،زیادہ سے زیادہ نیکیاں سمیٹ لیتے،لیکن اب یہ موقع کہاں؟

یوں ہی کچھ ہی عرصے کے بعد ہم مٹی کے اندر ہوں گے اور لوگ ہماری قبروں کے باہر پھر رہے ہوں گے۔یہ حسرت پھر ہمیں بھی ہوگی کہ کاش ہم زمین سے باہر ہوتے تو قبرستان آتے!لہٰذا ہمیں زندگی ایسی گزارنی ہے کہ مرنے کے بعد اِس حسرت سے بچ سکیں۔پس!حقیقت سے آگاہی پر فوراً آج ہی زندگی سے وقت نکالیں اور گاہے بگاہے قبرستان جانے،زندگی تبدیل کرنے اور بھرپور اُخروی زادِراہ سمیٹنے کا پختہ فیصلہ کرکے اپنے آپ کو بچالیں۔

(2)۔موت ایک اٹل حقیقت

جو طلوع ہوا اس نے غروب ہونا ہی ہونا ہے۔جس چیز کا آغاز ہوگیا اُسکا انجام آگیا۔جو پیدا ہوگیا اُس نے ختم ہونا ہی ہونا ہے۔جو بھی دنیا میں آیا اُس نے ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہی جانا ہے۔دنیا میں ہمارا آنا اتنا یقینی نہیں جتنا یہاں سے جانا۔خاتمے کے وقت کو ٹالا نہیں جاسکتا۔ساری دنیا کے اسباب مل کر بھی قاصد کو جسم سے روح کو جدا کرنے سے نہیں روک سکتے،جیسا کہ خالق نے انسان کو متنبہ فرمایا:

ترجمہ:"بلاشبہ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو وہ ٹالا نہیں جاسکتا،کاش تم (اس حقیقت) کو جان جاتے"(سورہ نوح:آیت:4)

کاش انسان اِس حقیقت کو جان جاتا کہ:ایک سانس کی بھی گارنٹی نہیں،مہلت کسی وقت بھی ختم ہوسکتی ہے۔روح کے جسم سے جدا ہونے کے عمل کو نہ کوئی موخر کرسکتا ہے اور نہ ہی روک سکتا ہے۔اور سب سے اہم یہ کہ موت کا مطلب فنا نہیں بلکہ اس چندروزہ امتحانی وقفہ کا خاتمہ اور ابدی زندگی کی ابتدا ہے۔جو یا تو جنت کے لافانی عیش کی صورت میں ہے یا پھر جہنم میں آگ کے ایندھن کی شکل میں۔جو اِس حقیقت کو پاگیا وہ بازی جیت گیا۔یہ اٹل حقیقت انسان کو کیوں سمجھ نہیں آتی؟اسکی وجہ:نمبر:۱۔دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہے۔نقد و نقد ملنے والی دنیا کی تو فکر کرنا لیکن آخرت کو نظرانداز کرنا ہے،نمبر:۲۔نفس کی اصلاح نہ کرنا۔مادی جسم کے تقاضوں کی فکر تو کرنا لیکن روحانی وجود کے تقاضوں کو نظرانداز کردینا،اور نمبر:۳۔شیطان:اب شیطان کو بھی خوب موقع مل جائے گا چڑھائی کا۔پس!بچنے کیلئے:
نمبر:۱۔تبدیلی کا پختہ فیصلہ کریں،نمبر:۲۔مرنے اور اخروی انجام کو یاد رکھیں،نمبر:۳۔فہم قرآن سے وابستہ ہوجائیں اور نمبر:۴۔اپنا ماحول،اپنی صحبت بہتر رکھیں۔

(3)۔موت صرف چند سیکنڈ کے فاصلے پر

حقائق سے بے خبر انسان عموماًیہ خیال کرتا ہے کہ زندگی بہت طویل ہے،موت بہت دور ہے۔ابھی تو میں جوان ہوں، صحت مند ہوں، میرے اوپر بہت سی ذمہ داریاں ہیں، میں تو ابھی بہت لمبا عرصہ زندہ رہوں گا۔لیکن حقیقت اِسکے برعکس ہے۔ویسے تو ایک لمحے کا بھی بھروسہ نہیں،لیکن اگر طویل زندگی مل بھی گئی تو اُس نے بھی پَل بھر کی طرح گزر کر انجام تک پہنچا دینا ہے۔لیکن موت تو نہ بچہ دیکھتی ہے، نہ جوان ، نہ بوڑھا، نہ تندرست، نہ بیمار، نہ کارآمد، نہ بیکار۔جب مہلت پوری ہوجاتی ہے تو فوراً قصہ تمام کردیا جاتا ہے۔طبعی لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو درج ذیل خطرات موقع دیئے بغیر چند سیکنڈ میں ہمارا کام تمام کرنے کا موجب بن سکتے ہیں: **نمبر۔۱: انجن کا بند ہونا:** دل ہمارے جسم کی مشین کا انجن ہے جیسے ہی یہ بند ہوا ساتھ ہی زندگی ختم ہوگئی۔دل کی کئی ایسی بیماریاں ہیں جن میں یہ اچانک بند ہوسکتا ہے جیسے : کارڈیک اریسٹ وغیرہ۔ **نمبر۔۲: آکسیجن کی سپلائی کا رُکنا:** منہ،ناک،سانس کی نالی،پھیپھڑوں اورخون کی گردش کے نظام کے تحت جسم کے تمام خلیوں کو آکسیجن سپلائی کی جاتی ہے۔یہ سپلائی اگر رُک جائے تو **دو سے تین منٹ** میں انسان زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔آکسیجن کی سپلائی کے اِس انتہائی پیچیدہ نظام میں کوئی خرابی بھی موت کا موجب بن سکتی ہے **جیسے:** پانی یا کھانے کے لقمے کا یا اُلٹی کا سانس کی نالی کے اوپر سے گزرتے ہوئے پھیپڑوں میں گر جانا، پھیپھڑوں میں پانی پڑجانا وغیرہ۔ **نمبر۔۳: دماغ:** دماغ جو ہمارے سارے جسم کو کنٹرول کرتا ہے۔اگر صرف اِسکے توازن کے حصے میں ہی خرابی آجائے تو ایک سیکنڈ میں دھڑام سے انسان زمین پر گر جائے۔اِسی طرح دماغ میں خون کی رَگ کسی وقت بھی پھٹ کر قصہ تمام کرسکتی ہے۔ **نمبر۔۴: حادثات:** زلزے،اولے،بم بلاسٹ،سلنڈر، پریشر ککر پھٹنا،آگ یا برقی کرنٹ لگنا اور روڈ ایکسیڈنٹ وغیرہ کسی لمحے بھی زندگی کے خاتمے کا موجب بن سکتے ہیں۔لہٰذا غفلت سے نکلیں اور **فوراً زندگی ایک دن پر لاکر** ہر دن کو آخری دن سمجھتے ہوئے،اس سے بھرپور فائدہ اٹھا کر ابدی زندگی بچالیں۔

(4)۔مرنے کے بعد خالق کے رُوبرو پیشی

مرنے کے بعد ہمیں کہاں جانا ہے؟ اگر مرنے کا مطلب مر جانا ہی ہو تو کوئی بڑی پریشانی والی بات نہیں۔لیکن ایسا ہے نہیں۔اس زندگی کا خاتمہ اصل زندگی کا آغاز ہے جو یا تو جنت کے لافانی عیش کی صورت میں ہے یا پھر جہنم میں آگ کے ایندھن کی شکل میں۔ بروزِ قیامت اُخروی انجام سے قبل ہم سب کو دنیا میں دی گئی مہلت کا حساب دینے کیلئے فرداً فرداً اپنے خالق کے رُوبرو پیش ہونا ہے۔ جہاں نفسانفسی کا عالم ہوگا: بھائی بھائی سے، ماں بیٹے سے اور بیٹا ماں سے...... بھاگے گا۔اب تو انسان مکمل طور پر خالق کے حوالے ہوجائے گا۔اب اُس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں،جیسا کہ رب نے فرمایا:

ترجمہ: **''کہے گا اُس دن انسان آج میں کہاں بھاگ جاؤں (ہے کوئی جائے پناہ؟) ہرگز نہیں، (اب تو) اپنے رب کے ہاں ہی ٹھرنا ہے، بتلا دیا جائے گا اُس دن انسان کو اُسکا اگلا پچھلا کیا کرایا، بلکہ خود ہی انسان اپنے اوپر آپ خود حجت ہے، اگرچہ کتنی ہی پیش کرے معذرتیں۔''** (القیامہ،آیت:10-14)

اب وہ بدنصیب جو اللہ کو بھولے رہے،خواہشاتِ نفس کے پجاری بنے رہے، اللہ کے احکامات سے غفلت اختیار کی... اُس دن وہ بے سہارہ ہوجائیں گے اوراُنہیں بھی بھلا دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ہوا: ترجمہ: **''تو جس طرح یہ لوگ اِس دن کی ملاقات کو بھولے رہے، آج ہم بھی اِنہیں بھلا دیں گے''** (الاعراف: آیت:51)

پس تائب ہوجائیں اور فوراً اللہ کے ساتھ لو لگالیں، جسکے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

(5)۔غفلت کا علاج۔موت کی یاد

غفلت، کساوتِ قلبی اور گناہوں کے ارتکاب کی سب سے بڑی وجہ موت اور آخرت کا یاد نہ ہونا ہے۔مرنے کو بھولے رہنا ہی 'ہر شر' کا دروازہ کھولنے کا باعث، جبکہ اِسکی یاد 'ہر خیر' کی طرف رغبت کا موجب ہے۔موت کی یاد پتھر دل کو موم، جبکہ مرنے کو بھولے رہنا زندہ دل کو بھی مردہ کر دیتا ہے۔لہٰذا مقصود کو پانے کیلئے مرنے کو کثرت سے یاد رکھنا ناگزیر ہے!

ابلیس کا ہدف: ابلیس کی کامیابی انسان کو مرنے اور انجام کی فکر سے غافل کرنے میں ہے، جسکے لئے وہ چاک و چوبند ہے۔ جونہی انسان اپنی موت اور انجام کے متعلق سوچتا ہے، یا کسی کی موت کی خبر سنتا ہے، شیطان فوراً اُسے طولِ امل سمیت اَن گنت فریبوں میں مبتلا کر کے غفلت کی دلدل میں دھکیل کر اپنا کام نکال لیتا ہے۔اِسی لئے اکثریت موت اور انجام سے بے خبر محض دنیاوی لذات میں مگن ہے۔

پس! اگر ہم ابدی خسارے سے بچنے کیلئے سنجیدہ ہیں تو پھر ہمیں مرنے کو یاد رکھ کر زندگی گزارنی پڑے گی، اسکے لئے: نمبر:۱۔اپنے گردونواح کا جائزہ لیں کہ کتنے لوگ جو آپ سے زیادہ صحت مند، نیک صفات والے، آپ سے کم اور زیادہ عمر والے اس دارِفانی سے رخصت ہو چکے ہیں، اُنکی لسٹ بنائیں۔اُنہوں نے بھی کبھی نہ سوچا ہوگا کہ وہ اچانک مر سکتے ہیں، لیکن اجل اُنکا کام تمام کر چکی... تو کیا ہم بچ جائیں گے ؟ نمبر:۲۔گاہے بگاہے قبرستان جائیں، جنازوں میں شرکت کریں، مریضوں کی تیمارداری کریں ۔ بری سنگت سے بچیں اور اچھی صحبت اختیار کریں، نمبر:۳۔قرآن فہمی کے ساتھ وابستہ رہیں۔

(6)۔اب تو کوئی بھی رکھنے کیلئے آمادہ نہیں!

انسان دنیا کی بھیڑ، دنیا کی رنگینیوں میں گم، اپنی اصل حقیقت اور انجام سے بے خبر ہے۔اُسے اِس حقیقت کا ادراک نہیں کہ اس چند روزہ عارضی زندگی نے بالآخر ختم ہونا ہی ہونا ہے اور بہت جلد اُسے یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔موت سے کوئی راہِ فرار نہیں۔ جو دنیا میں آ گیا اُس نے یہاں سے جانا ہی جانا ہے۔یہاں آنا اتنا یقینی نہیں جتنا یہاں سے جانا۔موت سے بڑا خسارہ! موت بھی بہت بڑا خسارہ ہے، لیکن اِس سے بڑا خسارہ: بغیر ایمان کے مرنا، اعمالِ صالحہ پر کاربند ہوئے بغیر مرنا، تائب ہوئے بغیر مرنا، اسلام پر زندگی گزارے بغیر مرنا، اللہ سے تعلق بنائے بغیر مرنا اور اِس حالت میں مرنا کہ مرنے والا اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہو! اب جو صرف دنیا کیلئے جیا اور دنیا کیلئے مرا تو اِس زندگی کی حقیقت تو یہ ہے کہ: مرتے ہی کپڑوں کو کاٹ کر جسم سے الگ کر دیا جائے گا۔اب اِسے کوئی بھی رکھنے کیلئے آمادہ نہیں۔لاش کے گلنے سڑنے اور بدبو کی وجہ سے سب لاش سے چھٹکارہ چاہتے ہیں۔وہ جو بے حد محبت کرنے والے تھے وہ بھی اب لاش سے ڈر رہے ہیں۔بے حد محبت کرنے والے عزیز و اقارب سمیت سب کو اب ایک ہی فکر لاحق ہے کہ کسی طرح جلد از جلد تدفین ہو جائے۔ یوں لوگ ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر کفن پہنا کر مٹی کے گھڑے میں ڈال کر گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔مال، جائیداد تو سب یہیں رہ گیا، اب تو صرف آپکے اعمال نے ہی ساتھ جانا ہے۔ پھر جب قبروں سے اٹھایا جائے گا تو نفسا نفسی کا عالم ہوگا: بھائی بھائی سے، ماں بیٹے سے اور بیٹا ماں سے بھاگے گا۔اب ہر ایک کو صرف اپنی فکر ہوگی۔لہٰذا دنیا کے ساتھ ساتھ ابدی زندگی کو سنوارنے کی فکر نہ ہونا بہت بڑی بے وقوفی ہے۔

(7)۔موت کے خوف سے نجات

موت سے بڑا انسان پر کوئی اور خوف نہیں۔لیکن اِس خوف سے نجات ممکن ہے۔موت کا خوف دوطرح کا ہے: نمبر:۱۔ذاتی محاسبے کا خوف، نمبر:۲۔فیملی کے بے آسرا ہونے کا خوف جوکہ نزع یعنی غرغرہ موت تک رہتا ہی رہتا ہے۔بڑا خوف ذاتی محاسبے اورانجام کا خوف ہی ہوتا ہے جو کہ بہت شدیداور کمرتوڑ ہے۔اِس خوف سے نجات ممکن ہے۔جس کا حل موت کو دریافت (Discover) کرنے میں ہے جس کا مطلب: نمبر:۱۔اللہ سے مضبوط تعلق بنانا: یعنی توحید،محبت ووابستگی اور توکل وتفویض کو پانا، نمبر:۲۔دنیا کو عارضی قیام گاہ سمجھنا، نمبر:۳۔اُخروی ابدی ہلاکت اور اُخروی لافانی عیش وعشرت کا ادراک وشعور حاصل کرنا ہے۔ان حقائق کو زندگی میں لانے سے موت کی دریافت کی طرف سفر شروع ہوجائے گا۔جیسے جیسے زندگی بہتر ہوتی جائے گی دنیا سے جانے کا خوف کم ہوتا جائے گا۔ اور جب زندگی اصل معیار پرآجائے گی تو مرنے کا خوف جاتا رہے گا،جیسا کہ آنحضورﷺ نے فرمایا:

''دنیامیں اسطرح رہو جیسے کوئی اجنبی یا راہ گزر اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو''(بخاری:6416)

یوں موت ایمان کیلئے ایک کسوٹی بھی ہے۔موت کی دریافت کا بڑا درجہ زندگی کو ایک دن پر لانا ہے۔یعنی ہرنصیب ہونے والے دن کوزندگی کا آخری دن سمجھ کر گزارنا، وقت کی بھرپور قدر کرنا اورخوب فائدہ اٹھانا۔زندگی اگر واقعتاً ایک دن پر آجائے، تو مرنے کے خوف سے نجات مل جاتی ہے،کیونکہ اہلِ تقویٰ کیلئے موت دنیا کے مصائب سے چھٹکارہ اوراپنے رب سے ملاقات اوراُخروی عظیم انعام کا مژدہ ہے۔یہ عظیم سعادت اُس وقت نصیب ہوپاتی ہے جب انسان کا جینا مرنا اللہ ہی کیلئے ہوجائے۔

(8)۔کتنا جی لیں گے؟

بلاشبہ زندگی بہت عظیم نعمت ہے۔انسان مرنا نہیں چاہتا،طویل مدت بلکہ ہمیشہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔لیکن دنیا کی اِس زندگی کا ایک انتہائی تلخ پہلو اور بھی ہے۔اسباب کی اِس زندگی نے بہت جلد آپ کو بڑھاپے اور لاغری میں دھکیل دینا ہے۔شدید بیماری،حادثہ یا بڑھاپے کی آخری حالت میں زندہ رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے۔جس میں انسان بسترِ مرگ پر سسکیوں والی محتاجی کی زندگی میں چلنے پھرنے،صفائی ستھرائی اور بول وبراز سے بھی عاجز آجاتا ہے۔اِس حالت میں ایمان پر قائم رہنا بھی بہت مشکل ہوجاتا ہے۔تاہم یہاں صبر وبرداشت کا مظاہرہ کرنا اور ایمان پر قائم رہنا بلاشبہ بہت بڑا درجہ ہے۔لیکن نبی کریمﷺ نے اِس حالت تک زندہ رہنے سے درج ذیل الفاظ میں اللہ سے پناہ طلب کی ہے۔آپﷺ دعا کیا کرتے:

(واعوذبک اَن اُردّ الیٰ ارذلِ العمر). ''اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اِس سے کہ ارذل عمر (بڑھاپے کی آخری لاغری والی حالت) تک پہنچا دیا جاؤں''(بخاری:2822)

صحابہؓ اپنے بچوں کو دنیا کی دیگر ذلتوں سے بچاؤ سمیت مذکورہ کلمات اسطرح سکھلاتے جیسے معلم بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا ہے۔مزید یہ کہ آپﷺ دنیا کی ذلت سے بچنے کی اللہ سے یوں دعا کرتے: (واجرنا من خزی الدنیا و عذاب الآخرہ)۔''اور بچا ہمیں دنیا کی ذلت سے اور آخرت کے عذاب سے۔''(مُسند احمد)

سمجھنے والی اصل بات: پس! سمجھنے والی اصل بات یہی ہے کہ اِس زمین پر ہم زیادہ طویل مدت تک نہیں جی سکتے۔بہت جلد بڑھاپے نے ہمیں بے بس کردینا ہے۔لہٰذا عقلمندی، محتاجی کے اِس وقت سے پہلے پہلے کچھ کرنے میں ہے۔ہمارا اصل سرمایہ طاقت وتوانائی اورصحت وتندرستی کا دورانیہ ہے جسے انسان ضائع کرتا جاتا ہے۔حالانکہ جو کرنا ہے اِسی میں کرنا ہے۔اِسکی قدر کرنی ہے۔زندگی ایک دن پرلاکر ہردن کی قدر کرتے ہوئے اِسے قیمتی بنانا ہے نہ کہ طویل عمر زندہ رہنے کے دھوکے کا شکار ہوکر ارذل عمر میں پہنچ کر پچھتانا ہے۔فیصلہ اب آپ کے ہاتھ ہے!

(9)۔ زندگی ایک دن پر لائے بغیر کوئی چارہ نہیں!

ابلیس کی کامیابی انسان کو موجودہ وقت سے غافل کرنے، طولِ امل کا شکار کر کے مستقبل میں بہتر ہونے پر اُکسانے میں ہے۔ جبکہ انسان کی نجات: زندگی موجودہ وقت یعنی ایک دن پر لانے میں ہے، جسکے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

ایک دن کا مطلب: ایک دن پر زندگی لانے کا مطلب یہ ہے کہ:

نمبر:۱۔ سابقہ کوتاہیوں سے سچی توبہ و اصلاح کر کے تقویٰ پر گامزن ہو جانا، نمبر:۲۔ نصیب ہونے والے ایک ایک دن کو غنیمت سمجھتے ہوئے، اِسکی بھر پور قدر کرتے ہوئے اِس سے بھر پور اُخروی زادِ راہ نچوڑنا اور نمبر:۳۔ آج کی کوتاہیوں کی آج ہی معافی مانگ لینا اور موجودہ دن کی کسی دینی ذمہ داری کو اگلے دن پر نہ ڈالنا۔

ایک دن پر آنا کیوں ضروری ہے؟ اسلیئے کہ:

نمبر:۱۔ مہلت کا کچھ بھروسہ نہیں کسی لمحے بھی دل کی دھڑکن بند ہو سکتی ہے، جاری سانس رُک سکتے ہیں۔ نمبر:۲۔ ہمیں ہر ملنے والے ایک ایک دن بلکہ ایک ایک سانس اور ہر نعمت کا حساب دینا ہوگا۔ اور نمبر:۳۔ خالق کی رضا اور شکر گزاری کیلیئے ہر دن اور ہر نعمت کی بھر پور قدر کرنا ناگزیر ہے۔

اصل کامیابی تو زندگی ایک دن کی بجائے ہر سانس پر لانے میں ہے، جو کہ عموماً انسان کیلیئے بہت مشکل ہے۔ لہٰذا ایک دن سے آگے جانے کی گنجائش تو بالکل بھی نہیں۔

پس! اِن چند روزہ عارضی ایام کے عوض ابدی، لافانی زندگی کو بنانے کیلیئے ہر دن کو قدر سے گزارنا کوئی مہنگا سودا نہیں۔ اسلیئے فوراً ایک دن پر آ کر قابل رشک زندگی کا سراغ پالیں۔ یاد رکھیں! مہلت کا ملنا بھی بہت بڑی نعمت ہے لیکن اِس سے بڑی نعمت ملی ہوئی مہلت کی قدر کرنا ہے۔ مزید آگاہی کیلیئے دیکھیئے ہماری تحریر: ''نجات''

(10)۔ نجات کا حل: معمول کی زندگی کی اصلاح

موت کے متعلق شیطان کا ایک بڑا دھوکہ یہ بھی ہے کہ وہ موجودہ وقت، موجودہ دن پر نہیں آنے دیتا۔ بلکہ فریب میں مبتلا کرتا ہے کہ بڑا وقت پڑا ہے، مرنے سے پہلے پہلے ٹھیک ہو جانا، فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ یوں موت تک اِسی دھوکے میں مبتلا کیئے رکھتا ہے۔ لیکن موت تو معمول کی زندگی (Routin Life) میں ہی آنی ہے۔ اِسی گزرتی ہوئی زندگی، انہیں شب و روز میں سے ایک دن ہم نے اُچکے جانا ہے۔ اگر ہر دن کی زندگی بہتر نہیں تو موت کے وقت اِس نے کیسے بہتر ہو جانا ہے؟ اگر ہم واقعتاً نجات کے خواہاں ہیں تو پھر موجودہ شب و روز پر نظر رکھیں اور معمول کی زندگی کو فوراً درست کر لیں۔ معمول کی زندگی کو بہتر نہ کرنا اور خاتمہ بالخیر کی امید رکھنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ نے اپنے آپ کو فریب دینا ہے یا فریب سے بچنا ہے؟ فیصلہ اب آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے! کرنا کیا ہے؟ بات تو سمجھ آ گئی، اب کرنا کیا ہے...؟ کیا دنیا کو ترک کرنا ہے...؟ نہیں، بلکہ: دنیا کو گزرگاہ، دارالامتحان اور دارالآزمائش سمجھتے ہوئے اِسے دین اور آخرت کے تابع کرنا ہے۔ دنیا کو ضرورت اور آخرت کو زندگی کا مقصد بنانا ہے۔ اپنے خالق کی پہچان حاصل کرنی ہے، توحید و رسالت پر آنا ہے۔ عارضی اور حقیر مزوں کی بجائے ابدی عظیم راحتوں پر نظر جمانی ہے۔ آخرت کو پہلی، جبکہ دنیا کو دوسری ترجیح پر رکھنا ہے۔ دین کو سمجھنے، اِس پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کیلیئے وقت نکالنا ہے۔ پس! فیصلہ کریں اور تبدیلی کیلیئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیں، ان شاء اللہ منزل ضرور ملے گی۔

(11)۔موت کا سامنا: انعام یا حسرت!

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ ہمارا یہاں آنا اتنا یقینی نہیں جتنا یہاں سے جانا۔لیکن اسکے باوجود بھی (ابلیس کی وجہ سے) جتنا انسان موت سے غافل ہے شائد ہی کسی اور چیز سے ہے۔ بوقتِ موت نیک اور بدانسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ آ گاہی پا کر جلد از جلد ہلاکت سے بچ جائیں:

بدانسان کی حالت: جان کُنی کے وقت بدانسان کی صورتِ حال کچھ یوں ہوتی ہے:

ترجمہ: ”وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے اُنکی روحیں قبض کرنے لگتے ہیں تو وہ (اسلام) کی طرف سرنگوں ہو جاتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ ہم (تو) برائی نہیں کیا کرتے تھے۔ کیوں نہیں، اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کرتے تھے۔ پس! اب تم داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ کیلئے۔ پس کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا۔“ (النحل: آیات:28-29)

تدفین: بُرا انسان کسی صورت دفن نہیں ہونا چاہتا، لیکن مردے سے ہر کوئی جلد نجات چاہتا ہے۔ چنانچہ جب لوگ جنازے کو کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں تو بدانسان اپنے اہل خانہ سے یوں فریاد کرتا ہے:

”تباہی ہو (تمہاری) تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ انسان کے علاوہ ہر چیز اُسکی آواز سنتی ہے۔ اور اگر انسان یہ آواز سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔“ (بخاری:1316)

حقیقت میں تو بدانسان کیلئے تو صرف دنیا ہی عافیت کی جگہ تھی آگے تو اب ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ اسلئے وہ کسی صورت قبر میں اترنا نہیں چاہتا۔! اللہ ہمیں جلد از جلد برائی سے بچالے۔ (آمین)

نیک انسان کی حالت: اِسکے برعکس صالح انسان کی صورتِ حال کچھ یوں ہوگی:

ترجمہ: ”وہ لوگ جن کی جانیں قبض کرتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ نیک پاک ہوں، فرشتے کہتے ہیں تم پر سلام ہو، داخل ہو جاؤ جنت میں ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔“ (النحل: آیت:32)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی خبر دی کہ: ”موت تو مومن کیلئے تحفہ ہے“ (مشکوٰۃ:1609)

تدفین: جب جنازے کو رکھا جاتا ہے اور لوگ اُسے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں۔ تو صالح انسان اپنے اہل خانہ سے کہتا ہے: ”مجھے (جلد) آگے پہنچاؤ“۔ (بخاری:1316)

یعنی اِس خوش نصیب کیلئے موت دنیوی مصائب و آلام سے چھٹکارہ اور پروردگارِ حقیقی سے ملاقات اور اُسکی رحمت کا مژدہ ہے۔ اسلئے وہ موت کو غنیمت سمجھتے ہوئے جلد ابدی راحتوں کی طرف لپکتا ہے۔ یہ عظیم سعادت اُس وقت نصیب ہوتی ہے جب انسان کا جینا مرنا اللہ کیلئے ہو جائے۔ مزید یہ کہ:

مفہوم: ”صالح انسان کی روح پاکیزہ مشک کی مانند خوشبو کی طرح نکلتی ہے جسے فرشتے سفید ریشمی لباس میں جبکہ مجرم کی روح سڑے مردار کی بدبو کی مانند نکلتی ہے جسے فرشتے (گندے) ٹاٹ میں ڈال دیتے ہیں“۔

(نسائی:1834)

کیا یہ حقیقت نہیں؟ کیا یہ صورت حال ہم پر وارد ہونے والی نہیں؟ کیا اِس سے فرار ممکن ہے؟ تو پھر غفلت کیوں؟ یاد رکھیں! جب تک مرنے کی یاد اپنے اوپر مسلط نہ کرلی جائے، غفلت سے بچنا ممکن نہیں۔ اسلئے اپنے ساتھ ظلم نہ کریں، فوراً آج ہی زندگی مکمل تقویٰ پر لا کر اپنے آپ کو بچالیں۔!

(iv)۔آخرت کا تصور اور دنیا کی حقیقت

(1)۔دو بڑے خطرے.. 31
(2)۔دنیا کی ذلت سے بچاؤ.. 31
(3)۔فقر و ذلت سے بچاؤ کی تدابیر.. 32
(4)۔مصائب اور تقدیر (بڑی غلط فہمی کا ازالہ).. 32
(5)۔اگلا خسارہ (پریشانی کی اصل بات).. 33
(6)۔زندگی کیا ہے؟ (حصہ اول).. 33
(6)۔زندگی کیا ہے؟ (حصہ دوم).. 34
(7)۔پھولوں کی سیج یا کانٹوں کا گھر؟.. 34
(8)۔دھوکے کا سامان.. 35
(9)۔دنیا کی حقیقت پر پیارے رسول ﷺ سے رہنمائی.. 35
(10)۔دنیا پرستی پر شدید تنبیہات (حصہ اول).. 36
(10)۔دنیا پرستی پر شدید تنبیہات (حصہ دوم).. 37
(12)۔اَصل اور نقل.. 38
(13)۔دنیا کی حقیقت سے دوری کا نتیجہ.. 39
(14)۔مزہ اور اطمینان!.. 39
(15)۔اطمینان وسکون کے حقیقی ذرائع.. 40
(16)۔خلوت کا عظیم سُرور.. 40
(17)۔حقیقی آزادی (ایک دن پر زندگی)۔حصہ اول.. 41
(18)۔ایک دن پر زندگی (کچھ مزید رہنمائی).. 42
(19)۔آزادی ونجات (حصہ سوم).. 43
(20)۔مٹنے والے اور باقی رہنے والے!.. 43
(21)۔زندگی گزارنے کا اندازِ فکر!.. 44
(22)۔بڑھاپا: حسرت یا شکر گزاری!.. 45
(23)۔دھاک!.. 45
(24)۔زندگی کی قدر پر عظیم رہنمائی.. 46
(25)۔محاسبہ: مراد کو پانے کا واحد نسخہ!.. 46
(26)۔خواہشِ نفس کا جادو (چند اہم حقائق).. 47

(1)۔دو بڑے خطرے

جو بھی پیدا ہو گیا، اب اُسے دو بڑے خطرات کا سامنا ہے۔ایک تو دنیا کی ناکامی اور ذلت کا خطرہ ہے اور دوسرا اُخروی خسارے کا۔اِن دونوں خطرات سے بچنے کی فکر کرنی ہے۔جیسا کہ نبی کریم (ﷺ) نے ان سے بچنے کی یوں تلقین فرمائی: (واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الآخرہ)۔(اے پروردگار) ہمیں بچا دنیا کی ذلت ورسوائی سے اور آخرت کے عذاب سے“۔اگرچہ اصل ناکامی تو اُخروی ناکامی ہی ہے، جس سے بچنا ہمارا اصل ہدف ہونا چاہئے۔تاہم دنیا کی ذلت سے بھی ہر ممکن بچنا ہے۔کیونکہ حد درجے کی تنگی، فقر وافلاس اور بیماری بھی انسان کے ہوش وحواس اُڑا کر کفر تک لے جانے کا سبب بن سکتی ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ یہاں آپ کے پاس کچھ ہوگا تو اُسے اللہ کیلئے استعمال کر پائیں گے۔اسلئے دنیا میں معاشی محتاجی سے بچنے، اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے، صحت وتندرستی، تعلیم وتربیت اور صلاحیتوں کے حصول کی بھی کوشش کرنا ضروری ہے۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ دعا تھی کہ:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ o﴾ (البقرہ:201)

”اے ہمارے رب ہمیں عطا فرما دنیا کی بھلائی اور عطا فرما آخرت کی بھلائی اور ہمیں بچا لے آگ کے عذاب سے۔“

تاہم آخرت کو دنیا کے نیچے کرنے، اللہ کے تقاضوں کی راہ میں دنیا کے حائل ہونے، خواہش کی شدت، حرص وہوس اور ساری توانائیاں، سارے وسائل، سارا وقت صرف دنیا کیلئے کھپا دینے اور آخرت کو نظر انداز کر دینے سے بھی اجتناب کرنا ہے۔یہی اصل خرابی ہے جس کی زَد میں اکثریت آ چکی ہے۔مزید آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر (راہِ فلاح کی پہلی گھاٹی)

(2)۔دنیا کی ذلت سے بچاؤ

جیسا کہ ہم سابقہ لیکچر سے جان چکے کہ اصل خسارہ تو آخرت کا خسارہ ہے، لیکن دنیا کی ناکامی اور ذلت سے بچنا بھی ضروری ہے۔لہٰذا دنیا کی ذلت کی چار بنیادی شکلیں ہیں: نمبر۔۱: ایمان و اَخلاق سے محرومی، نمبر۔۲: بیماری، نمبر۔۳: حادثات اور نمبر۔۴: معاشی تنگدستی۔

مذہبی لوگ عموماً اپنی ذمہ داری پوری کئے بغیر دنیاوی نقصانات کو تقدیر پر ڈال دیتے ہیں، جبکہ نبی کریم (ﷺ) نے دنیا کے نقصان سے بچنے کیلئے درج ذیل سنہری اُصول دیا ہے، فرمایا:

”فائدے کیلئے حرص وکاوش کی جائے، پھر اللہ سے دعا کی جائے اور پھر (ان دونوں کاموں یعنی کوشش اور دعا سے) عاجز نہ ہوا جائے (یعنی انہیں جاری رکھا جائے)۔“ (مسلم: رقم:6774)

نمبر۔۱: ایمان واَخلاق: اگر ایمان واخلاق نہیں تو دنیا اور مال واسباب کی ریل پیل کے باوجود بھی قلبی اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا۔اسلئے سب سے پہلے ایمان کی مضبوطی کی فکر کرنی ہے۔نمبر۔۲: بیماری: بیماری کی ذلت سے بچنے اور صحت کو بحال رکھنے کیلئے: متوازن غذا، صحت مند لائف سٹائل: واک ورزش اور دوائی کا خیال رکھنا ناگزیر ہے۔نمبر۔۳: حادثات: جیسے: روڈ ایکسیڈنٹ، آگ، کرنٹ لگنا وغیرہ۔اِن سے بچاؤ کیلئے: اپنی بساط کی حد تک ہر ممکن حفاظتی اقدامات (Saftey Measures) کا بھرپور خیال رکھنا ہے۔

نمبر۔۴: معاشی تنگدستی: اِس سے بچنے کیلئے: اعلیٰ تعلیم، قابلیت، مہارت، ہنر اور محنت وکاوش کی ضرورت ہے۔جسکی تفصیل اگلے لیکچر میں بیان کی جائے گی۔اور مزید یہ کہ اپنی کاوش کرنے کے بعد دنیا کی ہر قسم کی ناکامیوں اور ذلتوں سے بچنے کیلئے دعا کا دامن تھامے رکھنا بھی ضروری ہے۔

(3)۔فقر وذلت سے بچاؤ کی تدابیر

عصرِ حاضر (جدید دور) کے تقاضے بہت مختلف ہو چکے ہیں، جیسے: ملکی سطح پر جدید ٹیکنالوجی: جہاز، گاڑیاں، کمپیوٹر، موبائلز، ٹی وی، انٹرنیٹ، اسلحہ .... ضرورت بن چکی ہے۔قرآن نے دنیاوی بھلائی کی تردید نہیں کی، بلکہ دنیا میں غرق ہو کر، سارا وقت، ساری توانائیاں محض دنیا بنانے میں صرف کر کے اُخروی تقاضوں کو نظر انداز کر کے دنیا پرست ہو جانے کی مذمت کی ہے۔لہٰذا فقر وافلاس سے بچ کر دنیا میں عزت سے جینے کے درج ذیل چار اہداف ہیں:
نمبر۔ا: دیانتداری، نمبر۔۲: محنت وکاوش، نمبر۔۳: اہلیت، اور نمبر۔۴: خالق سے تعلق (تقویٰ ودعا)۔

نمبر۔ا: دیانتداری (Fairness): عزت سے جینے کیلئے پہلی بنیادی شرط دیانتداری ہے۔یعنی منافقت، دھوکے ظلم، حق تلفی، ملاوٹ، بددیانتی اور جھوٹ سے بچنا جو کہ بہت مشکل کام ہے۔بددیانتی کا نتیجہ: اللہ کی تائید ونصرت ختم ہو جائے گی۔جو کام بھی شروع کریں گے آہستہ آہستہ لپیٹا جائے گا اور معاشرہ شدید بحران اور استحصال کا شکار ہو جائے گا۔نمبر۔۲: محنت وکاوش (Struggle): ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھنا بلکہ محنت کرنی ہے، اپنے لئے، اپنے خاندان اور ملک وقوم کی فلاح کیلئے۔نمبر۔۳: اہلیت (Ability): تیسرا تقاضا اپنے اندر قابلیت، مہارت اور اہلیت پیدا کرنا ہے۔جو بھی کام کرنا چاہتے ہیں پہلے اُسے اچھی طرح پوری محنت سے سیکھیں اور اپنے اندر بھرپور صلاحیت پیدا کریں۔نمبر۔۴: خالق سے تعلق (تقویٰ ودعا): ہماری تمام کاوشیں ناقص ہیں۔لہٰذا حقیقی معنوں میں سرخروئی کیلئے خالق سے مضبوط تعلق اور تقویٰ ناگزیر ہے، تاکہ ہماری فریادیں اُسکی بارگاہ میں مقبول ہو سکیں۔اِن چار لوازم کو مضبوطی سے پکڑ لیں گے، تو انشاءاللہ عزت سے جئیں گے۔اللہ ہمیں دنیا وآخرت کی ذلت سے بچائے۔(آمین)

(4)۔مصائب اور تقدیر (بڑی غلط فہمی کا ازالہ)

مصیبت سے بچاؤ کیلئے اپنی کاوش کئے بغیر عموماً مصائب کو تقدیر سے جوڑ دیا جاتا ہے جو کہ بھیانک نتائج کا موجب ہے۔درحقیقت یہ زندگی خالق نے اسباب (قوانینِ طبیعہ) کے تحت بنائی ہے: آگ کو جلانے کا، پانی کو پیاس بجھانے... کا ذریعہ بنایا ہے۔قوانینِ طبیعہ کائنات میں جاری وساری ہیں، اِلّا کہ خالق تبدیلی کیلئے الگ سے نیا حکم جاری فرمادیں جو کہ عمومی قاعدہ نہیں۔لہٰذا معاملہ دین کا ہو یا دنیا کا بغیر دیکھئے، سمجھے اندھا دھند کسی راہ کا انتخاب دین ودنیا دونوں کیلئے ہلاکت کا باعث ہے، جس سے سختی سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:
ترجمہ: "اور مت پیروی کرو کسی راہ کی جب تک کہ اُسکا (صحیح) علم حاصل نہ ہو جائے۔" (بنی اسرائیل: آیت: 36)
تقدیر تو برحق ہے، لیکن معاملہ تقدیر پر ڈالنے سے قبل تین کام ہمارے ذمے ہیں: نمبر۔ا: سب سے پہلے عقل وشعور، فہم وفراست کی روشنی میں فائدے ونقصان کی راہ کی بھرپور جانچ پڑتال کرنا، نمبر۔۲: اپنی ذمے داری پوری کرنے کے بعد خالق سے کامیابی اور مدد کی دعا کرنا، اور نمبر۔۳: یہ دو کام یعنی فائدے کے حصول اور نقصان سے بچنے کی کاوش اور دعا کو جاری رکھنا۔اس کے بعد جو نتیجہ نکلے وہ تقدیر ہے۔تفصیل کیلئے دیکھئے: (مسلم: 6774)۔نبی کریم ﷺ کی زندگی اِسی کاوش کے تحت تھی۔اپنی بساط کے تحت حتی الامکان کاوش کرنے کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کیا ہے، جیسے: جانور باندھ کر توکل کرنا، جنگ کیلئے حتی الامکان سامانِ حرب کی تیاری کرنا، آگ سے بچنے کیلئے رات کو چراغ بجھا دینا، جوتا جھاڑ کر پہننا، پانی دیکھ کر سونگھ کر پینا، کھانے میں مضرِ صحت اشیاء سے بچنا، چلتے ہوئے سامنے دیکھ کر چلنا، بستر جھاڑ کر سونا، سفر میں ضروری اشیاء ساتھ رکھنا، سفر سے قبل راستے کی جانچ پڑتال کرنا.... یہ سب حفاظتی اقدامات ہی ہیں۔لہٰذا تقدیر کے غلط مفہوم سے ہم نے خود اپنے ہاتھوں اپنی زندگی اجیرن بنادی ہے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔(آمین)

(5)۔اگلا خسارہ (پریشانی کی اصل بات)

سابقہ لیکچرز میں پہلے خسارے یعنی دنیا کی ناکامی وذلت سے بچنے کی تدابیر سے آگاہی کے بعد اب ہم اگلی زندگی کا خسارہ جو کہ اصل خسارہ ہے، اُس کے متعلق حقائق کھولیں گے۔ انسان عموماً دنیا کی تکلیفوں، پریشانیوں اور محرومیوں کو ہی سب سے بڑی پریشانی اور مَحرومی سمجھتا ہے۔ بلاشُبہ دنیاوی دُکھ بھی بہت تکلیف دہ ہیں جن سے ہر ممکن بچنا ہے۔ لیکن اصل پریشانی، اصل خسارہ اور اصل محرومی تو آخرت کی محرومی ہے۔ جیسا کہ پروردگار نے متنبہ کیا: ترجمہ: ''یقیناً خسارے والے تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ڈالا خسارے میں اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ خانہ کو قیامت والے دن۔ آگاہ ہو جاؤ یہی تو درحقیقت کھلا خسارہ ہے۔'' (سورہ زُمر: آیت: 15)۔ یہ اسلئے کہ دنیا کی محرومیاں چندروزہ اور آخرت کے مقابلے میں بہت ہی ہلکی ہیں۔ جبکہ اُخروی خسارہ ابدی اور انتہائی بھیانک ہے۔ آپ امیر ہیں یا غریب، خوشحال ہیں یا تنگدست، جو دن طلوع ہوا اُس نے غروب ہو ہی جانا ہے۔ جو دن، ہفتہ، مہینہ، سال شروع ہوا، اُس نے بہت جلد ختم ہو جانا ہے اور چند سالوں پر محیط یہ زندگی ہے۔ لیکن آخرت نے نہ غروب ہونا ہے اور نہ ہی ختم۔ اسلئے دنیا کی ناکامی سے بھی بچنا ہے لیکن اُخروی ناکامی سے بچنا ہمارے لئے زندگی موت کا مسئلہ ہونا چاہیئے جو کہ نہیں ہے۔ پس! اصل قابلِ ترس تو وہ لوگ ہیں جو آخرت کو داؤ پر لگا بیٹھے۔ جنہیں دنیا میں بھیجے جانے کی غایت سمجھ نہ آسکی۔ اپنے خالق کو نہ پہچان سکے۔ اُسکے ساتھ تعلق نہ بنا سکے۔ نورِ توحید کو نہ پاسکے، اللہ کو زندگی کی ترجیحِ اول نہ بنا پائے۔ زندگی اُسکے احکامات کے تابع نہ کر سکے، بلکہ اِنہیں چندروزہ عارضی اور انتہائی حقیر مزے جو اضطراب اور اذیت سے خالی نہیں، اِنہیں ہی جنت سمجھ کر اِن میں مگن ہو گئے اور آخرت کو بھول گئے۔ تین رکاوٹیں: مراد کی راہ میں تین بڑی رکاوٹیں کھڑی ہیں: (۱)۔ دنیا، (۲)۔ نفس، اور (۳)۔ شیطان۔ نفس اور شیطان پر ضروری رہنمائی سابقہ لیکچرز میں دی جا چکی ہے۔ اب ہم پہلی بڑی رکاوٹ یعنی ''دنیا'' کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اگلے لیکچرز میں تمام ضروری حقائق کھول کر واضح کریں گے۔

(6)۔زندگی کیا ہے؟ (حصہ اول)

شعور تک پہنچنے سے قبل ہر انسان کیلئے اس حقیقت کو جاننا انتہائی ضروری ہے کہ دنیا کی زندگی کیا ہے؟ ہمیں دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے؟ جو دنیا کی اصل حقیقت تک نہ پہنچ سکا وہ مارا گیا۔ جس کو یہ بات سمجھ آئی کہ محض دنیا میں کامیاب ہونے کے سوا، اس زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں تو وہ بازی ہار گیا۔ دنیا کی کامیابی کی ممانعت نہیں، لیکن آخرت کو نظر انداز کر کے اگر مقصد ہی صرف دنیا بن جائے تو پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔ کسی کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی یہی ہے کہ اُسے اِس زندگی کی اصل حقیقت سے آشنا کر دیا جائے۔ یہ زندگی جائے مقام نہیں بلکہ اصل ابدی مقام تک پہنچنے کیلئے گزرگاہ، جائے امتحان اور جائے آزمائش ہے۔ یہ زندگی تو اصل زندگی کی تمہید ہے۔ یہ تو کتاب کا پہلہ صفحہ ہے، کتاب تو مرنے کے بعد کھلے گی۔ پروردگار نے دنیا کی حقیقت کو یوں کھولا:

ترجمہ: ''اور یہ تو (محض) دنیاوی زندگی پر ہی خوش ہو گئے ہیں، حالانکہ دنیا تو آخرت کے مقابلے میں نہیں ہے مگر صرف ایک متاع (یعنی گزرگاہ)۔'' (سورہ رعد: آیت: 26)۔ ایک بندہ مومن نے اپنی قوم کو اصل حقیقت کی خبریوں دی، فرمایا:

ترجمہ: ''اے قوم! دنیا کی زندگی تو نہیں مگر سوائے متاع (یعنی عارضی گزرگاہ) کے اور یقیناً آخرت ہی ٹھرنے کی جگہ ہے۔'' (المومن: آیت: 39)۔ یہاں آخرت کو جائے قرار یعنی ٹھرنے کی جگہ، جبکہ دنیا کو متاع یعنی گزرگاہ قرار دیا گیا ہے۔ جسکا مطلب عارضی طور پر دی گئی نہایت حقیر پُونجی ہے۔ پس! یہی دنیا کی اصل حقیقت ہے جسے پائے بغیر نہ دنیا میں چین مل سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں۔ زندگی کی اصل حقیقت کو پا کر قابلِ رشک زندگی پر آنے کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (راہِ فلاح کی پہلی گھاٹی)

(6)۔ زندگی کیا ہے؟ (حصہ دوم)

ہماری زندگی چار اَدوار پر مشتمل ہے یعنی: بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن اور لڑکپن تو کھیل کود، بے شعوری اور بے خبری میں ہی گزر جاتا ہے۔ جبکہ بڑھاپا ایک بوجھ بن کر نمودار ہوتا ہے۔ زندگی کا لُطف تو بہت دور کی بات ہے یہ تو وہ تلخ دورانیہ ہے جس میں جسم میں موجود ہر عضو کی تکلیف کو سہنا پڑتا ہے۔ بلکہ بہت سَوں کو تو محتاجی کی حالت میں یہ وقت بستر پر ہی گزارنا پڑتا ہے۔ یوں جوانی کے پندرہ بیس سال ہی وہ ایّامِ زندگی ہیں جن میں انسان کی ساری صلاحیتیں آب وتاب پر ہوتی ہیں۔ یہ دورانیہ بڑا قیمتی ہے۔ اِسی میں دنیا بنتی ہے اور اسی میں آخرت کیلئے پیش قدمی کرنی ہے۔ اگر زندگی صرف دنیا کی نظر سے بھی دیکھی جائے تو دنیا سے لطف اندوزی کے یہی پندرہ بیس سال ہیں جن میں سے بیشتر وقت فکرِ معاش اور سوکر نیند کی نظر ہو جاتا ہے۔ یوں کتنا وقت انجوائے منٹ کیلئے باقی رہ جاتا ہوگا؟ پھر دنیا کا انجوائے منٹ ہے بھی کیا؟ یہاں کی خوشیاں بھی اضطراب اور اذیت سے خالی نہیں۔ ابھی انسان مزوں سے پوری طرح سے لُطف اندوز بھی نہیں ہو پاتا کہ مصائب آدستک دیتے ہیں۔ تاہم اگر خوشیاں مل بھی جائیں تو کتنا عرصہ انجوائے کریں گے۔ دیکھتے ہی دیکھتے زندگی تمام ہو جاتی ہے۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا آنکھوں کے سامنے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور قاصد ابدی زندگی میں منتقل کرنے کیلئے آدستک دیتا ہے۔ بوقتِ موت جب انسان پیچھے دیکھتا ہے تو ساری گزری ہوئی زندگی ایک خواب بلکہ ایک لمحہ ہی محسوس ہوتی ہے۔ موت کا نتیجہ اگر ہمیشہ کیلئے مر جانا ہی ہوتا تو پھر مرنا کوئی پریشانی کی بات نہ تھی۔ لیکن اب تو نا ختم ہونے والی اصل زندگی نے شروع ہونا ہے۔ اب تو غافلوں اور مجرموں کے ہوش اُڑ جائیں گے اور وہ کہیں گے کاش موت اُنکا قصہ تمام کر دیتی، کاش آج وہ مٹی ہو جاتے۔ لہٰذا ابھی وقت ہے غفلت سے جاگیں اور زندگی کی اصل حقیقت کو پاکر ابدی ہلاکت سے بچ جائیں۔

(7)۔ پھولوں کی سیج یا کانٹوں کا گھر؟

دنیا کی یہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں، بلکہ حقیقت میں یہ زندگی مصائب کی جگہ اور کانٹوں کا گھر ہے۔ بہت سارے مصائب جن سے ہم بے خبر ہوتے ہیں وہ تو ہر وقت ہمارے ساتھ چمٹے رہتے ہیں جیسے: رزق کیلئے شب وروز کی کاوش، محنت مزدوری، کام کاج کی تھکن، رہن سہن کیلئے دوڑ دھوپ، تگ ودو، صفائی ستھرائی کی فکر۔ کبھی شدید گرمی کی لُو اور کبھی سردی کی شدت کے تھپیڑے۔ پھر لوگوں کی اذیتیں، بڑھاپا... مزید یہ کہ بہت سی بڑی تکالیف وقتاً فوقتاً بھی آتی جاتی رہتی ہیں جیسے: اَن گنت بیماریاں، آفات وبلیّات، حادثات: کرونا، ڈینگی زلزلے، سیلاب، آگ لگنا، پھر لڑائی جھگڑے، فتنہ وفساد... وغیرہ۔ یوں حقیقت سے نابلد انسان اِنہیں دکھوں کو جنت سمجھ کر خوش فہمی میں مبتلا رہ کر ساری زندگی، ساری توانائیاں دنیا کی نظر کر کے ابدی زندگی کو داؤ پر لگا کر یہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اگر تو اللہ کے قانون کو ملحوظ رکھ اِن مصائب سے گزر رہا ہو تو یہ تکالیف بھی اجر کا باعث بنتی جاتی ہیں۔ جائز اور حلال دنیا منع نہیں، لیکن خالق کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر، آخرت کو نظر انداز کر کے محض دنیا کیلئے جینا سوائے ٹینشن کے اور کچھ نہیں۔ اگر دنیا کی مشقت جھیلنی ہی ہے، تو پھر حقیر مقاصد کی بجائے کسی بڑے مقصد کے تحت جیا جائے یعنی: خالق کی پہچان، اُسکے قانون، اُسکی حدود کی پاسداری اور اُسکے اصولوں پر کھڑے ہونا۔ اُسکی یاد، اُسکی عبادت، دعوتِ دین، رزقِ حلال، انفاق فیملی کی کفالت اور خدمتِ خلق..... جیسے بڑے مقاصد کیلئے جینا۔ آپ نے کون سی راہ اپنانی ہے؟ اس کا فیصلہ اب آپ نے خود کرنا ہے۔ پس! حقیقت کو سمجھیں، دنیا کو آخرت کے تابع کر کے ابدی زندگی بچالیں۔

(8)۔ دھوکے کا سامان

آخرت کی چھتری کے تابع جائز اور حلال دنیا کی طلب تو باعثِ خیر ہے۔لیکن آخرت کو پسِ پُشت ڈال کر اگر زندگی کا مقصد ہی صرف دنیا بن جائے تو خالق نے اِسے ''نرا ہی دھوکہ'' قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''پس جو بچا لیا آگ سے اور داخل کر دیا گیا بہشت میں تو بے شک وہ ہو گیا کامیاب، اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر نرا ہی دھوکہ۔'' (آل عمران:185)۔

بلکہ اس دھوکے کی لپیٹ سے بچنے کی شدید تنبیہ بھی کر دی گئی، فرمایا:

ترجمہ: ''یقیناً اللہ کا وعدہ برحق ہے تو دیکھنا کہیں تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے کی لپیٹ میں نہ لے لے اور نہ کہیں تمہیں دھوکے باز شیطان اللہ کے بارے میں دھوکے میں مبتلا کر دے (یعنی بے جا بخشش کی امید پر)۔'' (سورہ لقمان:33)۔

اس ضمن میں دو باتیں سمجھنا انتہائی ضروری ہیں:

نمبر۔۱: دھوکے کا اطلاق کس چیز پر ہو گا؟ اور نمبر۔۲: یہ دھوکہ ہے کیا؟

دنیا مطلقاً دھوکہ نہیں، بلکہ دھوکے کا اطلاق اُس کام پر ہو گا جو کام: اللہ کی حدود سے متجاوز ہو اور جو دینی احکامات کی بجا آوری میں رکاوٹ بن جائے۔ اگلی بات کہ، یہ دھوکہ ہے کیا؟ ایک تو وقت کا دھوکہ ہے۔ یعنی زندگی کا سارا وقت: دن، ہفتے، مہینے، سال ... دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں کے سامنے چٹکی کی طرح پل بھر میں بیت جاتے ہیں۔ جس چیز کا آغاز ہو گیا اُس کا اختتام آ گیا۔ جیسے ہی وقت گزر کر ماضی کا حصہ بن جاتا ہے، تو وہ صرف ایک خواب بن جاتا ہے۔ بوقتِ موت بھی سابقہ زندگی ایک خواب ہی محسوس ہو گی۔ دوسرا: اشیاء کا دھوکہ ہے: یعنی دنیا کی چیزیں آخرت کے مقابلے میں عارضی ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی حقیر بھی ہیں۔ اِن میں مزہ تو ہے، لیکن اطمینان نہیں اور یہاں مصائب و آلام سے بھی جان نہیں چھٹتی۔ پس! جو ابدی لافانی راحتوں کو نظر انداز کر کے، خالق کے قانون کو پسِ پشت ڈال کر شہوات و لذات کا اسیر بن کر محض اس حقیر اور مٹ جانے والی دنیا پر ریجھ گیا، وہ مارا گیا۔ یہی دھوکہ ہے جسکی لپیٹ میں اکثریت آ چکی ہے۔

(9)۔ دنیا کی حقیقت پر پیارے رسول ﷺ سے رہنمائی

جیسا کہ ہم جان چکے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان نے اِس دارِ فانی میں تین بنیادی رکاوٹوں کا سامنا کرنا ہے: (۱)۔ دنیا، (۲)۔ نفس، اور (۳)۔ شیطان۔ انسان کو بچانے کیلئے ان تینوں رکاوٹوں پر پیارے رسول ﷺ نے نہایت موثر رہنمائی فرمائی ہے۔ آج کے اِس لیکچر میں ہم پہلی بڑی رکاوٹ یعنی ''دنیا'' کی حقیقت پر آنحضور ﷺ سے ملنے والی بنیادی روشنی سے آگاہی حاصل کریں گے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مطلقاً دنیا کی ممانعت نہیں بلکہ صرف دنیا کیلئے جینا، آخرت کو نظر انداز کر دینا یا اِسے دنیا کے نیچے کرنا ہلاکت ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں پیارے رسول ﷺ نے نہایت عمدہ حقیقت یوں کھولی، ارشاد فرمایا:

☆ ''آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال اسی طرح ہے، جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈالے اور پھر دیکھے کہ اُس کی انگلی سمندر کا کتنا پانی ساتھ لائی ہے۔'' (ترمذی:2323)

پس! اگر کوئی دنیا پرستی کے جادو سے نجات پا کر ابدی زندگی بچانا چاہتا ہو تو آپ ﷺ نے چند لفظوں میں بہت بڑی حقیقت کھول دی ہے، جسے تروتازہ رکھنے اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔

☆ ''اگر دنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو اِس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔'' (ترمذی، الزھد، رقم:2320)

یعنی اگر مقصد صرف دنیا کی زندگی ہے تو یہ تو کچھ بھی نہیں یعنی یہ سب کچھ تو بہت جلد ختم ہو جانا ہے۔

☆ مزید فرمایا: ''بروزِ قیامت اللہ کے دربار میں انسان کے قدم ہٹ نہ سکیں گے یہاں تک کہ اُسے پانچ چیزوں کے متعلق پوچھ نہ لیا جائے: (۱) اُس کی عمر کے بارے میں کہ اُسے کہاں صرف کیا؟ (۲) اُس کی جوانی کے بارے میں کہ اُسے کہاں کھپایا؟ (۳) اُس کے مال کے بارے میں کہ اِسے کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا؟ (۴)۔ اُس کے علم کے بارے میں کہ اسکے مطابق کتنا عمل کیا؟۔'' (ترمذی:2416)

یہ ہے زندگی کا اصل معیار اور سمجھنے والی کانٹے کی اصل بات کہ زندگی سمیت جو کچھ بھی خالق نے عطا کیا ہے اُس کی بابت اُخروی محاسبے کی شدید فکر لاحق ہو جائے اور ہر نعمت سے بھرپور اُخروی زادِ راہ نچوڑا جائے۔

☆ آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کے کندھے سے پکڑ کر انتہائی عظیم رہنمائی یوں فرمائی: ''دنیا میں اس طرح رہو گویا تم اجنبی ہو یا مسافر'' (بخاری:6416)۔ یعنی اِس پختہ تصور سے زندگی گزاری جائے کہ میں پردیس میں ہوں اور اپنے وطنِ اصلی کی طرف رختِ سفر ہوں۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم جان لو (اصل حقیقت) جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ'' (بخاری:6485)۔ یعنی دنیا و آخرت کی حقیقت، اُخروی انجام اگر حقیقی معنوں میں انسان کے پیشِ نظر ہو جائے تو اُسکی ہنسی جاتی رہے، رقت و خشیت میں آنکھیں تر ہو جائیں۔

☆ اسی ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دنیا گزر رہی ہے جبکہ آخرت آ رہی ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کے طالب موجود ہیں۔ تم آخرت کے طالب بنو اور (محض) دنیا کے طالب نہ بنو کیونکہ آج عمل کا وقت ہے اور حساب نہیں، جبکہ کل حساب ہوگا اور عمل نہیں ہوگا۔'' (مشکوٰۃ:5215)

پس! یہی ہے اصل حقیقت، اگر کوئی بروقت سمجھ کر زندگی اصل رخ پر متعین کر کے پچھتاوے سے بچنے کا پختہ عہد کر لے۔!

(10)۔ دنیا پرستی پر شدید تنبیہات (حصہ اول)

آخرت کی چھتری کے تابع جائز اور حلال دنیا کی طلب تو باعثِ خیر ہے۔ لیکن آخرت کو پسِ پُشت ڈال دنیا پرست بن جانا بہت بڑا خسارہ ہے جس کی لپیٹ سے بچانے کیلئے پروردگار نے دنیا پرستی پر شدید تنبیہات نازل فرمائی ہیں، جیسے فرمایا:

ترجمہ: ''جو کوئی بھی چاہے (صرف) دنیا کی زندگی اور اِسکی زینت کو تو اُسے اسکے اعمال کا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور اِس میں کمی نہیں کی جائے گی۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ نہیں ہے جن کیلئے آخرت

میں کچھ بھی سوائے آگ کے اور برباد ہو گیا وہ جو بنایا تھا انہوں نے اِس دنیا میں اور مٹ جانے والے تھے وہ کام جو وہ کیا کرتے تھے۔" (سورہ ھود: آیت:15)

یعنی اور کوئی جرم نہ بھی ہو لیکن خالق کی حدود کو ملحوظ رکھے بغیر، آخرت کو نظر انداز کر کے محض دنیا کی خاطر جینا ہی اتنا بڑا جرم ہے کہ جس کا نتیجہ سوائے دوزخ کی آگ کے اور کچھ نہیں۔ اگر کوئی بچنا چاہے تو خالق نے ہمیں بچانے کیلئے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔! تاہم زینت اختیار کرنا مطلقاً ممنوع نہیں (جیسا کہ سورہ اعراف آیت:۳۲ میں اہلِ ایمان کیلئے حلال زینت کو جائز قرار دیا گیا ہے)۔ لیکن زیب وزینت کو زندگی کا مقصد بنالینا، تعیش و آرائش میں اسراف وتبذیر اور حدود سے تجاوز کرنا اور ممنوع اور حرام زینت کو اختیار کرنے پر ہلاکت کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دنیا پرستی پر مزید تنبیہ یوں فرمائی گئی:

ترجمہ: "تو جب بڑی آفت آئے گی۔ اُس دن یاد کرے گا انسان اپنے کاموں کو، اور دوزخ سامنے لائی جائے گی کہ اُسے دیکھا جائے۔ تو جس کسی نے سرکشی کی ہوگی اور ترجیح دی ہوگی دنیاوی زندگی کو (آخرت پر)۔ تو بے شک جہنم ہی ہے اُس کا ٹھکانہ۔ لیکن جو کوئی ڈرا رب کے حضور اپنی پیشی سے اور لگام ڈالی اپنے نفس کو (غلط) خواہشات کی پیروی سے۔ تو بلاشبہ جنت ہی ہوگا اُسکا ٹھکانہ۔" (النازعات:34-41)

پس! آنکھیں کھولیں، غفلت سے جاگیں، فکر کریں، ان شدید تنبیہات کو سنجیدہ لیں اور فوراً زندگی اللہ کے قانون کے تابع کر کے اپنے آپ کو ابدی ہلاکت سے بچالیں۔

(11)۔ دنیا پرستی پر شدید تنبیہات (حصہ دوم)

جیسا کہ ہم جان چکے کہ: آخرت کی چھتری کے تابع جائز اور حلال دنیا کی طلب تو باعثِ خیر ہے۔ لیکن آخرت کو نظر انداز کر کے صرف دنیا کا طالب بن جانا کتنا بڑا خسارہ ہے، ارشاد ہوا:

ترجمہ: "سو کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! دے دے دنیا میں ہی ہمیں (سب کچھ)۔ تو نہیں ہے اُنکے لئے آخرت میں کوئی حصہ۔" (البقرہ: آیت:200)

پس! اللہ کے احکامات، اُسکی حدود کو ملحوظ نہ رکھنا، آخرت کو پسِ پُشت ڈال کر خواہشات کا رَسیا بن جانا بہت بڑا خسارہ ہے جس سے بچانے پر پروردگار نے انتہائی شدید تنبیہ سے انسان کو یوں خبردار کیا، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "اعلان کر دیجئے کیا مَیں تمہیں نہ بتلاؤں اعمال میں گھاٹے والے لوگوں کے بارے میں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی (ساری) کاوش برباد ہو گئی محض دنیا کی خاطر اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ ترقی والے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے (درحقیقت) کفر کیا ہے اپنے رب کی آیات اور اُسکے ساتھ ملاقات سے، تو اِنکے اعمال اکارت ہو گئے۔ پس نہیں قائم کیا جائے گا ترازو بروزِ قیامت اِنکے اعمال کا وزن کرنے کیلئے۔" (الکھف:103-106)

یہاں انتہائی سخت انداز سے انسان کو متنبہ کردیا گیا ہے کہ آخرت کو نظر انداز کر کے محض دنیا بنانے کی دوڑ دھوپ میں زندگی غرق کر دینا۔ سارا وقت، ساری توانائیاں اور ساری صلاحیتیں صِرف دنیا بنانے میں کھپا دینا۔ اور دین کو جاننے، قرآن سمجھنے، دینی احکامات کی بجا آوری، نمازوں کے قیام... کیلئے وقت نہ نکالنا ہی درحقیقت قرآنی آیات کے انکار کے مترادف ہے۔ اس طرزِ عمل پر کاربند رہنے والوں پر یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ بروزِ قیامت اُنکے اعمال کا وزن بھی نہیں کیا جائے گا۔ ظاہر ہے جب آخرت کیلئے کچھ کیا ہی نہیں تو وزن کس چیز کا؟ کفار تو سب اِسی طرزِ عمل کی لپیٹ میں ہیں اور الّا ماشاءاللہ فی زمانہ کلمہ گو مسلمانوں کی اکثریت کا بھی یہی حال ہے۔ پس! آنکھیں کھولیں، غفلت سے نکلیں، صبر کریں، غلط روش سے تائب ہوکر زندگی کو خالق کے قانون کے تابع کر کے اپنے آپ کو بچالیں۔

(12)۔ اَصل اور نقل

اللہ کے حکم اور آخرت کی چھتری کے تابع جائز اور حلال دنیا کی طلب تو باعثِ خیر ہے۔ لیکن آخرت کو پسِ پُشت ڈال کر صرف دنیا کی فکر میں جینا بہت بڑا خسارہ ہے جس سے بچانے کیلئے خالق نے طرح طرح سے قرآن میں آیات نازل فرمائی ہیں، جن کا خلاصہ کچھ یوں ہے: ''دنیا کو متاع یعنی گزرگاہ، جبکہ آخرت کو دارُ القرار یعنی ٹھہرنے کا مقام قرار دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ آخرت دنیا سے بہت بہتر بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی بھی۔ دنیاوی زندگی کو فصل سے تشبیہ دے کر یہ حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ جس طرح فصل اُگنے کے بعد بہت جلد پک کر کٹ جاتی ہے، اِسی طرح انسانی زندگی نے بھی بہت جلد کٹ جانا ہے۔ مزید یہ کہ اِس زندگی کو کھیل اور تماشے سے تشبیہ دے کر انسان کو متنبہ کردیا گیا ہے کہ تمہاری یہ زندگی بھی کھیل تماشے کی طرح بہت جلد لپیٹی جانی ہے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ: دنیا کی زندگی کو نرا ہی دھوکہ قرار دے کر انسان پر تذکیر کی آخری حُجت بھی پوری کردی گئی ہے۔ اِن سب حقائق کے باوجود بھی جو آخرت اور خالق سے غافل ہوکر محض دنیا پرستی کا شکار ہوجائیں، اُن پر پھر بھیانک اُخروی عذاب کی شدید تنبیہات بھی نازل فرمادی گئی ہیں۔ یہ ہے اصل اور نقل، سچ اور جھوٹ، حقیقت اور مجاز کا فرق۔ دنیا کی بابت جو حقائق خالق نے بیان فرمائے ہیں، وہ اصل ہیں، سچ ہیں اور حقیقت ہیں۔ جبکہ اِسکے برعکس جو ہم سمجھتے ہیں وہ: نقل، جھوٹ اور مجاز ہے۔ لیکن حقیقت تو حقیقت ہوتی ہے! کبوتر آنکھیں بند کر کے بلّی سے بچ تو نہیں سکتا۔ ہم اگر جھوٹ پر پردہ ڈال کر اُسے سچ کہنا شروع کردیں تو وہ سچائی تو نہیں بن سکتا۔ حقیقت کو اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔ سچائی اور حقیقت نے تو اپنے نتائج کے ساتھ وارد ہو ہی جانا ہے خواہ ہم کتنی ہی چشم پوشی یا اعراض کرلیں۔ مہلت بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔ یہاں ہم وقت کی چکّی میں دوڑائے جارہے ہیں۔ صبح، دوپہر، شام... بچپن، جوانی، بڑھاپا... ایک وقتِ مقرّرہ تک گردشِ ایّام کا یہ پہیہ ہم پر چلنا ہے، پھر اچانک سب کچھ ختم ہوجانا ہے۔ لہٰذا جلد از جلد: اصل کو اصل اور سچ کو سچ مان کر حقیقت پر آکر ابدی زندگی بچالیں۔

(13)۔دنیا کی حقیقت سے دوری کا نتیجہ

دنیا کی اصل حقیقت کا سمجھ آجانا بہت بڑی خوش نصیبی اور اِس کا سمجھ نہ آنا بد نصیبی کے ساتھ ساتھ بہت بڑی ذلت بھی ہے۔جس کو دنیا کی حقیقت کی سمجھ نہ آسکی، اُسکی آخرت تو اندھیر ہوگی ہی ہوگی لیکن یہ زندگی بھی اجیرن بن جائے گی۔دنیا کی حقیقت سمجھ نہ آنے کا دنیوی نتیجہ 'اضطراب و پریشانی' ہے۔حقیقت سے دور رہ کر وقتی حقیر خوشیاں تو انسان کو مل سکتی ہیں، لیکن سکونِ قلب کا نصیب ہونا ممکن نہیں۔قلبی اطمینان حقیقت پر آئے بغیر نہیں مل سکتا۔دنیا کے مصائب تو یہاں ہر ایک پر آنے ہی آنے ہیں۔لیکن جو دنیا کی حقیقت کو جان گیا، تعلق باللہ اور صبر و قناعت کی دولت نصیب ہونے کی بدولت مصائب سے گزرنا اُس پر آسان ہو جاتا ہے۔لیکن حقیقت سے ناآشنا لوگوں پر مصائب بہت گراں ہوتے ہیں۔صدمات کو یہ لوگ برداشت نہیں کر پاتے، پریشانیاں اِنکی کمر توڑ کر رکھ دیتی ہیں۔اِسی طرح اِنکے مزے، اِنکی خوشیاں بھی اضطراب سے خالی نہیں ہوتیں۔مزید یہ کہ پریشانیاں خوشیوں کے تعاقب میں ہی رہتی ہیں۔ابھی انسان خوشی سے پوری طرح لطف اندوز ہی نہیں ہوا ہوتا کہ مصائب آدستک دیتے ہیں۔خوشیوں کے ہوتے ہوئے بھی ''اندر کا بوجھ، موت کا خوف اور ضمیر کی بے چینی'' انکی جان نہیں چھوڑتی۔جبکہ حقیقت کو پانے والے خوش نصیب کیلئے اس فانی دنیا کو چھوڑنا بہت آسان ہوتا ہے، بلکہ وہ ہر وقت ابدی راحتوں کی طرف جانے کیلئے تیار رہتا ہے۔

لہٰذا ابھی وقت ہے، اگر آپ دنیا کے سکون اور ابدی راحتوں کے خواہاں ہیں تو فوراً غفلت سے تائب ہو کر اصل حقیقت کو پانے کیلئے کوشاں ہو جایئے۔اخروی زندگی کے ساتھ ساتھ یہ زندگی بھی جنت بن جائے گی۔

(14)۔مزہ اور اطمینان!

ہماری شخصیت ''جسم اور روح'' سے مُرکّب ہے۔ہمارا مادی جسم عالمِ خلق یعنی اِسی دنیا کی غذا سے بنایا گیا ہے، جبکہ ہماری روح عالمِ امر (یعنی بطورِ خاص اللہ کی طرف) سے آئی ہے (دیکھیئے: سورہ حِجر: آیت:۲۹)۔دونوں کو اپنی بقا کیلئے غذا کی ضرورت ہے۔جسم کی غذا ''شہوات اور مادی اجزاء'' جبکہ روح کی غذا ''اللہ کے حکم کی پاسداری، تقویٰ و تطہیر'' ہے۔مزے کا تعلق مادی غذا کے ساتھ، جبکہ اطمینان و سکون کا تعلق روحانی غذا کے ساتھ ہے۔شہوات کی تکمیل اور مادی اجزا چھوٹی چھوٹی نہایت ہی حقیر وقتی خوشیوں اور لذات کا باعث تو بنتے جاتے ہیں، لیکن اضطراب ختم نہیں ہو پاتا۔اِن حقیر وقتی خوشیوں کے ساتھ ساتھ کوئی خاموش بے چینی، اضطراب مسلسل چمٹا رہتا ہے جسکی طرف عموماً انسان دیہان نہیں دیتا۔یہ پریشانی درحقیقت روح کی بے چینی ہے۔روحانی وجود کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے محض جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کا نتیجہ بے سکونی اور ذلت ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا: ترجمہ: ''وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں، اُنکے دل اطمینان پاتے ہیں اللہ کی یاد سے۔خبردار! آگاہ ہو جاؤ اللہ کی یاد سے ہی دل اطمینان پکڑتے ہیں۔'' (سورہ رعد: آیت:28)۔یہاں اصل حقیقت پورا زور دے کر واضح کر دی گئی ہے کہ اگر دلوں کی طمانیت، زندگی کا

سکون چاہئے تو وہ صرف اور صرف خالق کی یاد یعنی زندگی اُسکی یاد، اُسکے احکامات کی پاسداری کی فکر میں گزار کر ہی ممکن ہے۔پس! سکونِ قلب کی عظیم بہاروں کو پانے کیلیئے: اللہ کو یاد رکھ کر زندگی بسر کرنا ہوگی۔یعنی خالی تسبیاں پھیرنے سے نہیں بلکہ: زبان سے اُسکی یاد کے ساتھ ساتھ حقیقی معنوں میں اللہ کی وحدانیت پر آنے، فہمِ قرآن سے وابستہ ہونے، حتیٰ الامکان تقویٰ پر کاربند رہنے، اللہ کے قانون، اُسکی حدود کی پاسداری کرنے اور اللہ کیلیئے جان، مال اور وقت کی قربانی کرنے کے بعد ہی یہ کیفیات نصیب ہو پاتی ہیں۔ پس ان عظیم بہاروں کو پانے کا پختہ عزم کریں۔

(15)۔اطمینان وسکون کے حقیقی ذرائع

جیسا کہ ہم جان چکے کہ اطمینان وسکون کا تعلق ہمارے روحانی وجود، جبکہ مزے کا تعلق ہمارے مادی وجود کے ساتھ ہے۔یہ بھی ہم سمجھ چکے کہ قلبی اطمینان اور مادی اجزاء سے ملنے والی لذات کی کیفیات میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔مزوں کے حصول کیلیئے مادی اجزاء کے ذریعے خواہشات کو پورا کرنا پڑتا ہے، جبکہ روحانی سکون کے تقاضے مادی وجود سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔اگر کوئی اضطراب وبے چینی سے بچ کر حقیقی سکون کا خواہشمند ہو تو حقیقی سکون پانے کے درج ذیل یقینی ذرائع ہیں:

نمبر۔۱: اللہ کی یاد اور عبادت: ہر قدم پر اللہ کو یاد رکھ کر زندگی بسر کرنا۔اللہ کے قانون اور حدود کی پاسداری کرنا۔اللہ کی نافرمانی سے ہر ممکن اجتناب کرنا۔عبادات میں خشوع وخضوع اور بالخصوص نمازِ تہجد میں یکسوئی عظیم سکون کا باعث ہے۔نمبر۔۲: توکّل وتفویض: اللہ پر توکّل، بھروسہ اور تفویض: یعنی اپنی جائز کوشش کرنے کے بعد معاملات اللہ کی سپرد کرکے انجام سے بے خوف ہو جانا۔نمبر۔۳: خواہشات کو لگام: توکل اور صبرو قناعت کے ذریعے خواہشات کے بے ہنگم پھیلاؤ سے اجتناب کرتے ہوئے انہیں قابو کرنا۔نمبر۔۴: تنہائی ویکسوئی: غافل دنیا پرست لوگوں کی صحبت سے بچنا، گاہے بگاہے تنہائی اختیار کرنا جیسا کہ آپ ﷺ غارِ حرا میں جاتے تھے۔تنہائی میں عبادت، مراقبہ، حصولِ علم یعنی قرآن پر تدبّر کرنا۔نمبر۔۵: خدمتِ خلق: رضائے الٰہی کی خاطر مصیبت زَدوں کی مشکلات دور کرنے کا ذریعہ بننا۔مزید یہ کہ دنیا میں تعاون کے ساتھ ساتھ دینی رہنمائی کرنا۔اگر آپ واقعتاً حقیقی سکون واطمینان چاہتے ہیں تو پھر خالی دعوے، ذکر کی خالی ضربیں لگانے سے نہیں، بلکہ عمل پر آکر مذکورہ نکات کو ملحوظ رکھنے سے ہی نصیب ہوگا۔اس سعادت پر قائم رہنے کیلیئے کوشش اور دعا کے ساتھ ساتھ بُری صحبت سے بچنا اور اچھی صحبت اختیار کرنا ناگزیر ہے۔

(16)۔خلوت کا عظیم سُرور

جیسا کہ ہم جان چکے کہ اطمینان وسکون پانے کے یقینی ذرائع یہ ہیں:

نمبر۔۱: اللہ کی یاد اور اُسکی عبادت، نمبر۔۲: توکل وتفویض، نمبر۔۳: سچائی اور دیانتداری، نمبر۔۴: خواہشات کو قابو کرنا، نمبر۔۵: خدمتِ خلق اور نمبر۔۶: خلوت ویکسوئی کی جگہیں وغیرہ۔اِن میں سے آج ہم خلوت

یکسوئی سے ملنے والی عظیم خیر پر بات کریں گے جس سے اکثریت نا آشنا ہے۔

خلوت ویکسوئی: نیکی کی برکات روح کی تسکین، جبکہ گناہ کی آلودگی روحانی وجود کیلئے بیزاری کا موجب ہے۔ جہاں غافل لوگوں کی بھیڑ ہوگی، وہاں اللہ کی نافرمانی ہوگی جو بے سکونی کا موجب ہوگی۔ لیکن وہ جگہیں جہاں: اللہ کی یاد ہو، اللہ کے احکام کی پاسداری ہو، جہاں گناہ نہ ہوں، ایسی جگہیں روحانی سکون کا باعث ہوتی ہیں۔ اسلئے پاکیزہ خلوت کی جگہیں: مساجد، گھر کا کونہ کُھدرا، کوئی الگ تھلگ کمرہ، کھیت، میدان، جنگل، پہاڑ اور قبرستان..... وغیرہ جہاں لوگوں کی اکثریت نہ ہو، وہاں گناہ نہ ہونے اور جمادات کی تسبیح کی بدولت خاص نوعیت کا جنت جیسا عظیم سرور موجود ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اکثر غارِ حرا کی خلوت میں اپنے رب کی یاد میں وقت گزارا کرتے تھے۔ سکون کی اس عظیم لذت کو ہر کوئی محسوس نہیں کرسکتا۔ ایسے خوش نصیب جن کا ایمان قوی ہو، جن کا روحانی وجود، نفسانی وجود پر غالب ہو، روح توانا وطاقتور ہو، باطن روشن ہو.... وہ اِن جگہوں پر ایسی عظیم روحانی لذت محسوس کرتے ہیں جو الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اِسکے برعکس تاریک باطن والوں کیلئے ایسی جگہیں بیزاری کا سبب، جبکہ شور شرابہ، بھیڑ بھاڑ مزے کا موجب بنتی ہے۔ پس! پوری کوشش سے گاہے بگاہے خلوت پا کر: اپنا محاسبہ، رب کی یاد، عبادت وتہجد، مراقبہ، حصولِ علم، قرآن پر تدبر کے ذریعے اپنے ایمان، اپنی روح کو جلا بخشیں۔

(17)۔ حقیقی آزادی (ایک دن پر زندگی)۔ حصہ اول

آزادی ہر کسی کو محبوب ہے۔ ہر کوئی آزاد تو ہونا چاہتا ہے لیکن لوگ یہ نہیں جانتے کہ آزادی مل کیسے سکتی ہے؟ ہم صرف دنیا اکٹھی کرنے کو آزادی کا پروانہ خیال کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ پر توکل وتفویض اور صبرو قناعت کی دولت ہی درحقیقت بوجھ کو ہلکا کرنے کا اصل ذریعہ ہے۔ مادی وجود کی قید سے بھی بڑی قید اور بڑا بوجھ ہمارے جسم کے دوسرے حصے ضمیر یعنی روحانی وجود کا بوجھ ہے۔ لیکن اس بوجھ کو وہی خوش نصیب محسوس کرسکتے ہیں جن کا ضمیر زندہ ہو۔ فطرت کے خلاف زندگی بسر کرنے پر اندر سے اُٹھنے والی ملامت کو مسلسل نظر انداز کرتے رہنے سے روحانی وجود کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ جس سے کسی حد تک وقتی آزادی تو مل جاتی ہے، لیکن سکون واطمینان نصیب نہیں ہوپاتا اور اگلی زندگی بھی داؤ پر لگ جاتی ہے۔ روحانی وجود کے تقاضوں کو کماحقہ ملحوظ رکھ کر اندر کی اِس قید اور اس بوجھ سے نجات پانا ہی درحقیقت دونوں جہانوں کی بڑی خوش نصیبی اور حقیقی آزادی ہے۔ یہ آزادی، زندگی ایک دن پر لانے یعنی: ہر نصیب ہونے والے دن کو کماحقہ اللہ کے قانون کے تابع رہ کر، بھرپور فکر سے گزارنے اور موجودہ دن کی کسی بھی دینی ذمہ داری کو اگلے دن پر نہ ڈالنے سے نصیب ہوتی ہے۔ اُخروی کامیابی کو پہلے نمبر پر لا کر دنیا کو آخرت کی چھتری کے نیچے کرنے: توحید پر آنے، اللہ کی حدود کی مکمل پاسداری کرنے، ذاتیات سے باہر نکلنے، خواہشات کو قابو کرنے، انفاق وقربانی کرنے، عدل واحسان پر آنے ...... مستقبل میں اپنے آپ کو بہتر کرنے کے دھوکے کا شکار رہ کر وقت

برباد کرنے کی بجائے موجودہ وقت، موجودہ دن سے بھرپور فائدہ اٹھانے سے نصیب ہوگی۔ایک دن پر آنے کے سوا زندگی کا کوئی حل نہیں۔اگر آپ واقعتاً حقیقی آزادی ونجات کے خواہاں ہیں تو پھر زندگی ایک دن پر لاکر، وقت اور صحت کی عظیم نعمت کی قدر کرکے، ہردن سے بھرپور اُخروی زادِ راہ نچوڑنا شروع کردیں، ایسی آزادی ملے گی جو دنیا میں جنت کی بہاروں کی یاد تازہ کردے گی۔

(18)۔ایک دن پر زندگی (کچھ مزید رہنمائی)

جیسا کہ ہم جان چکے کہ: کہ انسان کی اصل کامیابی، حقیقی آزادی اور عظیم سعادت، زندگی ایک دن پر لانے میں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ:

نمبر۔۱: سابقہ کوتاہیوں سے مکمل تائب ہوکر، سچی توبہ واصلاح کرکے تقویٰ پر گامزن ہوجانا، نمبر۔۲: نصیب ہونے والے ایک ایک دن کو غنیمت سمجھتے ہوئے، اِسکی بھرپور قدر کرتے ہوئے اِس سے بھرپور اُخروی زادِ راہ نچوڑنا اور

نمبر۔۳: آج کی کوتاہیوں کی آج ہی معافی مانگ لینا اور موجودہ دن کی کسی دینی ذمہ داری کو اگلے دن پر نہ ڈالنا۔ اِسکے سوا زندگی کا کوئی حل نہیں۔زندگی ایک دن پر لانا کیوں ضروری ہے؟ اِسکی تین بنیادی وجوہات ہیں:

نمبر۔۱: مہلت کا کچھ بھروسہ نہیں کب سانس رک جائیں، لہٰذا عقلمندی ہردن کی فکر کرنے میں ہی ہے نہ کہ موجودہ دن کی عظیم مہلت کو ضائع کرکے اگلے دنوں کے دھوکے میں مبتلا ہوکر مہلت کو ضائع کرنے میں۔

نمبر۔۲: ہمیں ہرنعمت اور ہردن کا حساب دینا ہوگا۔اگلے دنوں کے دھوکے میں آپ جس موجودہ وقت کو ضائع کرتے جارہے ہیں، کیا اُس کا حساب آپ نے نہیں دینا؟

نمبر۔۳: خالق کی شکر گزاری کا یہ تقاضا ہے کہ ہردن اور ہرنعمت کی بھرپور قدر کی جائے۔

انسان اِس عظیم سعادت پر کیوں نہیں آپاتا؟ اسکی بھی درج ذیل تین بنیادی وجوہات ہیں:

نمبر۔۱: شیطان، نمبر۔۲: نفس، اور نمبر۔۳: دنیا۔اصل محرّک تو ابلیس ہی ہے جو بے جا دنیاوی دلفریبیوں میں گم کرکے، نفس کو قابو کرکے دنیا پرستوں کو مکمل غافل، جبکہ فکرمندوں کو "طولِ امل" یعنی لمبی امیدوں کا شکار کرکے موجودہ وقت کی قدر سے پھسلا دیتا ہے۔لہٰذا بچنے کیلئے بھی تین نکات کو ملحوظ رکھنا ہے:

نمبر۔۱: ایک دن پر آنے کا پختہ فیصلہ کریں، نمبر۔۲: کسی لمحے بھی مہلت چھن جانے کے تصور کو ہردم ذہن نشین رکھیں، اور نمبر۔۳: بُری سنگت بُرے ماحول سے اجتناب اور اچھی سنگت کا بھرپور التزام کریں۔

(19)۔آزادی ونجات (حصہ سوم)

آزادی ونجات پر کچھ مزید انتہائی اہم حقائق ملاحظہ کریں: ہماری زندگی لاتعداد حوادث: جراثیم، بیماریاں، حادثات، فقروفاقہ، بڑھاپا، لاغری، مصروفیات، مشکلات اور موت کی زَد میں ہے۔یہ خطرات انسان کی تاک میں ہیں، کچھ خبر نہیں کب کون سا خطرہ انسان کو دبوچ کر بے بس کردے۔لہٰذا ہماری بچت انہیں دھاک لگانے میں ہے کہ ہم ان کی بابت چوکنے ہوجائیں۔جس کا مطلب فوراً زندگی ایک دن پر لانا ہے۔آزدی ونجات پا گیا وہ خوش نصیب جس نے اِن تمام حوادث کے آنے سے پہلے پہلے پورے دین کو کما حقہٗ اختیار کرکے زندگی ایک دن پر لے آیا، جیسا کہ پیارے رسول ﷺ نے آگاہ کیا، فرمایا:

"جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر اختیار کرتا ہے تو اُسکے لئے اِسکے مثل عمل لکھ دیے جاتے ہیں جو وہ اقامت یا صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔" (بخاری: رقم: 2996)

یعنی اگر کسی نے صحت کی حالت میں مسجد میں باجماعت نمازِ پنجگانہ کی ادائیگی کو زندگی کا حصہ بنالیا، خدانخواستہ کسی عذر کی وجہ سے وہ اس قابل نہ رہا کہ اب وہ مسجد میں جاسکے تو اب مجبوری کی حالت میں وہ جیسے بھی ادائیگی کرے گا: گھر میں، بیٹھے یا لیٹے.... انشاءاللہ موت تک اُسے پہلی حالت یعنی مسجد میں باجماعت نماز کا اجر ملتا رہے گا۔یہی معاملہ دین کے دیگر احکامات کا ہے۔یہی درحقیقت خطرات کے خلاف ویکسی نیشن (Vaccination) ہے۔لیکن ان حوادث کے رونما ہونے کے بعد آنکھیں کھلیں تو سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔لہٰذا فوراً آج ہی زندگی ایک دن پر لاکر (یعنی حوادث کے خلاف ویکسی نیشن کرواکر) اپنے آپ کو محفوظ کرکے خوف وخطرات سے آزادی پاجائیں۔

<u>بڑا راز:</u> بلاشبہ صحت اور مہلت کا ملنا بھی بہت بڑی نعمت ہے، لیکن اس سے بڑی دولت: ملی ہوئی مہلت اور صحت کی قدر کرنا ہے۔قدر سے گزاری گئی کم مہلت بھی نجات کا باعث، جبکہ غفلت میں گزری ہوئی طویل مہلت بھی مزید پھندے کا موجب ہے۔

(20)۔مٹنے والے اور باقی رہنے والے!

اِس زندگی میں کچھ کام مٹنے والے ہیں اور کچھ باقی رہنے والے ہیں۔یعنی کچھ کام ابدی زندگی میں ساتھ جانے والے ہیں اور کچھ یہیں ختم ہوکر راکھ کا ڈھیر بن جانے والے ہیں۔نیکیاں ابدی بہاروں کی صورت میں ساتھ جانے والی ہیں، جبکہ بدیاں ابدی ہلاکت کا موجب بننے والی ہیں۔مزید یہ کہ محض ذاتی اغراض اور دنیا کی خاطر دنیا کی کمائی: مال اور اولاد یہیں رہ جانے والی ہے، جیسا کہ خالق نے انسانیت کو متنبہ کردیا:

ترجمہ: "مال اور بیٹے تو بس دنیاوی زندگی کی رونق ہے، جبکہ باقی رہنے والی تو نیکیاں ہیں تمہارے پروردگار کے ہاں بہت بہتر اجر اور امید کے لحاظ سے۔" (الکھف: آیت: 46)۔

دینی امور (اللہ کی یاد، عبادات، دعوتِ دین، جہاد، انفاق....) تو بلاشبہ عظیم باقیات ہیں ہی، لیکن بڑے مقصد کے تحت کی گئی دنیاوی کاوش جیسے: ''حلال وحرام کا لحاظ، تربیت یافتہ متقی اولاد، ذاتیات سے باہر نکل کر خدمتِ خلق اور رضائے الٰہی کی خاطر حقوق العباد کی پاسداری، کفالت کی نیت سے رزقِ حلال، گھریلو ذمہ داریاں، پرورش، حسن سلوک وغیرہ بھی بڑے اجر کا باعث بن جاتے ہیں۔'' لیکن اِلّا ماشاء اللہ اکثریت بڑے مقصد سے کوسوں دور محض مٹ جانے والے کاموں میں اپنے شب وروز کھپا کر نفس اور شہوات کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے ہیں۔ ہماری ساری امیدیں اِس مٹ جانے والی دنیا سے وابستہ ہیں، جبکہ پروردگار نے ابدی زندگی میں کام آنے والے اُمور انجام دینے اور اِن پر امیدیں وابستہ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ پس! اپنا محاسبہ کریں، نفس کی غلامی سے نکلیں اور آگے جانے والا زادِ راہ سمیٹنے کی فکر کریں۔ اپنے شب وروز کے کاموں پر نظر رکھیں کہ اِن میں باقی رہنے والے کون کون سے کام کیے جا رہے ہیں۔

(21)۔ زندگی گزارنے کا اندازِ فکر!

اِس حقیقت سے فوری آگاہی کی اشد ضرورت ہے کہ ہم زندگی کس اندازِ فکر سے گزار رہے ہیں؟ اور ہمارا خالق ہمیں کس اندازِ فکر سے زندگی گزارنے کا مشورہ دیتا ہے؟ وقت کے لمحات کو صَرف کرتے ہوئے ہماری فکر کیا ہوتی ہے اور ہمیں پیدا کرنے والا ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے؟ جو اِس حقیقت کو پا گیا وہ بازی جیت گیا اور جو محروم رہ گیا وہ بازی ہار گیا۔ اکثریت تو آخرت سے غافل بس اِسی چندروزہ مٹ جانے والی دنیا کی فکروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ہمارے وقت کے سارے لمحات صرف اِسی کی فکر میں ختم ہوتے جاتے ہیں۔ صبح، دوپہر، شام بس دنیا، دنیا اور دنیا کی فکریں ہمارا سارا وقت اور صلاحتیں کھاتی جا رہی ہیں۔ جبکہ پروردگار نے اسکے برعکس یوں رہنمائی فرمائی ہے: ترجمہ: ''اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور چاہیے یہ کہ (زندگی گزارتے ہوئے) ہر شخص دیکھے کہ اُس نے کل کیلئے کیا سامان آگے بھیجا ہے۔'' (سورۃ الحشر: آیت: 18)۔ پس! شب وروز گزارتے ہوئے اگر ہمارا تصور تبدیل ہو کر حقیقت پر آجائے اور ہم اخروی محاسبے کی عینک لگالیں: ہر سانس، ہر قدم پر نظر رکھنا شروع کر دیں۔ دنیا کے ہر فعل کو آخرت کے تناظر میں دیکھنا شروع کر دیں۔ گھر، باہر، سکول، دفتر، دوکان.... ہر جگہ نظر اِس پر رہنا شروع ہو جائے کہ کون سے کام آگے جا رہے ہیں اور کون سے یہیں رہ رہے ہیں؟ کون سے باقی رہنے والے اور کون سے مٹنے والے ہیں؟ تو زندگی قابلِ رشک ہو جائے۔ ورنہ آخرت کو نظر انداز کر کے محض شہوات کی غلامی سوائے تھکن اور ذلت کے کچھ نہیں۔ اس عظیم دولت کو پانے کیلئے سب پہلے ایک پختہ فیصلہ کرنے کے بعد، بھرپور جدوجہد اور قربانی شرط ہے۔ مزید یہ کہ برے ماحول، بری سنگت سے بچنے اور اچھا ماحول، اچھی سنگت کو اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ اگر طلب سچی اور پیاس جان لیوا ہوئی تو منزل انشاء اللہ ہر صورت مل کر رہے گی۔

(22)۔ بڑھاپا: حسرت یا شکر گزاری!

انسان نے زندگی کے مختلف ادوار سے گزرنا ہے: بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا اور لاغری۔ بچپن اور لڑکپن تو بتلائے بغیر ہی گزر جاتے ہیں، البتہ جوانی میں انسان زندگی کو محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہی دور انسان کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ انسان اسی حالتِ شباب میں رہنا چاہتا ہے۔ زوال کے دور یعنی بڑھاپے میں جانا تو دور کی بات ہے، اس حالت کا تو انسان نام بھی سننا گوارہ نہیں کرتا۔ آخرت سے غافل اور حقیقت سے دور انسان کیلئے بڑھاپے کا سامنا کرنا تو بالخصوص بہت دشوار ہوتا ہے۔ دنیا پرست لوگوں پر تو بڑھاپے کا ہر دن حسرتوں میں اضافے کا موجب بنتا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت سے آشنا وہ خوش نصیب جنہوں نے: وقت اور جوانی کی قدر کی، ہر دن کو آخری دن سمجھ کر اِس سے بھرپور فائدہ اُٹھا کر گزارا۔ ایسے لوگوں کا زندگی کے اِس مشکل دور یعنی بڑھاپے کی بابت تصور بہت مختلف ہوتا ہے۔ غافل، دنیا پرست لوگوں کو تو بڑھاپے میں جوانی کے گزرے ہوئے ایام پر شدید حسرت ہوتی ہے۔ جبکہ یہ خوش نصیب زندگی کے امتحان کی تکمیل پر شکر گزار ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے قُرب اور ابدی راحتوں کے قریب تر ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ وہ دنیاوی امتحان کے مختلف مراحل سے گزر کر منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اِنہیں اب کوئی ندامت نہیں، کوئی حسرت نہیں، کوئی پچھتاوا نہیں، بلکہ خوشی ہے کہ وہ بالآخر دنیا کے اس کڑے امتحانی وقفے سے گزرتے ہوئے آخری سرے پر پہنچ گئے ہیں۔ اب بہت جلد اِس کڑے امتحان، اس قید سے اِنکی جان چھٹنے والی ہے۔ اب اِنہیں اِنکے صبر کا پھل ملنے کا وقت قریب آ لگا ہے اور وہ اپنے رب کی رحمتوں میں جانے والے ہیں۔ اس عظیم سعادت کو پانے کیلئے اُٹھیں، فیصلہ کریں، آگے بڑھیں، چھوٹے مقاصد کی بجائے بڑے مقاصد کے تحت جینے کا عزم کریں۔ فہمِ قرآن سے وابستہ ہو کر عظیم زندگی کا سراغ پا کر قابلِ رشک ہو جائیں، دنیا بھی بن جائے گی اور آخرت بھی۔

(23)۔ دھاک!

انسان تو اپنے انجام سے بے خبر ہے، جبکہ درج ذیل تین خطرناک آفتیں ہمیں دبوچنے کیلئے ہماری دھاک یعنی تاک میں ہیں، جو کسی وقت بھی ہمیں دبوچ کر قصہ تمام کر سکتی ہیں۔ بلکہ آئے روز ہم لوگوں کو اِن کا شکار ہوتے دیکھ رہے ہوتے ہیں: یہ خطرات درج ذیل ہیں: نمبر۔۱: حادثات: زلزلے، اولے، بم بلاسٹ، سلنڈر، پریشر ککر پھٹنا، آگ لگنا، برقی کرنٹ لگنا، ایکسیڈنٹ... وغیرہ۔ نمبر۔۲: مہلک بیماریاں: فالج، ہارٹ اٹیک، دماغ کی رگ پھٹنا، کینسر، جگر، گردوں، پھیپھڑوں کا فیل ہونا، دماغ سمیت جسم کے اندر کہیں بھی خاموش رسولیوں کا بننا... وغیرہ۔ نمبر۔۳: موت: اجل نہ بچا دیکھتی ہے نہ جوان نہ بوڑھا۔ نہ صحت مند اور نہ ہی بیمار۔ نہ قیمتی، نہ غیر قیمتی... جب وقت پورا ہو جاتا ہے، تو قاصد ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر اللہ کے حکم سے کام تمام کرنے کیلئے آ موجود ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ: مصروفیت، فقر و فاقہ اور بڑھاپا بھی ہمیں بے بس کرنے کیلئے ہماری تاک میں ہے۔ بچاؤ کا حل: ان سے بچاؤ کا حل اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ جس طرح یہ ہماری تاک میں ہیں، ہم بھی انہیں دھاک

لگالیں۔ دنیا میں بچاؤ کیلئے صحت اور حفاظتی اقدامات کا خیال رکھیں اور بالخصوص اُخروی خسارے سے بچنے کیلئے اِن سے غافل نہ ہوں، بلکہ مہلت کی قدر کریں اور فوراً زندگی ایک دن پر لے آئیں۔ طولِ امل کے دھوکے سے بچ کر، وقت کی قدر کریں اور ہر دن کو آخری دن سمجھتے ہوئے، اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا شروع کردیں ورنہ بچ نہیں سکتے۔ نبی کریم ﷺ نے تو ایک دن پر آنے کی بجائے ہر لمحہ خاتمے کو یاد رکھ کر شب و روز گزارنے کی تلقین کی، فرمایا: ''دنیا میں اسطرح رہو جیسے کوئی اجنبی یا راہ گزر، اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو (یعنی سمجھو کہ اجل آئی ہی آئی)۔'' (بخاری: رقم: 6416)۔ پس! یہ ہے ہمیں لگی ہوئی دھاک سے بچنے کا اصل حل، مگر کوئی فکرمند ہو، بچنا چاہے تو بات بنے۔!

(24)۔ زندگی کی قدر پر عظیم رہنمائی

مہلت کی قدر سے دنیا اور بالخصوص آخرت کو بچانے کیلئے نبی کریم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے بہت عظیم اور جامع رہنمائی یوں فرمائی، ارشاد فرمایا: ''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو: اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے، اپنے مال دار ہونے کو اپنی محتاجی سے پہلے، اپنی فراغت کو اپنی مصروفیت سے پہلے، اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔'' (مشکوٰۃ: رقم: ۵۱۷۴)۔ پس! اگر کسی نے خسارے سے بچ کر مراد کو پانا ہو تو رسول اللہ (ﷺ) نے جامع ترین نصیحت فرمادی ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرلیتی ہے۔ یعنی: پانچ چیزوں یا پانچ نعمتوں کو پانچ خطرات کے رونما ہونے سے قبل غنیمت سمجھا جائے یا اِنکی قدر کی جائے۔ یہ ہے سمجھنے والی کانٹے کی اصل بات اگر کسی کو سمجھ آجائے۔ جو اِن پانچ اہم ترین حقائق کو سمجھ کر زندگی میں لے آیا وہ مقصود کو پاگیا۔ لیکن عموماً انسان کا طرزِ عمل اسکے برعکس ہے۔ جب یہ پانچوں نعمتیں میسر ہوتی ہیں تو انسان کا طرزِ عمل انتہائی غفلت والا ہوتا ہے۔ وقت پر کچھ کرنے کی بجائے انسان اِن نعمتوں کے زوال کا انتظار کرتا ہے۔ لاکھ سمجھائیں انسان بات نہیں سنتا اور آنکھیں اُس وقت کھلتی ہیں جب یہ نعمتیں جانے لگتی ہیں۔ بیماری، لاغری اور موت کے وقت انسان کو حقیقت کی سمجھ لگ جاتی ہے، لیکن اب سمجھنا کس کام کا؟ اب تو بہت دیر ہوچکی ہے۔ اب انسان میں ابدی زندگی کو بچانے کی شدید آرزو پیدا ہوجاتی ہے لیکن اب حسرت وافسوس اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا مذکورہ عظیم نصیحت کو سنجیدہ لے کر بروقت فیصلہ کرکے ابدی زندگی کو بچانے کی فکر کریں۔

(25)۔ محاسبہ: مراد کو پانے کا واحد نسخہ!

زندگی گزارنے کے دو تصورات ہیں۔ ایک تصور جس پر اکثریت کاربند ہے۔ وہ بے دیہانی اور غفلت والا ہے۔ یعنی دنیاوی تقاضوں، خواہشِ نفس کی تسکین کی تو بھرپور فکر کرنا، لیکن اُخروی تقاضوں کو پسِ پشت ڈال دینا۔ یوں زندگی کے دن، ہفتے، مہینے اور سال ایک آٹومیٹک نظام کے تحت بہت تیزی سے بیت کر غفلت میں گزری عمر تمام کرکے ابدی انجام کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ آگے اب پچھتاوے اور حسرت وافسوس کے

سوا کچھ نہیں۔اِسکے برعکس ایک دوسرا تصور جس پر بہت کم لوگ عمل پیرا ہیں، وہ محاسبے اور فکر مندی کا تصور ہے۔یعنی سنجیدگی کے ساتھ نصیب ہونے والے ہر دن کی فکر کرنا، ہر دن پر نظر رکھنا کہ وہ کس طرح گزارا جارہا ہے؟ یوں زندگی کے شب وروز انمول بنتے جاتے ہیں اور موت کمر توڑ صدمے کے بجائے اُخروی ابدی فلاح اور اپنے خالق سے ملاقات کی نوید کا مژدہ لے کر آتی ہے۔یاد رکھیں! طلوع ہونے والے دن نے غروب ہونا ہی ہونا ہے،شروع ہونے والے ہفتے،مہینے اور سال نے ختم ہو ہی جانا ہے۔اور کتنا ہی جی لیں بالآخر ایک دن زندگی کا خاتمہ تو ہو ہی جانا ہے!اسلیئے اگر ہلاکت سے بچنا چاہتے ہیں تو رب سے تعلق، اُخروی تیاری اور محاسبے والی زندگی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔اسلیئے فوراً زندگی ایک دن پر لے آئیں۔صبح اٹھتے ہی دنیا کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اُخروی تقاضوں کی بھی بھرپور فکر کریں۔وقت پر گہری نظر رکھیں کہ اس میں کون سے کام یہیں رہنے والے ہو رہے ہیں اور کون سے آگے جانے والے۔پھر رات کو سونے سے قبل گزرے ہوئے دن پر ایک نظر ضرور ڈال لیں کہ میں نے آج کا دن کیسے گزارا؟ جو کمی بیشی نظر آئے،اُسے اگلے دن پورا کرنے کا تہیہ کیا جائے۔یوں ہر آنے والا دن بہتر سے بہتر ہوتا جائے گا اور دنیا وآخرت قابلِ رشک بن جائے گی۔لہٰذا محاسبے والی زندگی کو پا کر اپنے آپ کو بچا لیں۔

(26)۔خواہشِ نفس کا جادو (چند اہم حقائق)

خواہشِ نفس وہ شدید جذبہ ہے جس ڈور سے زندگی کی پتنگ بندھی ہوئی ہے۔یہی وہ پھندا ہے جس سے انسانیت جکڑی گئی ہے۔خواہشات کا بے ہنگم پھیلاؤ درحقیقت بہت بڑا عذاب ہے جو بوجھ، بے سکونی، اضطراب اور ذلت و پریشانی کا موجب ہے۔تاہم انہیں ختم نہیں کرنا بلکہ صبر وقناعت کی لگام سے قابو کرنا ہے۔اللہ کے قانون کے تابع کرنا ہے،حلال حرام کی تمیز کرنی ہے۔

قابو کرنے کا یقینی نتیجہ: خواہشات کو قابو کرنے سے: اللہ کی تائید ونُصرت نصیب ہوگی، ملائکہ کے ذریعے سکونِ قلب کی بہاریں ملیں گی،قناعت کی دولت،عبادت کی لذت نصیب ہوگی۔بوجھ ہلکا ہو جائے گا،مادی وجود کے تقاضوں کو قابو کرنے سے،روحانی وجود کی آبیاری ہوگی اور زندگی جنت بن جائے گی۔خواہشات میں سب سے شدید جذبہ،شہوات یعنی مرد وعورت کا ہے۔اسکے بعد مال اور پھر مال سے ملنے والے ثمرات: میوہ جات، بنگلے، گاڑیاں، سونا چاندی وغیرہ۔

خواہشات پر قابو کا نسخہ: خواہشات کے قابو کیلیئے: نمبر۔۱: زندہ رہنے کا مجازی مقصد ذہن سے نکال کر حقیقی مقصدِ حیات پر نظر رکھنا۔نمبر۔۲: دنیا کے عارضی پن اور آخرت کے لافانی عیش کو پیش نظر رکھنا۔نمبر۔۳: خواہشات کے جادو کا اصل توڑ یعنی مرنے کو ہر وقت یاد رکھنا۔نمبر۔۴: تقدیر وتفویض: رضائے الٰہی پر راضی رہنا۔یہ یقین رکھنا کہ جو میرے لئے بہتر ہوگا، پروردگار مجھے دے دیں گے اور جو کوشش کے

باوجود بھی مجھے نہ مل سکا وہ میرے لئے بہتر نہیں۔ مزید یہ کہ جو یہاں کمی رہ گئی، اللہ اُسے آخرت میں پورا کر دیں گے۔ نمبر۔۵: مرغوباتِ نفس (بالخصوص شہواتِ نساء) سے بچنے کیلئے بہت فاصلے پر رہنا۔ نمبر۔۶: فہمِ قرآن سے وابستہ رہنا۔ نمبر۔۷: لذات کی اصل غایت کو جاننا۔ دنیا میں ان کا ایک مقصد تو امتحان ہے، دوسرا وجود کی بقا (کھانا پینا) ہے۔ جنسی جذبہ کی اصل غایت بقائے نسلِ انسانی ہے۔ نمبر۔۸: بُرے ماحول سے بچنا اور اچھی سنگت اختیار کرنا، نمبر۔۹: اوپر دیکھنے کی بجائے اپنے سے نیچے دیکھنا، نمبر۔۱۰: بچاؤ کیلئے اللہ سے بھرپور دعا کرتے رہنا۔

یہ تمام چیزیں اگر زندگی میں آجائیں اور دنیا و آخرت کی حقیقت پوری طرح کھل جائے، تو دنیاوی خواہشات سمیت نفس کے سب سے شدید جذبے یعنی مرد و زن کی باہمی شہوت اِن سب کو لگام ڈل سکتی ہے، جیسا کہ پیارے رسول ﷺ نے اس ضمن میں بہت بڑے راز سے پردہ یوں کھولا:

''اللہ کی قسم! اگر تم جان لو (وہ حقیقت) جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ۔ تو (پھر تم) بستروں پر عورتوں (بیویوں) سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دو اور تم صحراؤں کی طرف نکل جاؤ اور اللہ کے حضور (دعاؤں کے ذریعے) آہ و زاری کرو۔'' یہ سن کر (راوی حدیث) سیدنا ابوذرؓ نے کہا: کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ (ابنِ ماجہ:4190: ترمذی)

اگر تو انسان خاتمہ بالخیر کے ساتھ دوزخ سے رہائی پا جاتا ہے تو اُسکا پیدا ہونا بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ لیکن اگر وہ آگ سے بچنے سے ناکام ہو جاتا ہے تو پھر انسان کی نسبت دیگر مخلوقات حیوانات و جمادات ہی بہتر ہیں۔ یہ حقیقت سے آگاہی پر رقت کا بیان ہے۔ تاہم اسلام نے رہبانیت یعنی ترکِ دنیا کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کو آخرت کے تابع کر کے خواہشات کو ہر ممکن قابو کرنے کا تقاضا کیا ہے۔

۞۞۞۞۞

(v)۔اُخروی حسرتیں

(1)۔ابدی خسارے پر حسرتیں!......................................50
(2)۔بُری زندگی پر حسرت کا عالَم......................................50
(3)۔قرآن وسنت سے دوری پر حسرت......................................51
(4)۔اِنفاق سے محرومی پر حسرت......................................52
(5)۔نامۂ اَعمال ملنے پر حسرت کا عالَم......................................53
(6)۔حسرت کی شدت کی انتہاء......................................53
(7)۔سب سمجھ لگ جائے گی!......................................54
(8)۔جلدی کیجئے!(حصہ اول)......................................55
(9)۔جلدی کیجئے!(حصہ دوم)......................................55

(1)۔ابدی خسارے پر حسرتیں!

ہمیں غفلت کی دلدل سے نکالنے اور ہلاکت سے بچانے کیلئے خالق نے اَگلی زندگی میں پیش آنے والے شدید حسرت وافسوس کے مقامات کو اُس وقت کے رونما ہونے سے قبل ہی کھول کر بیان کر دیا ہے۔ حقیقت کا ادراک: حقیقت کا ادراک باتوں سے نہیں ہو پاتا جب تک مشکل سے واسطہ نہ پڑے۔ آیاتِ حسرت سے نصیحت وعبرت کیلئے دنیا میں پیش آنے والے نقصان کے مواقع (جن سے اللہ سب کو بچائے)، انہیں ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔ قرآنِ حکیم سے چند مقاماتِ حسرت پیش خدمت ہیں، جنہیں ذہن نشین کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ صاحبِ ایمان ہونے کی حسرت: جس دن آرزو کرے گا انسان کہ کاش وہ مسلمان یعنی حق کو تسلیم کرنے والا ہوتا، ارشاد ہوا: ترجمہ: ''جس دن آرزو کریں گے انکار کرنے والے کہ کاش وہ مسلمان (یعنی حق کو تسلیم) کرنے والے ہوتے۔ اِنہیں چھوڑ دو یہ کھا پی لیں اور وقتی فائدے اٹھا لیں اور لمبی امیدیں انہیں (محض) دنیا میں مشغول کئے رکھیں، عنقریب انہیں انجام معلوم ہو جائے گا۔'' (الحجر: آیت:2-3)۔ مزید یہ کہ اُس دن منکرِ ایمان سے محرومی پر یوں حسرت کرے گا: ترجمہ: ''اور کہے گا اُس دن انکار کرنے والا کہ ہائے کاش آج وہ مٹی ہو جاتا۔'' (سورہ نبا: آیت:40)۔ یہاں تو انکار کرنے والے خواہشات اور مال ودولت کے نشے میں دُھت ہیں اور حق بات یعنی قرآنِ حکیم کی پکار پر کان دھرنے کو تیار نہیں۔ لیکن بوقتِ موت یا بروزِ قیامت وہ شدید آرزو کریں گے کہ کاش اُنہیں کوئی حقیقت سے آشنا کرا دیتا اور وہ اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے ہو جاتے۔ لیکن اُس وقت کا پچھتانا کس کام کا؟ لٰہذا ابھی آپ کے پاس موقع ہے۔ غفلت سے نکلیں، توبہ کریں، صحیح معنوں میں کلمے کی قدر کر کے، قرآن کو منّ وعن تسلیم کر کے، اِسے زندگی میں لا کر ابدی حسرت وافسوس سے بچ جائیں۔

(2)۔بُری زندگی پر حسرت کا عالم

دنیا میں تو اکثریت غافل، بے جا خواہشات میں مگن ہے۔ خالق کے حکموں کی پروا کئے بغیر، اچھائی بُرائی کی تمیز کے بغیر ہی اپنے شب وروز صَرف کئے جا رہی ہے۔ لیکن بروزِ قیامت، بُرائی کی راہ پر گامزن انسان کی حسرت کا عالم یوں ہوگا:: ترجمہ: ''... تو آرزو کرے گا انسان کہ اے کاش اُس میں اور اُس کی برائی میں دور کی مسافت ہو جائے۔ اور اللہ تمھیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے، اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔'' (آلِ عمران: آیت:30)۔ یعنی اُس دن تو انسان آرزو کرے گا کہ کاش اُس میں اور اُسکی برائی میں زمین وآسمان کا فاصلہ ہو جائے۔ لیکن افسوس کہ یہاں تو انسان بے فکر اور غافل ہے، بات نہیں سنتا اور برائی کے قریب رہنا پسند کرتا ہے۔! لٰہذا عقلمندی یہی ہے کہ: آج بھی شرک، بے حیائی اور بد دیانتی سمیت، دیگر تمام برائیوں سے شدید نفرت کی جائے اور اِن سے کوسوں دور رہا جائے۔! اہلِ ایمان کا مذاق: ابلیس کے پیروکار دنیا پرست لوگ عموماً اہلِ ایمان کا مذاق اُڑاتے ہیں تمسخر کرتے ہیں، اُنہیں طنز وتشنیع کا نشانہ بناتے

ہیں، لیکن بروزِ قیامت جب وہ بھیانک عذاب میں ڈالے جائیں گے، جہاں چیخنا ہوگا، چلاّ نا ہوگا۔ ایک دن کیلئے بھی عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا، اور انسان جب دوزخ سے رہائی کی التجا کرے گا تو پروردگار جواب دے گا: ترجمہ: ''تم پھٹکارے ہوئے یہیں پڑے رہو اور مجھ سے بات تک نہ کرو۔'' (المومنون: آیت: 108)۔ اور پھر اِن سے کہا جائے گا کہ: ''تم اُڑایا کرتے تھے (اہلِ ایمان) کا مذاق (دنیا میں) یہاں تک کہ غافل ہو گئے تم میری یاد سے اور تم اُنکی ہنسی ہی اُڑاتے رہے۔'' (المومنون: آیت: ۱۱۰)۔ پتہ تو اب چلے گا کہ کون تھا بیوقوف اور کون تھا عقلمند؟ لہٰذا اُس وقت کی شدید حسرت اور کربناک صورتِ حال سے بچنے کیلئے آج آنکھیں کھولیں، دنیا کو آخرت کے تابع کریں، خالق کے قانون کو اپنا کر اپنے آپ کو بچالیں۔

(3)۔ قرآن وسنت سے دوری پر حسرت

انسان کی نجات قرآنِ حکیم اور سنّت (یعنی رسولُ اللہ ﷺ کے اُسوہ مبارک) کو اپنانے میں ہے۔ لیکن دنیا میں انسان پر فرقہ پرستی، اکابر پرستی اور شخصیت پرستی کا بھوت سنوار ہو جاتا ہے۔ ہدایت کے اِس اصل سَر چشمے کی طرف نہیں آتا، بات نہیں سنتا۔ لیکن بروزِ قیامت شدید حسرت کا عالَم کیسا ہوگا، ملاحظہ کریں:

ترجمہ: ''جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا چبا کر کھائے گا (اور) کہے گا کہ ہائے کاش میں رسول کے ساتھ راستہ پکڑتا۔ ہائے کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔ (اس غلط دوستی) نے مجھے پھسلا دیا جبکہ میرے پاس نصیحت آ گئی تھی اور شیطان تو انسان کا ساتھ چھوڑ دینے والا ہے۔ اور رسول شکایت کریں گے کہ اے میرے رب، یقیناً میری قوم نے اِس قرآن کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا تھا (یعنی اسکی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا تھا)۔''

(الفرقان: آیت: 27-30)

یہ بہت ہی تفصیل طلب آیت ہے جس کی زَد میں ہر وہ شخص آ جائے گا جس نے بُری سنگت اپنائی، اپنے لیڈرز، سردار، مذہبی پیشواؤں کی اندھا دھند پیروی میں قرآن وسنت کو اپنے اپنے فرقے، مسالک اور اکابرین کے نیچے کیا۔ پروردگار نے ہمیں بچانے کیلئے ایک اور انداز سے نصیحت یوں فرمائی:

''اور (اَے لوگو!) پیروی کرو اُس بہترین شے (قرآنِ حکیم) کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اُتاری گئی ہے۔ اِس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔ (اَیسا نہ ہو کہ) پھر تم کہنے لگو کہ ہائے افسوس! اُس غفلت پر جو میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی، بلکہ میں تو مذاق اُڑانے والوں میں ہی رہا۔''

(سورہ زُمر: آیت 55-56)

اگر آپ بچنا چاہتے ہیں تو پروردگار نے ہر خطرہ کھول کر بیان فرمادیا ہے۔ پس! عقلمندی کا مظاہرہ

کریں، تعصب وتنگ نظری، فرقہ پرستی اور شخصیت پرستی یعنی اِنکی اندھا دھند پیروی سے تائب ہو کر حقیقی معنوں میں قرآن وسنت کے تابع ہو کر اپنے آپ کو بچالیں۔

(4)۔ اِنفاق سے محرومی پر حسرت

یہ زندگی اسباب کے تحت ڈیزائن کی گئی ہے اور دین اور دنیا دونوں کیلئے مال کی بہت ضرورت ہے۔ دنیا امتحان گاہ ہے جس میں خالق نے مختلف نوعیت کے ٹسٹ رکھے ہیں۔ اِنہیں میں سے اِنفاق یعنی راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کا بھی بڑا زوردار تقاضا کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

ترجمہ: ''اور کیا ہو گیا ہے تمھیں کہ تم خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں (حالانکہ) اللہ ہی کی میراث ہے آسمانوں اور زمین کی۔ (الحدید: آیت: 11)۔

نیکی کا حصول قربانی وانفاق کے بغیر ممکن نہیں، جیسا کہ پروردگار نے واضح کر دیا:

ترجمہ: ''تم ہرگز نہیں پا سکتے نیکی کو جب تک کہ تم خرچ نہ کردو اُس میں سے جسے تم محبوب رکھتے ہو۔'' (آل عمران: آیت: 92)

اب معاملہ یہ ہے کہ انسان کی مال سے شدید محبت اُسے انفاق کی بجائے بُخل پر آمادہ کرتی ہے۔ یہی ایمان کا امتحان ہے۔ حقیقی ایمان اگر نصیب ہو جائے تو اللہ کی محبت انسان کو اِنفاق فی سبیل اللہ کیلئے بے چین کر دیتی ہے۔ انسان میں یہ شدید خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ اُسکا مال اُسکے خالق کیلئے نکلتا رہے۔ لیکن اکثریت راہِ خدا میں مال خرچ کرنے سے محروم رہ کر ہی سب کچھ یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ یہاں سے رُخصت ہو جاتی ہے۔ یہ خسارہ کتنا بڑا ہے؟ زندگی میں تو اِسکی سمجھ نہیں آپاتی، لیکن بوقتِ موت انسان کی آنکھیں کُھل جائیں گی اور پھر وہ انفاق کرنے کیلئے مہلت مانگے گا، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ: ''اور خرچ کرلو (ہماری راہ میں) اُس میں سے جو کچھ ہم نے تمھیں دے رکھا ہے، اِس سے قبل کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دے دیتا کہ میں صدقہ کرلوں اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔'' (منافقون: آیت: 9-10)

زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، اسلئے مہلت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اللہ کے دیئے ہوئے میں سے اُسکی راہ (یعنی دینی اَشاعت اور انسانی ہمدردی) کیلئے حسبِ توفیق انفاق کا فیصلہ کر کے حسرت وناکامی سے اپنے آپ کو بچالیں۔ اس ضمن میں تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (انفاق فی سبیلِ اللہ)

(5)۔نامۂ اَعمال ملنے پر حسرت کا عالَم

بروزِ قیامت امتحان میں کامیاب ہونے والے خوش نصیبوں کو اُنکا نتیجہ یعنی نامۂ اعمال اُنکے داہنے ہاتھ میں دے کر جب ابدی کامیابی کا مژدہ سنایا جائے گا تو اُنکی خوشی کا عالَم کیا ہوگا، ملاحظہ کریں: ترجمہ:''سووہ شخص جسکا نامۂ اَعمال اُسکے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (خوشی) سے کہے گا: آؤ پڑھو میرا نامۂ اَعمال۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو (آسان) پانے والا ہوں۔ سووہ ہوگا مَن پسند عیش وعشرت میں۔ بلند وبالا جنت میں جسکے خوشے جُھکے ہوئے ہوں گے۔ (اُن سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو خوب لطف اندوزی کے ساتھ اُن اعمال کے بدلے میں جو تم بھیج چکے ہو گذشتہ ایام میں۔'' (الحاقّہ:19-24)۔

سبحان اللہ، یہ ہے قابلِ رشک زندگی کی اصل کامیابی جسے پانے کیلئے سَر دھڑ کی بازی بھی لگانی پڑے تو لگا دی جائے۔ لیکن اِسکے برعکس جس بدنصیب کو دیا جائے گا اُسکا نامۂ اَعمال اُسکے بائیں ہاتھ میں تو اُسکی حسرت کا عالَم کیا ہوگا، ملاحظہ کیجئے: ترجمہ:''اور جس کو دیا جائے گا اسکا اعمال نامہ اسکے بائیں ہاتھ میں، سووہ کہے گا کہ کاش نہ دیا جاتا مجھے میرا اعمال نامہ۔ اور نہ جانتا مَیں کہ کیا ہے میرا حساب کتاب۔ کاش موت میرا (ہمشیہ کیلئے) کام تمام کردیتی۔ (آج تو) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ جاتا رہا مجھ سے میرا اقتدار۔ حکم ہوگا اِسے پکڑلو اور طوق پہنادو، پھر جھونک دو اِسے جہنم میں...'' (الحاقہ:25-31)۔

یہ ہے نتیجے کی دوسری انتہاء جسکا مجرموں، ظالموں، غافلوں، متکبروں اور بخیلوں کو سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا ابھی وقت ہے، ان یقینی حقائق سے پیشگی آگاہی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فوراً غفلت سے جاگیں اور اپنی اصلاح کرکے زندگی کو خالق کے قانون یعنی قرآن کے تابع کرکے اپنے آپ کو بچالیں۔

(6)۔حسرت کی شدت کی انتہاء

اُخروی ناکامی کتنا بڑا خسارہ ہے، یہاں تو ہمیں اِسکا ادراک نہیں ہو پاتا، اِسلئے ہم اُسے سنجیدہ نہیں لیتے۔ لیکن وہ ناکامی کوئی چند دن، چند مہینے یا چند سالوں کی ناکامی نہیں، بلکہ اربوں کھربوں سالوں سے بڑی ابدی ناکامی ہے۔ چنانچہ اُس ناکامی کا شکار ہونے والے بدنصیبوں کی حسرت کا کیا عالَم ہوگا؟ پروردگار نے ہمیں ہلاکت سے بچانے کیلئے آخری درجے میں جاکر انسان کی حسرت کی صورتِ حال کو کھول کر پیشگی بیان کردیا ہے کہ شاید کسی کی آنکھیں کُھل جائیں، ارشاد ہوا:

ترجمہ:''جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوجائے گا، اور پہاڑ دُھنکی ہوئی روئی کی طرح اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا حالانکہ ایک دوسرے کو دکھا دیے جائیں گے۔ خواہش کرے گا مجرم کہ کاش وہ فدیے میں دے سکے اِس دن کے عذاب سے بچنے کیلئے: اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو اور اپنے خاندان کو جو اُسے پناہ دیا کرتا تھا، اور روئے زمین کے سب انسانوں کو۔ پھر یہ نجات دلا سکے اپنے آپ کو۔ ہرگز نہیں یقیناً وہ تو شعلہ والی آگ ہے جو چاٹ جائے گی گوشت پوست کو۔ بلائے گی ہر اُس شخص کو جس

نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا (حق یعنی قرآن سے)۔" (المعارج:8-17)۔قرآن کی اِس پکار کونظرانداز نہ کریں، اِسے ہلکا نہ جانیں۔اِسے سنیں اور بار بار سنیں، اِس پر غوروفکر کریں کہ یہ کیا بات بیان ہوئی ہے۔کس قدر بھیانک انجام ہے کہ انسان اپنے تمام عزیزواقارب: بہن، بھائی، بیوی، بچے، پورا خاندان حتّٰی کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کے فدیے کے بدلے میں آج اپنے آپ کو بچانے کی آرزو کررہا ہے۔حقیقت یہی ہے۔لہٰذا ابھی وقت ہے۔توبہ کرلیں،غفلت ونافرمانی سے مکمل کنارہ کشی کریں، ناجائز خواہشات کولگام ڈالیں،اپنے اوپر ترس کھائیں، دین یعنی قرآن کو سمجھنے کیلئے وقت نکالیں اور فوراً اللہ کے قانون کے تابع ہوکر اپنے آپ کو بھیانک انجام سے بچانے کی فکر کریں۔

(7)۔سب سمجھ لگ جائے گی!

یہاں تو انسان اُخروی انجام سے بے خبر، محض دنیا میں گم ہے اور اصل بات سننے کیلئے سنجیدہ نہیں۔اِسے کچھ خبر نہیں کہ اِسے محض تفریح کیلئے نہیں، بلکہ کسی بڑے مقصد کے تحت دنیا میں بھیجا گیا ہے۔اُس مقصد پر انسان کان نہیں دھرتا، مقصدِ حیات کو سنجیدہ نہیں لیتا۔لیکن بوقتِ موت یا بروز قیامت سب سمجھ لگ جاتی ہے، جیسا کہ پروردگار نے متنبہ کیا:

ترجمہ: "اور جس دن جہنم سامنے لائی جائے گی، اُس دن انسان کو (سب) سمجھ لگ جائے گی، لیکن اُس وقت سمجھنے کا کیا فائدہ؟ اُس دن کہے گا انسان کہ کاش میں نے اِس زندگی کیلئے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔" (الفجر: آیت:23-24)

اب پچھتائے کیا ہاتھ، جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت! یہی وہ اصل بڑی حقیقت ہے، جسکی بوقتِ موت ہمیں پوری سمجھ لگ جاتی ہے، لیکن اُس وقت کا سمجھنا کس کام کا؟ عقلمند وہی ہے جو حقائق کو بروقت سمجھ کر زندگی صحیح رُخ پر متعین کرلیتا ہے۔یہ غیب یعنی: خالق، ملائکہ اور اُخروی حقائق کا پسِ پردہ ہونا ہی ہمارا امتحان ہے کہ: ہم اُخروی حقائق پر یقینِ کامل رکھ کر، صبر کی لگام سے اپنے نفس کو قابو کرکے زندگی خالق کی منشا کے مطابق بسر کرتے ہیں یا خواہشات کے پجاری بنتے ہیں؟

یاد رکھیں! برف پگھلتی جارہی ہے۔گھڑی کی ٹِک ٹِک ہمارے زندگی کے لمحات کے مسلسل کم ہونے کا اعلان کررہی ہے۔گزرتے ہوئے لمحات ہمیں متنبہ کررہے ہیں کہ ہوشیار ہوجاؤ زمانہ بڑی تیزی سے گزرتا جارہا ہے۔دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ ہم اپنی موت کے قریب تر ہوتے جارہے ہیں۔یہ وقت ہی ہماری اصل متاع ہے جس میں کچھ بنانا ہے۔لہٰذا پچھتاوے سے بچنے کیلئے مہلت کی قدر کریں۔فوراً اُٹھیں، توبہ کریں اور ہر دن کو آخری دن سمجھ کر گزارنا شروع کردیں۔دین سیکھنے، قرآن فہمی کیلئے وقت نکالیں۔توحید، رسالت، عبادات، اخلاقیات ومعاملات کو سمجھیں اور اِن پر عمل پیرا ہوجائیں۔

(8)۔جلدی کیجئے!(حصہ اول)

ایک اہلِ علم فرماتے ہیں کہ: مجھے ''عصر کی قسم'' کا مفہوم اُس وقت سمجھ آیا جب شام کے وقت بازار بند ہونے جارہا تھا اور برف بیچنے والا چیخ چیخ کر پکار رہا تھا کہ لوگو مجھ سے برف خریدلو۔جلدی کرو کیونکہ میری برف پگھلتی جارہی ہے۔ہماری زندگی کی مثال بھی اُس برف کے تاجر کی سی ہے۔ہر لحہ برف پگھل رہی ہے،یعنی انسان کا اصل سرمایہ ہاتھ سے نکلتا جارہا ہے۔برف کا تودا کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اُس نے بالآخر پگھل کر ختم ہوجانا ہے۔برف والے کا فائدہ جلد از جلد برف کو بیچ کر اپنا سرمایہ محفوظ کرنے میں ہے۔مسلسل گزرتے ہوئے لمحات ہماری زندگی کو کھا رہے ہیں۔دیر ہوگئی تو سب کچھ گیا۔یہ شب روز بھی ہماری زندگی کو ہڑپ کرتے جارہے ہیں۔گھڑی کی ٹِک ٹک کو معمولی نہ سمجھیں،یہ زندگی کے درخت پر کلہاڑی کے وار ہیں۔برف تو ختم ہونے میں پھر بھی اپنا وقت لے گی،لیکن زندگی کے تو ایک لمحے کا بھی بھروسہ نہیں۔ہماری زندگی اور موت کے مابین ایک غیر یقینی دیوار حائل ہے۔ہر آن اندیشہ ہے کہ یہ دیوار ٹوٹ جائے اور آخرت کے حقائق ایک بے پناہ سیلاب کی طرح ہمارے اوپر پھٹ پڑیں۔اُس وقت کوئی زور،کوئی چالاکی،کوئی ہوشیاری کام نہ آئے گی۔انسان بالکل بے سہارہ اپنے خالق کے رُو برو کھڑا ہوگا۔قرآنی احکامات سے دور،خودساختہ نظریات،فرقہ واریت کی بنا پر غلط عقائد و افعال پر گامزن،خواہشات کے رسیا،دنیا کی دلفریبیوں میں گم،آخرت سے غافل لوگ جہنم میں ڈال دئے جائیں گے۔بچے گا وہی جس نے تعلیماتِ وحی کو مِنّ وعَن سمجھا اور مِنّ وعَن تسلیم کیا ہوگا۔اپنی سوچ،اپنے فرقے،گروہ،،مسالک،اکابرین،امام،پیر حضرات سب کو حقیقی معنوں میں اللہ اور اسکے پیارے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات کے تابع کیا ہوگا۔جس نے خالق کے سامنے پیش ہونے سے قبل دنیا کی زندگی میں اپنا محاسبہ کرلیا ہوگا۔اسلئے اِس اصل حقیقت پر کان دھریں،غفلت سے تائب ہوکر زندگی ایک دن پرلانے کا بروقت فیصلہ کرکے اپنی ابدی زندگی بچالیں۔

(9)۔جلدی کیجئے!(حصہ دوم)

طولِ اَمل کا شکار ہوکر مہلت کو ضائع کرنے کی بجائے وقت سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کے حوالے سے خالق نے انسانیت کو جگانے کیلئے یوں متنبہ کیا،ارشاد ہوا:

ترجمہ:''پس نیکیوں کی طرف جلدی کرو۔'' (البقرہ:آیت:148)۔

یعنی معاملہ کل پر نہیں ڈالنا،ہر دن سے بھرپور فائدہ اُٹھانا ہے۔کچھ خبر نہیں اگلا دن کیسا طلوع ہو۔اِسی حوالے سے مزید چوکنا یوں کیا گیا:

ترجمہ:''اور اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف بھاگو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے،جو تیار کی گئی ہے اہلِ تقویٰ کیلئے۔''(آلِ عمران:آیت:133)۔

یعنی فوراً تقویٰ پر گامزن ہوکر رب کی عظیم لافانی عیش کو پانے کیلئے لپکو،اور لحہ بھر بھی سستی نہ کرو۔مزید

فرمایا:

ترجمہ:''لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ لگا ہے ،جبکہ وہ پڑے ہوئے ہیں غفلت میں منہ موڑے ہوئے۔''(الانبیاء: آیت:1)۔

یعنی حساب کا وقت سَر پر کھڑا ہے اور انسان صرف دنیا میں مگن انجام سے بے خبر ہے۔اِسی حقیقت کو ایک اور انداز سے یوں واضح کیا گیا،ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''وہ (قیامت) اُن لوگوں کی نگاہ میں (تو بہت) دور ہے اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔ (المعارج: آیت:6-7)۔

یہی دنیا،نفس اور ابلیس کا دھوکہ ہے کہ وہ موجودہ دن موجودہ وقت سے پھسلا کر مستقبل کے سبز باغ دکھاتا ہے۔ اگر ہم بچنا چاہیں تو خالق نے ہمیں غفلت سے نکالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔پس! جلد از جلد اپنے آپ کو قرآن کے تابع کر کے ابدی زندگی کو بچانے کی فکر کریں،ورنہ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے،جیسا کہ پروردگار نے متنبہ کیا: ترجمہ: ''اور پیروی کرو اُس بہترین شے (قرآنِ حکیم) کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اُتاری گئی ہے،اس سے قبل کہ اچانک تم پر عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔(ایسا نہ ہو کہ) پھر تم کہنے لگو کہ ہائے افسوس! اُس غفلت پر جو میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی،بلکہ میں تو مذاق اُڑانے والوں میں ہی رہا۔ (الزمر: آیت:55-65)۔یہ ہے کانٹے کی اصل بات کہ جلد از جلد زندگی قرآن کے تابع کر لی جائے۔لیکن افسوس کہ ہمارے کان پر جوں نہیں رینگتی۔اللہ ہمیں بروقت سمجھ عطا فرمائے۔(آمین)

(vi)۔اُخروی انجام

(1)۔اصل مسئلہ دوزخ سے بچنے کا ہے!..............................58
(2)۔بچ جائیں...58
(3)۔دوزخ سے بچانے پر قرآن کی پکار..............................59
(4)۔اکثریت کا طرزِ عمل (پریشانی کی اصل بات)......................60
(5)۔ابدی عیش وعشرت کی جھلک..................................61
(6)۔بھیانک اُخروی انجام لیکن غفلت کی وجوہات؟....................62
(7)۔گناہ اور معافی کا قرآنی قانون (حصہ اول)........................62
(7)۔گناہ اور معافی کا قرآنی قانون (حصہ دوم)........................63
(8)۔بخشش اور رحمتِ الٰہی کا غلط تصور..............................64

(1)۔اصل مسئلہ دوزخ سے بچنے کا ہے!

اُخروی زندگی دوانتہاؤں پر مبنی ہے۔اپنے کئے کے مطابق یا توعظیم ترین عیش وعشرت کی جگہ ''جنت'' ہے یا شدید ترین بھیانک عذاب کی جگہ ''دوزخ'' ۔جنت میں داخل ہونا بھی بلاشبہ عظیم ترین کامیابی ہے،لیکن اصل مسئلہ دوزخ کے بھیانک عذاب سے بچنے کا ہے۔فرض کریں اگر کوئی جنت میں داخل نہیں بھی کیا جاتا ،لیکن اُسے ابدی عذاب سے بچالیا جاتا ہے یا اُسے موت دے کر ختم بھی کردیا جاتا ہے تو پھر بھی وہ بچ گیا۔لیکن خدانخواستہ جو دوزخ میں داخل کردیا گیا،جس کے ایک سیکنڈ کے عذاب کا بھی انسان تصورنہیں کرسکتا تو وہ ہلاک ہوگیا۔حقیقت کے ادراک کیلئے چند سیکنڈ ذرا آگ کے چولہے پر ہاتھ رکھنے کا تصور کریں۔یہ تو بہت دور کی بات ہے شدید گرمی میں چند لمحات کی دوھوپ ہی ہماری جان نکال دیتی ہے۔جبکہ وہاں سب سے ہلکا عذاب آگ کے جوتے پہنائے جانے کا ہوگا،جس سے دماغ کھول اٹھے گا اورانسان خیال کرے گا کہ یہ دوزخ کا سب سے سخت عذاب ہے۔بلکہ وہاں تو آگ چہروں کو بھون کر بدشکل کردے گی جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''آگ اُنکے چہروں کو چاٹ جائے گی اور وہ اس میں بدشکل پڑے ہوں گے''(المومنون:آیت:104)

اسی لئے اہل دوزخ وہاں موت مانگیں گے کہ کسی طرح انکا قصہ تمام کردیا جائے، دیکھئے (الفرقان:آیت:۱۳)۔اسی وجہ سے دوزخ کے بھیانک عذاب سے بچنے کی التجا،حقیقت سے آشنا اللہ کے خاص بندوں کی دعاؤں کا لازمی حصہ ہوتی ہے، دیکھئے(الفرقان:آیت:٦٥)۔اسکے برعکس حقیقی ایمان سے بے بہرہ بدنصیب بے جاخوش فہمیوں میں غرق ہیں۔اگر بات سمجھ آگئی ہے تو فوراً: دنیا،نفس اور شیطان کے دھوکے سے بچیں۔غفلت سے نکلیں، پکی توبہ کریں،خواہشات کو لگام ڈالیں،نفاق سے تائب ہوکر اخلاص کے ساتھ اُخروی نجات کو زندگی کی پہلی ترجیح بنانے کا پختہ عزم کرکے تقوے پر گامزن ہوجائیں۔

(2)۔بچ جائیں

ہماری سب سے بڑی فکر تو اُخروی خسارے سے بچنے کی ہی ہونی چاہیۓ،لیکن دنیا،نفس اور ابلیس کی مکار چالوں کا شکار بدنصیب انسان غفلت کی دلدل میں دب چکا ہے۔انسان کو اگر کوئی فکر لاحق ہے تو وہ صرف اور صرف دنیا کی ہے،جبکہ اُخروی انجام سے وہ بالکل غافل ہے،جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ:''وہ تو صرف دنیاوی زندگی کے ظاہری پہلو کو ہی جانتے ہیں اور وہ تو آخرت سے بالکل ہی غافل ہیں۔''(سورہ روم:آیت:7)

یہاں تو آخرت کی فکر سے انسان کی آنکھیں بند ہیں،لیکن بروزِ قیامت صورتِ حال کیا ہوگی،ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ: ''(جس روز) آرزو کرے گا مجرم کہ کاش وہ فدیے میں دے دے اِس دن کے عذاب سے بچنے کیلئے: اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو، اپنے (تمام) خاندان کو جو اُسے پناہ دیا کرتا تھا، اور اُن سب لوگوں کو جو زمین پر ہیں۔ پھر یوں وہ نجات دلا سکے اپنے آپ کو۔ (جواب آئے گا) ہرگز نہیں، یقیناً وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ ہوگی جو چاٹ جائے گی گوشت پوست کو۔ جو پکار پکار کر بلائے گی ہر اس شخص کو جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا (حق یعنی قرآن سے) اور جمع کیا مال کو اور اُسے گن گن کر رکھا (یعنی خرچ سے روکے رکھا)۔'' (المعارج: آیت: 11-18)

پس! ابھی وقت ہے، دنیا، نفس اور ابلیس کے دھوکے اور غفلت سے نکلیں۔ اپنے اوپر رحم کھائیں۔ آخرت کو اوپر اور دنیا کو اسکے تابع کریں، انفاق کریں، قرآن کو سمجھیں، توحید پر جم جائیں، اللہ کی آواز پر لبیک کہیں، اور تقوے پر گامزن ہو کر ابدی ہلاکت سے بچ جائیں۔

(3)۔ دوزخ سے بچانے پر قرآن کی پکار

پروردگار ہمیں آتشِ جہنم کا ایندھن بننے سے بچانا چاہتے ہیں۔ جسکے لئے اُنہوں نے ہمیں: عقل و شعور سے نوازا ہے، معروف و منکر کی پہچان بھی مَن میں ودیعت کی ہے۔ رہنمائی کیلئے آسمانی کتابیں اور انبیاء علیہم السلام کو بھی بھیجا ہے۔ پھر تنبیہ کیلئے دوزخ کے عذاب کی دردناک کیفیات کو بھی کثرت سے قرآن میں بیان کیا ہے۔ دوزخ سے پناہ طلب کرنے کی دعاؤں کی بھی تلقین فرمائی ہے۔ مزید یہ کہ: اُس کرب ناک صورت حال سے بچانے کیلئے انسان کو جھنجوڑا بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچالے، جیسا کہ انسان کو متنبہ کیا گیا:

ترجمہ: ''اے اہل ایمان بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ خانہ کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔'' (سورہ تحریم: آیت: ٦)۔ آنکھیں کھولنے کیلئے مزید تنبیہ یوں کی: ترجمہ: ''اور اُن کے اوپر آگ کے لحاف ہوں گے اور اُنکے نیچے بھی۔ یہ ہے وہ (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔'' (سورہ زُمر: آیت: 16)

اور پھر انتہائی دردناک انداز سے یوں تذکیر فرمائی:

ترجمہ: ''اے انسان! آخر کس چیز نے تجھے اپنے ربِ کریم سے بہکا دیا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تجھے پیدا کیا، پھر سنوارا، پھر درست اور برابر کیا۔ پھر جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔'' (سورۃ الانفطار)

لیکن یہاں اچھی اور بُری راہ کو اختیار کرنے کی آزادی دی گئی ہے اور نجات کا ضابطہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ یہاں: شیطان کی مخالفت کرنی ہے، صبر کرنا ہے، دنیا اور نفسانی خواہشات کو قابو کر کے اللہ کے قانون یعنی قرآن کے تابع کرنا ہے۔ پس! آگے بڑھیں، فیصلہ کریں اور اس چندروزہ حقیر لذات کو صبر کی لگام سے قابو کر کے ابدی ہلاکت سے بچ جائیں۔

(4)۔اکثریت کا طرزِ عمل (پریشانی کی اصل بات)

جیسا کہ ہم سابقہ ٹاپک میں جان چکے کہ پروردگار ہمیں آتشِ جہنم کا ایندھن بننے سے بچانا چاہتے ہیں۔جسکے لئے اُنہوں نے اپنی طرف سے تمام لوازم پورے کیئے ہیں جیسے:ہمیں عقل و شعور سے نوازنا، معروف و منکر کی پہچان مَن میں ودیعت کرنا، رہنمائی کیلیئے آسمانی کتابیں اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا۔پھر بطورِ تنبیہ دوزخ کے عذاب کی دردناک کیفیات کو کثرت سے قرآن میں بیان کر کے بچانے کیلیئے انسان کو جھنجوڑنا۔لیکن افسوس کہ اکثریت غافل ہے۔چند روزہ عارضی اور حقیر دنیا میں تو مگن ہے، جبکہ اُخروی انجام سے بالکل بے فکر ہے۔قرآن کی خبر کی رُو سے اکثریت جہنم کی راہ کو ہی اختیار کریں گے، دیکھیئے (سورہ اعراف: آیت:179)۔اور یہی دعویٰ کیا تھا شیطان نے کہ:

ترجمہ:''اگر تُو مجھ کو مہلت دے قیامت کے دن تک تو میں اولادِ آدم کی جڑ کاٹ کر رکھ دوں گا سوائے چند لوگوں کے۔'' (بنی اسرائیل: آیت:62)

پریشانی کی سب سے بڑی بات تو یہی ہے۔ ہماری سب سے بڑی فکر تو یہی ہونی چاہیئے کہ ہم کسی طرح ابدی خسارے سے بچ جائیں۔لیکن افسوس کہ انجام سے بے خبر اکثریت کی آنکھیں بند ہیں اور لوگ غفلت کی دلدل میں دب چکے ہیں۔دنیا کیلیئے تو بے حد فکر مند ہیں، لیکن آخرت کو بھول چکے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ:''یقیناً یہ لوگ چاہتے ہیں جلد ملنے والی دنیا کو اور چھوڑے دیتے ہیں اپنے پیچھے آنے والے ایک بڑے بھاری (محاسبے کے) دن کو'' (الدھر: آیت:27)۔

اِس بھاری دن کی ناکامی کا انجام اتنا بھیانک ہے کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔وہاں ایک دن کیلیئے بھی عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا (دیکھیئے غافر: آیت:49)۔اور انسان جب دوزخ سے رہائی کی التجا کرے گا تو پروردگار جواب دے گا:

ترجمہ:''تم پھٹکارے ہوئے یہیں پڑے رہو اور مجھ سے بات تک نہ کرو۔'' (المومنون: آیت:108)۔

پس جو کرنا ہے یہیں کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ تو ہمیں زبردستی جہنم میں بھیجنا نہیں چاہتے، بلکہ بچانا چاہتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

ترجمہ:''اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تو قدر دان خوب جاننے والا ہے۔'' (النساء: آیت:147)

شکر گزاری کیا ہے؟ زندگی اپنے خالق و مالک کے احکامات کے تابع کرنا، اُسکی اطاعت و بندگی میں جینا شکر گزاری ہے۔لیکن افسوس کہ شکر گزار بھی بہت تھوڑے ہیں، جیسا کہ پروردگار نے خبر دی:

ترجمہ:''اور میرے بندوں میں سے شکر گزار تھوڑے ہیں۔'' (سورہ سبا: آیت:13)

یعنی انسان اپنے بدن، ہوا، پانی، رزق سے لے کر خالق کی عطا کردہ ساری نعمتیں تو استعمال کرتا جا رہا ہے، لیکن نعمتیں عطا کرنے والے کی شکر گزاری نہیں! جسکا کھا رہے ہیں، اُسی کی نافرمانی! کیا یہ انصاف ہے؟ تو پھر نتیجہ تو نکلے گا؟ پس! آج اچھی یا بُری راہ کو اختیار کرنے کی پوری آزادی آپکے پاس موجود ہے۔تبدیلی کا پختہ فیصلہ کریں، آنکھیں کھولیں، غفلت سے نکلیں، پکی توبہ کریں اور فوراً شکر گزاری پر آ کر اپنے آپ کو ابدی ہلاکت سے بچا لیں۔

(5)۔ابدی عیش وعشرت کی جھلک

حقیقت سے آگاہی کیلئے ابدی راحتوں کی چند کیفیات ملاحظہ فرمائیں:

عظیم وسعت: پروردگار نے فرمایا: ترجمہ: ''اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جسکی چوڑائی آسمانوں اور زمین جیسی ہے جو تیار کی گئی ہے متقین کیلئے۔'' (آل عمران:133)

وسیع وعریض نعمتیں: جنت کی وسیع وعریض نعمتوں کی بادشاہی کا تذکرہ یوں کیا گیا: ترجمہ: ''جب تم جنت کو دیکھو گے تو نظر آئیں تمھیں ہر طرف نعمتیں ہی نعمتیں اور سروسامان بہت بڑی سلطنت کا۔'' (دہر: آیت: 20)

جنت میں ملنے والی عظیم نعمتوں کی نہایت دلکش انداز سے نقشہ کشی یوں کی گئی:

ترجمہ: ''اور جنت پرہیزگاروں کے بالکل قریب کردی جائے گی اور وہ ذرا بھی دور نہ ہوگی۔ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کیلئے جو رجوع لانے اور پابندی کرنے والا ہوگا۔ جو بھی رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور لے کر آئے رجوع والا دل۔ اسے کہا جائے گا تم اس جنت میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ آج کے دن یہ داخلہ ہمیشہ کیلئے ہے۔ ان کیلئے وہاں وہ سب ہوگا جو کچھ وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اس سے بھی بہت بڑھ کر ہے۔'' (سورہ ق:31-35)

یعنی وہ نعمتیں جن سے انسان واقف تک بھی نہیں.... وہ بھی اُسے نصیب ہوں گی۔

پس! قابل رغبت چیز 'بہشت' ہی ہے جس کی طرف فوراً ہر کسی کو رغبت کرنی چاہئے جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ (مطففین:26)

''اور یہ ہے وہ چیز (بہشت) جس کی طرف رغبت کرنی چاہیے رغبت کرنے والوں کو۔''

اللہ ہمیں صحیح معنوں میں جنت کی طرف شوق ورغبت پیدا کرکے، اِسکے تقاضوں کو کماحقہ پورا کرکے اِس کا اہل بنائے۔ (آمین)

(6)۔ بھیانک اُخروی انجام لیکن غفلت کی وجوہات؟

جتنا بڑا خسارہ ہے اُس سے بچنے کیلئے اُتنی ہی بڑی فکر اور کاوش ہونی چاہیئے۔لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ آخرت کے انتہائی بھیانک انجام کی بابت انسان کا طرزِ عمل انتہائی غیر سنجیدہ ہے؟ اِسکی بنیادی وجوہات: صحبت و ماحول، دنیا، نفس اور شیطان ہیں، جنہیں جاننے اور اِنکی زَد سے بچنے کی ضرورت ہے:

نمبر۔۱: صحبت و ماحول: جس ماحول میں بھی انسان رہے گا، ویسا ہی ہو جائے گا۔ اِسلئے بُری صحبت سے ہر ممکن اجتناب کیا جائے۔ نمبر۔۲: دنیا: دنیا کا فائدہ و نقصان چونکہ نقد و نقد ہے اور آخرت اُدھار یعنی بعد میں آنے والی ہے۔ اسلئے کوتاہ نظر انسان دنیا کی فکر تو کرتا ہے، لیکن آخرت کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ جیسا کہ خالق نے فرمایا: ترجمہ: ''خبردار تم محبت کرتے ہو جلد ملنے والی دنیا سے اور چھوڑے رکھتے ہو آخرت کو'' (القیامہ: آیت: 20-21)۔ پس! بچنے کیلئے آخرت کو اوپر اور دنیا کو اُسکے تابع کریں۔ نمبر۔۳: نفس: روح تو خیر کا منبع ہے، جبکہ نفسِ انسانی کی ساری رغبت خواہشات کی تکمیل اور برائیوں کی طرف مائل کرنے میں ہے۔ لہٰذا بچنے کیلئے اِسکے تزکیئے یعنی صفائی کی ضرورت ہے۔ جو گناہوں سے بچنے، قربانی اور نیکیاں کرنے اور اچھے ماحول میں رہنے سے ہوگی۔ نمبر۔۴: شیطان: یہ بدترین دشمن ہے جسکا مقصد جن و انس کو دوزخ کا ایندھن بنانا ہے۔ اس سے صرف اللہ ہی بچا سکتا ہے۔ اس سے بچنے کیلئے: فکر، اخلاص، کاوش و قربانی اور دعا کی ضرورت ہے۔ پس! بھیانک انجام سے بچنے کیلئے: نمبر۔۱: تبدیلی کا پختہ فیصلہ کریں، نمبر۔۲: اخلاص پیدا کریں، اور نمبر۔۳: آخرت کو پہلی ترجیح پر لا کر قربانی و کاوش شروع کر دیں۔ ان شاء اللہ منزل مل کر رہے گی۔

(7)۔ گناہ اور معافی کا قرآنی قانون (حصہ اول)

گناہ سے ہر ممکن بچنا ہے، لیکن انسان خطا سے پاک نہیں۔ بھول چُوک انسان سے ہو سکتی ہے۔ پروردگار کی یہ بہت بڑی عنایت ہے کہ اُس نے معافی کی گنجائش رکھی ہے جو خاص ضابطے کے تحت ہے۔ لیکن ابلیس نے معافی کے قرآنی ضابطے سے پھسلا کر بے جا خوش فہمیوں میں مبتلا کر کے ہماری دنیا اور آخرت دونوں داؤ پر لگا دی ہیں۔ اس ضمن میں مسلمانوں کا عمومی تصور یہ ہے کہ نیکیاں بھی کرتے جائیں اور ساتھ ساتھ دانستہ گناہ بھی، بالآخر بخشش تو ہو ہی جاتی ہے۔ یہی بڑا دھوکا ہے۔ صغائر یعنی معمولی کوتاہی تو نیک اعمال کی بدولت ہی معاف ہوتی رہتی ہے۔ لیکن قرآنی ضابطے کے تحت کبیرہ گناہوں پر معافی صرف ''جہالت'' کی شکل میں ہے نہ کہ دانستہ گناہوں پر اصرار کرنے پر، جیسا کہ ارشاد ہوا:

''اللہ کے ہاں توبہ تو صرف اُن لوگوں کیلئے ہے جن سے برائی سرزَد ہو جائے جہالت میں، پھر وہ تائب ہو جائیں فوراً'' (النساء، آیت: 17)

جہالت کا مطلب ہے: ناسمجھی میں یا جذبات سے مغلوب ہونے کی بنا پر نا گزیر حالات میں کوتاہی سرزَد ہو جانا یعنی پاؤں کا پھسل جانا۔ جس سے نادم ہو کر فوراً پلٹنا ہوتا ہے نہ کہ اس پر اصرار کرنا، جیسا کہ بخشے جانے

کے قابل لوگوں کی بابت فرمایا گیا: ''اور نہیں اصرار کرتے یہ لوگ دانستہ (جان بوجھ کر) اپنے کئے پر۔'' (آل عمران آیت:۱۳۵)۔یہی معافی کا قانون ہے جسکے برعکس پورے قرآن میں ایک آیت بھی موجود نہیں۔لیکن افسوس کہ ہم کسی اور ہی طرف جارہے ہیں۔! جسکی بنیادی وجہ قرآن سے دوری اور من گھڑت جھوٹی احادیث کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب کرکے اُنکی پیروی کرنا ہے۔ حقیقت سے آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر (ہمارا اخلاقی زوال)۔

(7)۔گناہ اور معافی کا قرآنی قانون (حصہ دوم)

جیسا کہ سابقہ ٹاپک سے ہم جان چکے کہ: صغائر یعنی معمولی کوتاہی تو نیک اعمال کی بدولت ہی معاف ہوتی رہتی ہے، لیکن قرآنی ضابطے کے تحت کبیرہ گناہوں پر معافی صرف جہالت کی صورت میں ہے نہ کہ دانستہ گناہوں کا ارتکاب کرنے اور ان پر اصرار کرنے پر۔ کبائر (یعنی بڑے گناہوں) کا معاملہ بہت سنجیدہ ہے۔اِس ضمن میں قرآن کے قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''جب بھی انسان غلط روش سے تائب ہوکر ایمان وعمل کی راہ پر آئے گا، پروردگار سابقہ ساری خطائیں معاف فرمادے گا۔ بلکہ توبہ کی کیفیت کے تحت گناہوں کو نیکیوں میں بھی تبدیل کردے گا۔ایمان وعمل کی پٹڑی پر گامزن ہونے کے بعد اب کبیرہ گناہ انسان سے ہونا تو نہیں چاہئے لیکن حالات کی رَو میں جہالت (یعنی ناسمجھی میں یا جذبات سے مغلوب ہونے کی بناپر) ناگزیر حالات میں کبھی پاؤں پھسل سکتا ہے، کوتاہی سرزَد ہوسکتی ہے۔جس سے فوراً تائب ہونا ہوتا ہے، نہ کہ اس پر قائم رہنا۔لیکن دانستہ طور پر دیدہ دلیری سے کوئی ایک بھی بڑی حکم عدولی اختیار کرلینا، اُس پر اصرار کرنا، اُس پر قائم رہ کر زندگی بسر کرنا ایمان کے منافی قرار دیا گیا ہے۔یوں حلال حرام کی تمیز کئے بغیر خواہشِ نفس کا رسیہ بن جانا درحقیقت ''شرک'' ہے دیکھئے: (سورہ جاثیہ: آیت:۲۳)''

اس اُصول سے ہٹ کر پورے قرآن میں (فاتحہ سے لےکر والناس تک) ایک کیا، آدھی آیت بھی موجود نہیں ،لیکن افسوس کہ اسکے باوجود بھی مسلمانوں کی اکثریت اس کے برعکس جارہی ہے۔جسکی وجہ قرآن سے دوری اور واعظین کی زبان پر جاری ان گنت گھڑی ہوئی احادیث ہیں۔ اگر بچنا چاہتے ہیں تو دیکھئے ہماری تحریر: (ہمارا اخلاقی زوال)۔

(8)۔ بخشش اور رحمتِ الٰہی کا غلط تصور

بے جا خوش فہمیوں میں مبتلا اکثریت کا تصور یہ ہے کہ: چونکہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اُس نے رحمت اپنے اوپر غالب کرلی ہے.... اِسلئے سزا دینے کا اُس کا قطعاً کوئی پروگرام نہیں۔ یوں گھڑی ہوئی احادیث اور بلا تطبیق یک طرفہ قرآنی آیات کے غلط مفہوم کی بنا پر: جزوی دین کو اپنانے اور بدعملی کی بنا پر ہم اپنی منزل کھوٹی کر بیٹھے ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟ ملاحظہ کریں: خالق نے اپنے پیارے رسول (ﷺ) کو حکم دیا کہ لوگوں کو میرا تعارف یوں کروائیں:

ترجمہ: ''میرے بندوں کو میرے بارے میں بتلا دو کہ یقیناً میں غفورُ الرحیم ہوں اور یہ کہ میرا عذاب (بھی) بہت دردناک عذاب ہے۔'' (سورہ حجر: آیت: 49-50)

یعنی ادھوری بات بتلانے کی بجائے پوری بات بتلائی جائے۔ مزید فرمایا:

ترجمہ: ''یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی شدید ہے'' (بروج: آیت: 12)۔

یہ پکڑ کس قدر شدید ہے؟ آگاہی کیلئے قرآن پڑھیں سارا دھوکہ جاتا رہے گا۔ بخشنہار ہونے کے حوالے سے پروردگار نے اپنے قانون کو دوٹوک الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

ترجمہ: ''یقیناً میں بخشنہار ہوں اُسکے لئے جو: تائب ہو جائے (یعنی گناہ ترک کر کے پلٹ آئے)، اور ایمان لائے اور نیک اعمال اختیار کرے اور پھر اس ہدایت پر جم جائے۔'' (سورہ طٰہٰ: آیت: 82)

لیکن شیطان انسان کو رحمت کے بارے میں خوب دھوکے میں مبتلا کرتا ہے، جیسا کہ فرمایا گیا:

ترجمہ: ''اور فریب دیتی رہیں تمہیں خوش فہمیاں یہاں تک کہ آپہنچا اللہ کا فیصلہ اور (خوب) دھوکے میں مبتلا کئے رکھا تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے باز (شیطان) نے۔'' (الحدید: آیت: 14)۔

نبی کریم ﷺ نے بھی شیطان کی مذکورہ چال کو کاٹا ہے، فرمایا: ''دانا وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور موت کے بعد کیلئے عمل کئے، اور کم عقل وہ شخص ہے جس نے نفس کو خواہش کے تابع کیا اور اللہ پر امید باندھ لی (کہ وہ بخشنہار) ہے۔'' (ترمذی: 2459)

رحمت کی غلط امید دلانے والے علماء کے بارے میں امام غزالی رحمہُ اللہ نے فرمایا

: ''.. پس یاد رکھو کہ جو واعظ لوگوں سے اِس قسم کی باتیں کہے وہ واعظ نہیں دجال ہے۔ لوگوں کے دین کا بوجھ اُس کی گردن پر رہے گا۔'' (کیمیائے سعادت)۔

لیکن ابلیس کے عمل دخل کی وجہ سے یہ حقائق ہم پر بہت گراں اور ناگوار ہیں۔ ہم اِن حقائق سے آگاہ نہیں ہونا چاہتے۔ لیکن کبوتر آنکھیں بند کر کے کیا بلی سے بچ سکتا ہے؟۔ لہٰذا اپنے اصل دشمن کو پہچانیں اور من وعن قرآن کے تابع ہو کر خسارے سے بچ جائیں۔ اللہ ہمیں حقیقی سمجھ عطا فرما کر ہلاکت سے بچالے۔ آمین۔ مزید آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (ہمارا اخلاقی زوال)۔

(2)۔خالق کا یقین

(1)۔خالق کا یقین (تمہیدی گفتگو)....66
(2)۔خالق کا یقین (ضابطہء نا کار گی)....66
(3)۔ انبیاء علیہم السلام اللہ کی واضح نشانی....67
(4)۔ہمارے وجود میں خالق کی نشانیاں....67
(5)۔ہمارا وجود اور خالق کا یقین....68
(6)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (دل)....68
(7)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (دماغ)....69
(8)۔ اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (زبان اور دانت)....69
(9)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (بال)....70
(10)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (ہاتھ)....71
(11)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (ہڈیاں اور پاؤں)....72
(12)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (آنکھیں)....72
(13)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (سانس کا نظام)....73
(14)۔ہماری تخلیق پر قرآن سے یقینی دلیل....73
(15)۔ضرورت کے مطابق ماحول اور صلاحیتیں....74
(16)۔پودے خالق کی بہت بڑی نشانی....75
(17)۔پودوں پر غور وفکر (حصہ اوّل)....75
(17)۔پودوں پر غور وفکر (حصہ دوم)....76
(17)۔پودوں پر غور وفکر (حصہ سوم)....77
(18)۔اپنے کھانے پر غور کریں....77
(19)۔دودھ میں درسِ عبرت....78
(20)۔انڈہ خالق کی واضح نشانی....79
(21)۔خدا کا بنایا ہوا (Made By God)....80

(1)۔خالق کا یقین (تمہیدی گفتگو)

آج سے الحمدُ للہ ہم خالق پر ایمان و یقین کے ٹاپک کا آغاز کر رہے ہیں۔اِس ضمن میں بہت تفصیلی دلائل موجود ہیں جو ہم نے اپنی تصانیف ''تلاشِ خالق اور کائنات سے خالقِ کائنات'' میں بیان کر دیے ہیں۔لیکن اختصار کی خاطر یہاں عام فہم موٹے موٹے چند ایسے ٹھوس دلائل پیش کیے جائیں گے جن کی کاٹ ممکن نہ ہو۔جو شک کا مکمل خاتمہ کر کے خالق پر مضبوط ایمان و یقین کا ذریعہ ثابت ہوسکیں۔

نشانیوں کے ظہور کا دور: آج کے جدید سائنسی ترقی کے عروج کے دور میں ہونے والی بہت سی سائنسی دریافتوں سے،قرآن مجید میں موجود صداقتیں واضح ہونے سے حق کی پہچان بہت آسان ہوگئی ہے اور اہلِ علم چیخ اٹھے ہیں کہ یہ کتاب حق ہے۔اللہ تعالیٰ نے آفاقِ عالم میں اپنی نشانیوں کے ظہور کے متعلق فرمایا:

ترجمہ: ''عنقریب ہم اِنہیں اپنی نشانیاں آفاقِ عالم (یعنی آسمان اور زمین کی تمام چیزوں) میں بھی اور خود اِن کی اپنی ذات میں بھی دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ یہی حق ہے، کیا آپ کے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں؟'' (حامیم السجدہ: آیت:۵۳)

ماننے اور نہ ماننے کا معاملہ: جو حق کا متلاشی ہو،جس نے بات تسلیم کرنی ہو،اُسکے لئے تو ایک آدھی پختہ دلیل بھی کافی ہوتی ہے۔لیکن جس نے بات نہ ماننے کا فیصلہ کرلیا ہو اُس کو چاہے ہزار دلیلیں بھی دکھادی جائیں تو وہ اُنکی غلط تاویل کر کے اُنہیں رَد کرتا جائے گا۔خالق ہمیں فطرتِ سلیمہ کے ساتھ حق بات کو سمجھنے اور تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)۔اِس بنیادی تمہیدی وضاحت کے بعد اب ہم اپنے خالق کے موجود ہونے کے چند حیرت انگیز یقینی دلائل کو پیش کریں گے جو اِن شاءاللہ اہل ایمان کے ایمان کی مضبوطی اور کُفّار کو ایمان لانے کا ذریعہ بنیں گے۔

(2)۔خالق کا یقین (ضابطہءنا کارگی)

آفاقِ عالَم پر غور وفکر سے خالق کے یقین کے حوالے سے سب سے پہلے ''ضابطہ ناکارگی'' کا قانون سمجھنا ضروری ہے۔اِس قانون کو سمجھنے کے لیے ایک عام فہم مثال سے مدد لیتے ہیں۔مثال کے طور پر ایک ٹرے میں کچھ بال سفید، کچھ سرخ، کچھ نیلے، کچھ سیاہ وغیرہ علیحدہ علیحدہ رکھ کر اگر ٹرے کو ہلایا جائے تو مختلف رنگوں کے یہ بال آپس میں مکس ہونا شروع ہوجائیں گے۔جتنا زیادہ ہلائیں گے یہ بال اُتنا ہی زیادہ آپس میں ملتے جائیں گے۔اور یہ ممکن نہیں کہ ہلاتے رہنے سے ہر رنگ کے بال ابتدائی حالت کی طرح الگ الگ واپس آجائیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ''ناکارگی'' بڑھ رہی ہے۔یہ فطرت کا قانون ہے کہ نارکارگی ہمیشہ یا تو مسلسل بڑھتی رہتی ہے یا کم از کم مستقل یعنی کسی خاص حالت میں قائم رہتی ہے۔یہ خود بخود کم نہیں ہوتی یعنی چکر اُلٹا نہیں چل سکتا۔اِسے کم کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ کوئی بیرونی قوت مداخلت کرے یعنی باہر سے کوئی ہاتھ ڈال کر پھر سے مختلف رنگوں کے بال چُن کر الگ الگ رکھ دے۔اب اس تصدیق شدہ حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کائنات پر غور کریں تو آپ اپنے خالق تک خود بخود پہنچ جائیں گے۔انسان سمیت دیگر مخلوقات اور اجناس کا باضابطہ بننے اور کائنات کا منظم طریقے سے چلنے کیلئے کیا کسی بیرونی لامحدود طاقت کے عمل دخل کی ضرورت نہیں..؟اگر کائنات میں کسی لامحدود طاقت (یعنی خالقِ کائنات) کا عمل دخل نہ ہوتا تو کائنات سمیت ہر چیز میں عدم توازن، بے ترتیبی....وقت کے ساتھ بڑھتی جاتی اور بالآخر یہ نظام کب کا تباہ و برباد ہو چکا ہوتا۔ناکارگی کا یہ قانون اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ کائنات خود بخود نہیں چل رہی، بلکہ اِسے کسی نے بنایا ہے اور اُسی کے چلانے کی بدولت یہ کائنات رواں دواں ہے۔

(3)۔ انبیاء علیہم السلام اللہ کی واضح نشانی

انبیاء علیہم السلام اِس دھرتی پر خالق کی واضح اور یقینی نشانی ہے۔ اِس ضمن میں یقینی صداقت پر مبنی چند پہلو غور و فکر کے لئے پیشِ خدمت ہیں: **سب کا نیک سیرت ہونا:** خالق نے لوگوں کی ہدائت کے لئے کثیر تعداد میں انبیاء و رُسل بھیجے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس معاشرے میں بھی اِن برگزیدہ لوگوں نے پرورش پائی وہ معاشرہ خواہ کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو، اِن خاص لوگوں کی صفات ہمیشہ اچھائی پر ہی رہیں۔ معاشرے میں موجود برائیوں سے اِن کا دامن ہمیشہ پاک ہی رہا۔ جیسا کہ: ہمارے پیارے نبی صلَّی اللہ علیہِ وسلّم کا اعلان نبوت سے قبل ۴۰ سالہ پورا دور اخلاقی لحاظ سے اِس قدر ممتاز تھا کہ ''الصادقُ الامین'' آپ کا مشہور لقب بن گیا۔ لوگ حفاظت کی خاطر اپنی امانتیں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس رکھواتے۔ یعنی ایسا عظیم طرزِ اخلاق کہ مخالفین شدید عداوت کے باوجود بھی آپ کو صادق اور امین کہتے۔ کیا محض اتفاقاً یہ ممکن ہے کہ دنیا میں تشریف لانے والے ہزاروں انبیاء علیہم السلام سارے کے سارے نیک سیرت ہوں۔ کوئی ایک بھی اِن میں سے راستے سے ہٹا ہوا نہ ہو؟ شماریات کی امکانی تھیوری ''ناکارکردگی'' بھی یہی فیصلہ کرے گی کہ محض اتفاق سے یہ بات ہرگز ممکن نہیں۔ تو پھر اِس حقیقت کی اِسکے سوا اور کیا توجیہہ ہوسکتی ہے کہ اِن لوگوں کو خالق نے ہی بھیجا تھا اور اُنہیں اپنے سایہ رحمت میں رکھا، جس کی بدولت اُن سب کی زندگی لوگوں کے لئے نمونہ بنی رہیں۔ **مزید یہ کہ:** ہزاروں کی تعداد میں دنیا میں تشریف لانے والے انبیاء و رسل علیہم السلام مختلف ادوار میں مختلف علاقوں کی طرف بھیجے گئے۔ اِن کے زمانے اور ادوار مختلف ہونے کے باوجود سب کی دعوت کی بنیاد ایک ہی مرکزی نقطہ پر تھی کہ (لا الٰہ الاّ اللہ) یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اِس واضح حقیقت کی موجودگی کا نتیجہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اِن برگزیدہ ہستیوں کو بھیجنے والا کوئی ہے اور وہ اکیلا ہے، جسکا نام ''اللہ'' ہے۔

(4)۔ ہمارے وجود میں خالق کی نشانیاں

گہرائی: یہ بات ذہن نشین رہے کہ انسان سمیت کائنات اتنی پیچیدہ ہے کہ کسی معمولی سے معمولی چیز جیسے خلیہ یا ایٹم کے اندر ہی اتنی گہرائی ہے کہ اِسکے بیان کیلئے کتابیں بھر جائیں۔ یہاں ہم اپنے جسم کے متعلق انتہائی اختصار سے عام فہم موٹی موٹی چند باتیں پیش کریں گے جو خالق پر پختہ ایمان کا باعث ثابت ہوں گی۔ چنانچہ اس ضمن میں خالقِ کائنات نے ہمیں اپنے اوپر غور و فکر کی یوں دعوت دی، ارشاد فرمایا: ترجمہ: ''اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کیلئے اور خود تمہاری اپنی ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں؟'' (الذاریات: آیت: 20-21)۔ **اب ذرا غور کریں کہ:** ہمارا اپنا وجود کہاں سے آیا ہے؟ انسان سادہ سے لے کر پیچیدہ ترین چیزیں اپنے ہاتھوں سے بنا رہا ہے جن میں کسی حقیر سی شے جیسے ایک کاغذ کے پرزے تک کے خود بخود بننے کو کوئی بھی عقل مند شخص تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ لیکن جب انسان اپنے جسم کو دیکھتا ہے تو دھوکہ کھا جاتا ہے کہ اِسے بننے کے لیے کسی خالق کی ضرورت ہی نہیں؟ یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ جس مادے سے ہمارا جسم بنا ہے، وہ پہلے سے ماں کے پیٹ میں موجود تھا اور وہ بغیر کسی عمل دخل اور ڈیزائن کے خود بخود: ہاتھوں، انگلیوں، گردن، ہڈیوں، آنکھوں، ٹانگوں، پاؤں، جبڑوں وغیرہ میں تبدیل ہو کر انسان کی مطلوبہ شکل میں ظاہر ہوگیا ہے تو کیا ایسا ممکن ہے؟ کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم کرسکتا ہے؟ فرض کریں کسی ایک ماں کے پیٹ میں موجود مادے نے خود بخود اپنے آپ کو ہمارے جسم میں تبدیل کرلیا (جو کہ ناممکن ہے) تو باقی کروڑوں انسان اور دیگر بے شمار مخلوقات جو دنیا میں آئے اور مسلسل آرہے ہیں اُن سب کے خود بخود بن کر دنیا میں آنے کی توجیہ آخر کس قانون اور قاعدے کے تحت کی جاسکتی ہے...؟

(5)۔ ہمارا وجود اور خالق کا یقین

اگر کوئی ہمیں یہ کہے کہ ایک کاغذ، قلم، پنسل وغیرہ بغیر کسی کے بنائے خود بخود ہی بن گئی ہے تو کیا ہم مان جائیں گے؟ یا اگر کوئی کہے کہ ہوا کا جھکڑ چلنے سے کوڑا کرکٹ اکٹھا ہوا جس سے جہاز بن کر اڑنے لگا تو آپ کہیں گے اِسے پاگل خانے میں داخل کروادیا جائے۔ تو کیا انسان کا وجود ایک کاغذ، قلم، پنسل یا رسّی سے بھی زیادہ حقیر اور بے معنی ہے کہ اِسے بنانے کیلئے کسی خالق کی ضرورت نہیں؟ ذرا سوچیں! کسی گاڑی، یا جہاز کے انجن وغیرہ پر غور کریں کہ اِسے ڈیزائن کرنے والے نے تمام ضروری چیزوں کا کس طرح خیال رکھا ہے۔ کس قدر پیچیدہ پائپوں اور برقی تاروں کا نظام بنایا ہے۔ آئل سمیت جہاں جہاں جس چیز کے پہنچنے کی ضرورت ہے اُسکی ترسیل کے راستے اور نظام، پھر فالتو اور استعمال شدہ اشیاء کے اخراج کے نظام۔ اب کوئی یہ کہے کہ یہ سارے نظام بغیر کسی کے ڈیزائن کئے اور بنائے خود بخود ہی بن گئے ہیں تو کوئی عقلمند اسے تسلیم کرے گا؟ تو پھر ذرا سوچئے اپنے وجود پر کہ: غذا چبانے اور معدے تک لے جانے کے پائپ، معدے سے ضروری اجزاء کے خون میں شامل ہونے کا انتہائی پیچیدہ نظام، پاخانے کی صورت میں فالتو غذا کے اخراج کا نظام، خون سے زہریلے مادے الگ کرنے، پھر ان زہریلے مادوں کو پیشاب کی صورت میں اخراج کے پائپ اور نظام، صاف خون کی دل سے پورے جسم کو ترسیل، پھر گندے خون کی واپسی کا انتہائی پیچیدہ نالیوں کا سسٹم۔ دماغ سے پیغامات ہر اعضاء تک پہنچانے کا برقی نظام وغیرہ۔ کیا یہ سب کچھ بغیر ڈیزائن کئے خود بخود ہی بن گیا ہے؟ کیا انسان کے یہ نظام گاڑی کے انجن سے بھی گھٹیا ہیں کہ اِنکے لئے کسی ڈیزائنر کی ضرورت نہیں؟ اگر ہم کہیں نہیں تو پھر اِس سے بڑا کائنات کا جھوٹ کوئی نہ ہوگا۔ ان حقائق سے چشم پوشی تو کی جاسکتی ہے لیکن ایک لامحدود طاقت کے حامل خالق کا انکار ممکن نہیں۔ خالق کے انکار سے قبل تو ہمیں اپنے وجود کی بھی نفی کر دینی چاہیئے۔ خالق نے انسان کو متنبہ کیا ہے کہ: ’’ہم نے ہی تمہیں تخلیق کیا ہے تو پھر تم (اس حقیقت) کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟‘‘ (الواقعہ: آیت: 57)

(6)۔ اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (دل)

اپنے وجود کے متعلق تمہیدی گفتگو کے بعد اب ہم بطورِ مثال جسم کے کچھ اعضا میں اللہ کی واضح نشانیوں کے حوالے سے سرسری سا غور و فکر کرتے ہیں: دل: دل کی دھڑکن کا نام زندگی ہے۔ یہ رک جائے تو زندگی رک جائے۔ اسلئے سوتے جاگتے یہ مسلسل دھڑکتا جا رہا ہے۔ یہ نہ تھکتا ہے، نہ تھمتا ہے، نہ آرام کرتا ہے۔ یہ پمپ کی طرح کام کرتے ہوئے صاف خون پورے جسم کو پریشر سے پہنچاتا ہے اور جسم میں استعمال شدہ خون کو واپس لیتا ہے اور پھر اُسے پھیپھڑوں کے ذریعے صاف کرکے آکسیجن کی آمیزش سے دوبارہ پورے جسم کے ہر خلیہ تک پہنچا دیتا ہے۔ دونوں قسم یعنی صاف اور گندے خون کی تیز رفتار ٹریفک دل کے اندر الگ الگ چیمبرز میں چلتی ہے اور یہ دونوں قسم کے خون آپس میں مِکس نہیں ہوتے۔ ضرورت کے تحت دل کے تمام والوز کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ کیا دل کو اِس انتہائی اہم کام سرانجام دینے کیلئے کسی نے ڈیزائن نہ کیا ہوگا؟ کیا گوشت خود بخود دل کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہوگا؟ پھر اِس نازک چیز کو بڑی حفاظت سے سینے کی مضبوط ہڈیوں کے جال کے اندر ایسی جگہ رکھا گیا ہے کہ انسان چاہے دوڑے، لیٹے، گرے، اِسے کوئی چوٹ آئے، ان تمام حادثات کا اثر آسانی سے دِل تک نہیں پہنچتا۔ کیا اِسے اتنی محفوظ جگہ رکھنے کی کسی نے منصوبہ بندی نہ کی ہوگی؟ کیوں نہیں! یقیناً اِسے اللہ رب العزّت نے ہی بنایا ہے اور اِسے انتہائی محفوظ جگہ بسایا اور چلایا ہے تاکہ زندگی ممکن ہو سکے، جیسا کہ خالق نے فرمایا: ترجمہ: ’’فرمادیجئے کہ وہی (اللہ تو) ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے کان آنکھیں اور دل بنائے، (اسکے باوجود بھی) تم بہت کم شکر کرتے ہو‘‘ (سورۃُ الملک: آیت: ۲۳)۔ کیا خالق پر ایمان و یقین کیلئے بیان کردہ یہ حقیقت کافی نہیں؟

(7)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے(دماغ)

ہمارے وجود میں موجوداَن گنت خالق کی نشانیوں میں سے آج ہم دماغ کے متعلق بات کریں گے۔ہمارا دماغ جو پورے وجود کو کنٹرول کرتا ہے۔اس کی ساخت بہت پیچیدہ ہے، دماغ میں خلیوں کی تعداد قریباً ۱۰ارب سے زائد ہے جو کہ تاروں کے مربوط نظام سے آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ دماغ سے برقی تاریں نکل کر پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہیں جن پر پیغامات آتے جاتے ہیں تا کہ دماغ کا پورے جسم سے رابطہ برقرار رہ سکے۔ان تاروں پر چلنے والے پیغامات کی تعداد ایک سیکنڈ میں ہزاروں میں ہے۔دماغ میں ہروقت ہزاروں حسابی عوامل ہورہے ہیں اور بہت پیچیدہ حسابی مساواتیں حل ہورہی ہیں۔کسی ایک عمل کے فارمولے اور مساواتیں لکھی جائیں تو کئی اوراق بھرجائیں۔ابھی آپ یہ لیکچر دیکھ رہے ہیں تو دیکھنے، سننے اور سمجھنے کے عمل کا تجزیہ دماغ میں ہورہا ہے۔اِسی طرح:سانس لینے،سونگھنے،آنکھیں جھپکنے،دل کی حرکت، خون کی گردش،جگر معدہ کا کام کرنا،جسم کا توازن، پیشاب پاخانے کا کنٹرول وغیرہ،غرض یہ کہ جتنے بھی نظام ہیں اِن سب سے ہروقت مسلسل دماغ کا رابطہ ہے۔غورفرمائیں:اگر ہمارے دماغ میں خرابی پیدا ہوجائے ،تو ہمارا پیشاب قابو نہ رہ سکے،آنکھیں صحیح سلامت ہوتے ہوئے بھی ہم دیکھ نہ سکیں۔ ہماری یاداشت ختم ہوجائے،اگر توازن کو دماغ کنٹرول نہ کرے تو چند سیکنڈ میں ہی دھڑام سے ہم نیچے گرجائیں۔جو کام دماغ کررہا ہے،دنیا کا جدید ترین سُپر کمپیوٹر بھی نہیں کرسکتا۔انسان نے کئی سالوں کی محنت سے انسانی ربوٹ بنایا ہے جو چل سکے وہ بھی صرف مخصوص راستہ پر چلتا ہے۔اور اکثر گِر بھی جاتا ہے۔جبکہ انسان جس طرف چاہے جائے،دائیں مڑے،بائیں جائے،آگے جائے، پیچھے مڑے۔کتنی آسانی سے ہرقسم کی حرکت کرسکتا ہے!

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جدید روبوٹ اور سُپر کمپیوٹرز میں استعمال ہونے والے آلات سے کہیں جدید آلات گوشت میں رکھ دیئے گئے ہیں۔اور تھوڑا سا گوشت کتنے حیرت انگیز کام سرانجام دے رہا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ:کیا یہ دماغ بغیر کسی کے بنائے خود بخود بن گیا ہے؟ کیا اِسے بنانے ، چلانے اور کنٹرول کرنے والا کوئی نہ ہوگا؟ سوچیں!!

(8)۔ اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے(زبان اور دانت)

ہمارے وجود میں موجوداَن گنت خالق کی نشانیوں میں سے آج ہم زبان اور دانتوں کے متعلق بات کریں گے:زبان: زبان بہت ہی کامل نظام کا ایک حصہ ہے۔ جسے بہت مہارت سے ڈیزائن کیا گیا ہے۔زبان کے گوشت میں ذائقہ کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔بولنے کے دوران اور کھانا کھاتے ہوئے یہ آٹومیٹک یعنی خودبخود بڑی تیزی سے تیز اور مضبوط دانتوں کے درمیان چلتی ہے،لیکن دانتوں کے نیچے نہیں آتی۔ضرورت

کے مطابق غذا پر پانی (یعنی لُعاب) چھڑکتی ہے تاکہ کھانا حلق میں نہ پھنس جائے اور کھانے کو دانتوں پر اِدھر اُدھر حرکت دیتی ہے تاکہ لقمہ پیسا جاسکے۔ اِسے ضرورت کے تحت ایسے موزوں ترین مادے سے بنایا گیا ہے جو نرم اور لچکدار ہونے کے باوجود اتنی آسانی سے زخمی نہیں ہوتا۔ کیا یہ قدرت کی کاریگری کی بہت بڑی دلیل نہیں؟ اگر ہمیں خود زبان کو دانتوں سے بچانا پڑے تو شاید ہمارے لئے ایک لقمہ کھانا بھی مشکل ہوجائے۔ کیا گفتگو کرتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے کبھی ہم نے خالق کی اِس نعمت کے بارے میں سوچا؟ **دانت:** دانتوں میں خالق کی بہت واضح نشانیاں ہیں۔ دانتوں کا جبڑوں سے نکل کر بڑھنا۔ پھر ایک خاص لمبائی پر آکر رک جانا، اللہ کی نشانی ہے۔ اگر یہ بڑھتے ہی رہتے تو ہماری زندگی عذاب بن جاتی۔ کیا اِن کو بڑھنے سے ہم نے روکا ہے؟ مزید یہ کہ یہ دانت نیچے کی طرف اُگنے کی بجائے اگر دائیں یا بائیں جانب نکل آئیں تو ہمارا کیا بنے؟ ایک طرف ہمارے چہرے کی جلد کو کاٹ دیں اور دوسری طرف زبان کو۔ یہ سب کچھ اِنہیں کس نے بتلایا ہے؟ پھر ان کی ساخت پر غور کریں، کسی بھی چیز کو کھانے کے لئے پہلے کاٹنے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا سامنے والے دانت تیز اور نوکیلے بنائے گئے تاکہ ہم خوراک کو آسانی سے کاٹ سکیں اور پچھلے دانت چوڑے بنائے تاکہ خوراک کو پیسا جاسکے۔ دانتوں کے مادے پر غور کریں: اگر یہ نرم ہوتا تو غذا کو چبایا نہ جاسکتا اور لوہے کی طرح سخت ہوتا تو ہماری زبان کو کاٹ دیتا۔ خالق نے ایسے مادے کا انتخاب کیا ہے جو مذکورہ کام کے لئے موزوں ترین ہے۔ کیا یہ سب کچھ ہمارے کرنے سے ہوا ہے؟ کیا منہ کا گوشت، خود بخود دانتوں میں تبدیل ہوگیا ہے؟ عقل والوں کے لئے دانتوں میں قدرت کی بالکل واضح نشانیاں ہیں۔ کاش ہم اِن دانتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے خالق کو بھی یاد رکھیں اور اس کا شکر ادا کریں۔

(9)۔ اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (بال)

ہمارے وجود میں موجود اَن گنت خالق کی نشانیوں میں سے آج ہم بالوں کے متعلق بات کریں گے۔ خالق نے چہرے کی خوبصورتی اور دماغ کی حفاظت کے لئے بال عطا فرمائے ہیں۔ گوشت سے باریک دھاگوں کی مانند گھاس جیسے بالوں کا نکلنا خالق کی بہت بڑی نشانی ہے۔ یقیناً وہ اللہ ہی ہے جس نے گوشت کو بالوں میں تبدیل کردیا ہے۔ چہرے پر موجود داڑھی اور مونچھوں کے بال تو بڑھتے ہیں، لیکن پلکوں بھنوؤں اور جسم کے بال خاص مقدار کے بعد روک دیئے گئے ہیں۔ اگر پلکوں اور بھنوؤں کے بال بھی مسلسل بڑھتے رہتے تو زندگی مصیبت بن جاتی، دیکھنے میں دشواری آتی اور نازک آنکھ بہت زیادہ متاثر ہوتی۔ بلکہ زخمی ہوتی رہتی اور ہمیں ہر وقت اِنہیں کاٹنے کی فکر پڑی رہتی۔ کیا اِن بالوں نے خود فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم نہیں بڑھیں گے، جبکہ ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال بڑھتے رہیں گے؟۔ اسی طرح عورت کا چہرہ بھی گوشت سے بنا ہے، لیکن اُس کی ٹھوڑی اور مونچھوں پر بال نہیں۔ اگر یہ سب کچھ خود بخود ہی ہورہا تو مرد کی طرح عورت کے چہرے پر

بھی بال خود بخود اُگ آنے چاہئیں؟ اِس پر ضرور سوچیں۔! ایک اور نا قابلِ تردید دلیل: انسان چلنے پھرنے کے لیے چمڑے وغیرہ کے سخت جوتے استعمال کرتا ہے تا کہ پاؤں زخمی ہونے سے بچ سکیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جانور جن کے لیے جوتے پہننا ممکن نہ تھا، اُنکی ٹانگوں کے آخری سروں کا گوشت موزوں ترین سخت بے جان مادے کے کُھروں میں خود بخود کیسے تبدیل ہوگیا ہے؟ جیسے شیر، چیتا، بکری، گائے، بھینس، گھوڑا، گدھا وغیرہ کے کُھر۔ضرورت کے مطابق گوشت کے کُھروں میں تبدیل ہونے کا فیصلہ جانور کے پیٹ کے اندر کس نے کیا ہے؟ کیا اِس گوشت نے کیا ہے یا پیدا ہونے والے جانور نے کیا ہے؟ یا جانور کی ماں نے کیا ہے؟ جانور تو ابھی بیرونی ماحول سے آگاہ بھی نہیں کہ بیرونی ماحول میں اُسے کس چیز کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ اتنی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی انسان خالق سے غافل رہے یا اپنے پروردگار کا انکار کرے۔

(10)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (ہاتھ)

ہمارے وجود میں موجود اَن گنت خالق کی نشانیوں میں سے آج ہم اپنے ہاتھوں کے متعلق بات کریں گے۔ ہم آسان کاموں سے لے کر پیچیدہ ترین کام کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں کے مرہونِ منّت ہیں۔سوئی میں دھاگہ ڈالنا، اشیاء پکڑنا، لکھنا وغیرہ ان ہاتھوں کی بدولت ہی ہے۔ ہاتھ اور اُنگلیاں بڑی تیزی سے حرکت کرسکتی ہیں۔انگوٹھا سب انگلیوں پر پھرتا ہے اور بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ چاہیں تو ہم پانی پینے کے لئے ہاتھ سے چُلّو بنالیں یا دشمن سے بچاؤ کے لئے گھونسہ بنالیں۔ ہماری ضرورت کے مطابق اُنگلیاں چھوٹی بڑی بنائی گئی ہیں۔سائنس نے یہ بات بھی ثابت کردی ہے کہ اُنگلیوں کی تعداد اور ترتیب اَحسن ہے اور اس سے بہتر کوئی اور صورت ممکن نہیں۔ دنیا جہان کے عاقل مل کر بھی اِس سے بہتر صورت نہ بنا سکتے تھے۔اسی لئے ربوٹ بھی اسی طرز پر بنائے جاتے ہیں۔ اُنگلیوں کے آخری سِروں پر ناخن لگائے ہیں تا کہ چیزوں کو پکڑنے کے دوران مضبوطی فراہم ہو سکے اور خوبصورتی کا باعث بھی ہوں۔ گوشت کا ناخنوں میں تبدیل ہونا اور ان کا باہر نکلتے رہنا قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے۔ ہاتھوں کی اندرونی سطح کا گوشت مضبوط ہے تا کہ چیزوں کو پکڑنے یا اٹھانے سے ہاتھ زخمی نہ ہو اور چمکدار بھی ہے تا کہ خوبصورتی ہو۔ بیرونی جلد نے چونکہ بہت کم استعمال ہونا تھا اِس لئے اِسکا گوشت نرم ہے، اگر اندرونی جلد بھی بیرونی جلد کی طرح ہوتی تو اشیاء کو اُٹھانے یا پکڑنے سے ہاتھ زخمی ہو جاتے۔کیا یہ سب کچھ بغیر کسی کی پلاننگ اور ڈیزائن کئے خود بخود بن گیا ہے؟ کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟

(11)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (ہڈیاں اور پاؤں)

ہمارے وجود میں موجود اَن گنت خالق کی نشانیوں میں سے آج ہم اپنی ہڈیوں اور پاؤں کے متعلق بات کریں گے۔ہڈیوں کا ڈھانچہ: یہ قدرت کا بہت بڑا انعام ہے۔ان ہڈیوں کی بدولت ہی ہم بیٹھ سکتے ہیں، کھڑے ہوسکتے ہیں، چل پھر سکتے ہیں۔ اگر ہڈیاں نہ ہوتیں تو ہم بے بس ہوکر ہمیشہ لیٹے رہتے۔ضرورت کے مطابق جگہ

جگہ اِن میں جوڑ رکھے گئے ہیں جو بیئرنگ کی طرح کام کرتے ہیں اور اِنہیں رگڑ سے بچانے کیلئے اِن میں چکناہٹ یعنی لُبریکینٹ مہیّا کیا گیا ہے۔ جوڑوں کے درمیان مناسب فاصلہ برقرار رکھا گیا ہے۔ کسی خرابی کے باعث اگر یہ فاصلہ کم زیادہ ہوجائے تو شدید درد کے ساتھ زندگی رُکنا شروع ہوجاتی ہے۔ یہ ہڈیاں اور جوڑ اتنے مضبوط بنائے گئے ہیں کہ انسان ان کی بدولت بھاری بھرکم بوجھ اُٹھا سکتا ہے، جیسا کہ بعض لوگ اڑھائی مَن کی بوری بھی آسانی سے اُٹھا لیتے ہیں۔ ہمارے جسم میں خالق نے مختلف جسامت کی (۲۰۶) ہڈیاں بنائی ہیں جو مختلف افعال سرانجام دیتی ہیں جو کہ قدرت کی صنعت گری کی عظیم نشانی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہماری نمو کے دوران ہمارے جسم میں یہ ہڈیاں خود بخود بن گئی ہوں؟ پاؤں: ہمارا پاؤں قدرت کی تخلیق کا بہت بڑا شاہکار ہے۔ پاؤں کا پنجہ سخت بنایا گیا ہے تا کہ پورے جسم کے وزن کو برداشت کرسکے اور چلنے کے لئے موزوں ہو۔ ایڑھی میں قدرت کی دو نشانیاں ہیں ایک پیچھے کو بڑھے ہونا تا کہ انسان جب دو ٹانگوں پر کھڑا ہو یا چلے تو پیچھے گر نہ جائے اور دوسری نشانی اِسکا باقی پاؤں کی نسبت زیادہ سخت ہونا ہے، کیونکہ زیادہ وزن اسی پر پڑتا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمارا ایسا موزوں پاؤں نہ بناتے تو ہم چل نہ سکتے، اُٹھتے تو گر جاتے۔ پاؤں کے ساتھ ہی مضبوط جوڑ بنایا گیا ہے جسکی بدولت ہم چلنے کے قابل ہوئے۔ لیکن اگر چوپائیوں کی ایڑھی ہوتی تو انہیں چلنے میں دشواری ہوتی، اسلئے اُن کے پاؤں بغیر ایڑھی کے بنائے گئے ہیں۔ کیا مطلوبہ ضرورت کے تحت یہ سب کچھ خود بن گیا ہے؟

(12)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (آنکھیں)

ہمارے وجود میں موجود اَن گنت خالق کی نشانیوں میں سے آج ہم آنکھوں کے متعلق بات کریں گے۔ ہم اپنی آنکھوں کو روزانہ تقریباً ۱۲۰۰۰ دفعہ جھپکتے ہیں۔ آنکھوں کی تفصیل میں جانے کی بجائے اپنے آپ سے صرف یہی سوال کرلیں کہ کیا انسانی گوشت کے اندر اتنی پیچیدہ چیز جو عام گوشت سے بالکل مختلف ہو، جس میں شیشے کی طرح کا عدسہ ہو، جس کی پُتلیاں خود بخود کھلتی اور بند ہوتی ہوں، پتلیوں کی حرکت کے لئے خاص قسم کے مائع کا اخراج ہوتا ہو، تا کہ پتلیاں رگڑ سے بچ سکیں۔ کیا یہ سب بغیر کسی کے کئے خود بخود ہوسکتا ہے؟ مزید یہ کہ: اگر یہ مائع زیادہ مقدار میں خارج ہو تو آنکھ سے ہر وقت پانی بہتا رہے اور ہمیں ہر وقت اِسے صاف کرنا پڑے اور اگر ضرورت سے کم مقدار میں خارج ہو تو رگڑ سے آنکھ کی پتلیاں حرکت نہ کرسکیں اور آنکھ اَکڑ جائے۔ پھر آنکھوں کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اِنہیں محفوظ جگہ ہڈی کے گڑھوں میں رکھا گیا ہے تا کہ چوٹ کی صورت میں ضائع ہونے سے بچ سکیں۔ اگر یہ گڑھوں میں نہ رکھی جاتیں تو پیدائش کے بعد بہت جلد ہم آنکھوں سے محروم ہوجاتے۔ کیا اِن عوامل کو آپ خود کنٹرول کررہے ہیں؟ آنکھ کی پتلیوں کو اگر آپ کو خود حرکت دینا پڑے تو آپ کا کیا حال ہوجائے؟ اگر ہم ان چیزوں پر خود سے قادر نہیں تو یہ گمان کیسے کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود ہورہا ہے۔ عینک کے شیشوں پر تو ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ خود نہیں بنے، بلکہ کسی مشین میں بنے ہیں۔ لیکن اِن سے کئی گنا بہتر اور پیچیدہ آنکھ کے عدسوں کے بارے میں ہم دھوکہ کھاتے ہیں کہ یہ خود بخود ہی بن گئے ہیں؟ اگر ہمیں اللہ پر یقین ہوتا تو ہم اُس کی نعمتوں کی قدر کرتے اور لازماً اُسکی فرمانبرداری میں زندگی بسر کرتے۔!

(13)۔اعضائے بدن میں خالق کے کرشمے (سانس کا نظام)

ہمارے وجود میں موجود اَن گنت خالق کی نشانیوں میں سے آج ہم سانس کے نظام پر بات کریں گے۔سانس لینے کے نظام میں اللہ کی بہت بڑی اور واضح نشانیاں موجود ہیں۔ہم زندہ رہنے میں سب سے زیادہ محتاج سانس اور ہوا کے ہیں۔اِسی لئے سانس کیلئے منہ اور ناک کے ذریعے دوراستے بنائے گئے ہیں۔ناک کے اندر سخت ہڈی کے ذریعے دوغار بنادیئے گئے ہیں تاکہ سانس کا راستہ ہر وقت کھلا رہے۔'سانس کی نالی' قدرت کی ایسی واضح نشانی ہے جو شک کا مکمل خاتمہ کرتے ہوئے فوراً اہل بصیرت کو رب تک پہنچادیتی ہے۔چونکہ ہماری زندگی کے لئے آکسیجن کی مسلسل فراہمی انتہائی ناگزیر ہے،اس لئے یہ نالی اتنی سخت ہونی چاہیے تھی کہ کہیں اس کی دیواریں باہم مل کر ہوا کے راستے کو بند نہ کردیں۔اِس بنیادی ضرورت کے تحت اگر اِسے لوہے کی طرح سخت مادے سے بنایا جاتا تو ہماری گردن سیدھی اکڑی رہتی اور ہم اِسے دائیں بائیں،اوپر نیچے موڑ نہ سکتے۔اور اگر اِسے نرم بنایا جاتا تو گردن موڑتے ہوئے یہ نالی بند ہوجاتی اور ہم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔قربان جائیں خالق کی بہترین صنعت گری پر جس نے اِس نالی کو بہت مہارت سے اِس طرح ڈیزائن کیا کہ مذکورہ دونوں ضرورتیں پوری ہوسکیں۔ لچکدار کُرّی ہڈی کے قطعات کو گوشت سے جوڑا گیا ہے تاکہ گردن کی حرکت بھی آسانی سے ہوسکے اور مادہ ایسا استعمال کیا گیا ہے جو بند ہو بھی جائے تو لچک کی وجہ سے فوراً خود بخود کھل جائے۔محترم ساتھیو! اتنی واضح نشانی دیکھنے کے بعد بھی کیا پروردگار پر شک کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ کیا اِس سانس کی نالی کو بنانے میں انسان کا کوئی عمل دخل ہے؟ یہ سانس جو خود بخود آرہے ہیں،اگر ہمیں خود سانس لینا پڑجائے تو شاید ہم ایک دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں۔

(14)۔ہماری تخلیق پر قرآن سے یقینی دلیل

ہماری تخلیق کے متعلق قرآنِ حکیم میں بہت سے ناقابلِ تردید حقائق بیان ہوئے ہیں جیسے: **تین اندھیری پرتوں میں انسان کی تخلیق کرنا:** خالق انسان کو تین اندھیری پرتوں کے پیچھے بناتا ہے جس کی سائنس نے بھی تصدیق کردی ہے۔چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور کے مطابق قرآن پاک میں جن تین تاریک پردوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: نمبر۔۱:شِکمِ مادر کی اگلی دیوار، نمبر۔۲:رَحمِ مادر کی دیوار،اور نمبر۔۳: غِلافِ جنین اور اس کے گرد لپٹی ہوئی جھلی۔آج سے ۱۴۰۰ سال قبل خالق نے اس حقیقت کا اپنے برگزیدہ پیغمبر ﷺ سے یوں اعلان کروایا:

ترجمہ:"اور وہ (خالق) تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔یہ ہے وہ اللہ جو تمہارا پروردگار ہے،جس کے سوا کوئی معبود نہیں،پھر تم کدھر پھرائے جارہے ہو" (زُمر:آیت:6)

یہاں پروردگار نے اپنا تعارف کرایا ہے کہ اللہ وہ ہے جو تمہیں تین اندھیری پرتوں کے اندر بناتا ہے،تو پھر تم اِس حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کرتے اور خالق سے غافل کدھر بہک رہے ہو؟ سائنسی ترقی کے اعتبار سے اُس تاریک دور میں ایسی بڑی خبر کا سچائی کے ساتھ ۱۴۰۰ سال قبل ٹھیک ٹھیک بیان ہوجانا جسے سائنس نے حال ہی میں جدید آلات کی مدد سے دریافت کرپائی ہو،ممکن نہ تھا سوائے اِس کے کہ خالق خود کسی پر اِس خبر کو

ظاہر فرمادے۔

مذکورہ آیات سے درج ذیل تین ضروری نتائج نکلتے ہیں۔ نمبر۔۱: قرآن مجید ایک سچی کتاب ہے، نمبر۔۲: جس زبانِ اَقدس سے مذکورہ آیات کے الفاظ نکلے وہ اللہ کے سچے رسول ہیں اور نمبر۔۳: اللہ کی ذات کا وجود ثابت ہوگیا۔

غلط ثابت ہونے کی واحد صورت: مذکورہ تین نتائج غلط ثابت ہونے کی واحد صورت یہ ہے کہ یہ بات ثابت کردی جائے کہ قرآن مجید میں یہ باتیں کسی نے سائنسی حقائق کے آشکارا ہونے کے بعد یعنی جدید دور میں داخل کردی ہیں جو کہ ممکن نہیں۔ پس حقیقت کو تسلیم کرکے سچائی پر گامزن ہوجائیں۔

(15)۔ضرورت کے مطابق ماحول

یہ حقیقت سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ انسان نے پیدا ہوکر جس زمین پر آنکھ کھولنی تھی وہاں اُسکی تمام ضروریاتِ زندگی: پانی، ہوا، موافق موسم، رزق، کیا یہ اتفاقاً موجود ہوجانے تھے؟۔ انسان کو زندہ رہنے کے لیے آکسیجن کی ضرورت تھی، جبکہ پودوں کے لیے کاربن ڈائی آکسائیڈ ضروری تھی۔ پودے ٹنوں کے حساب سے آکسیجن بنا بنا کر فضا میں داخل کرتے جارہے ہیں اور انسان اور دیگر جانور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کر رہے ہیں تاکہ پودوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔ اِسی طرح تمام ضرورت کی چیزیں: لوہا، پیتل، تانبا، چاندی، سونا، لکڑی، پھل، اناج، پانی.... وغیرہ زمین پر مہیا کردی گئی ہیں۔ ایسے کام بغیر کسی ڈیزائنر کے اپنے آپ ہوسکتے ہیں؟ کیا سائنس کے لیے ان چیزوں کے خود بخود پیدا ہونے کی توجیہ بیان کرنا ممکن ہے؟

ماحول کے مطابق صلاحیتیں: جس جاندار نے جس ماحول میں اپنی زندگی گزارنی تھی اُسکا جسم اور دیگر صلاحتیں اُسی کے موافق عطا فرمائیں۔ مچھلی نے پانی میں رہنا تھا اُسے ایسا گوشت دیا جو پانی میں گل سڑ نہ سکے۔ پانی میں سانس لینے کا نظام دیا۔ پیٹ میں خالی جگہ رکھی، جسم میں کثافت کے تناسب کو موزوں بنایا تاکہ مچھلی پانی میں ڈوب نہ جائے۔ اِسکے برعکس خشکی پر رہنے والے انسان کو ایسا گوشت دیا جو خشکی پر قائم رہ سکے، ہمارے گوشت کو اگر پانی میں ڈال دیا جائے تو ایک دن بعد گل سڑ جائے، جبکہ مچھلی کا گوشت خشکی پر اَکڑ جائے۔ برفانی علاقوں میں رہنے والے جانوروں کو سردی سے بچاؤ کے لیے موافق موٹی تہہ والے لمبے بال اور موزوں جلد دی۔ اِسی طرح جس جانور کی جو خوراک تھی اُسے اُسکے موافق خوراک کھانے اور ہضم کرنے کا نظام دیا۔ مچھلی کے باریک دانت اُسکی خوراک کے موافق، ہاتھی، شیر چیتا، گائے، بکری کے دانت اُن کے موافق۔ پرندوں کی چونچیں ان کی ضرورت کے تحت بنائیں۔ انسان نے سب کچھ کھانا تھا اِسکے دانت اِسکے موافق بنائے۔ اگر جانوروں کے منہ ہی مطلوبہ خوراک کے لیے موزوں نہ بنائے جاتے تو چند ایام میں سب جانوروں کی زندگی کا خاتمہ ہوجاتا۔ حیرت ہے اِس بات پر کہ ہم اِن جدید نظاموں کو تو مانیں، لیکن ان نظاموں کے بنانے والے سے غافل رہیں۔

(16)۔ پودے خالق کی بہت بڑی نشانی

پودے اِس وسیع وعریض کائنات میں موجود خالق کی اَن گنت نشانیوں میں سے بہت بڑی اور واضح نشانی ہیں جسے پروردگار نے کئی جگہ بطور دلیل بیان کیا ہے۔ جیسے ایک جگہ یوں غور وفکر کی دعوت دی، فرمایا:
ترجمہ: ''اِسی (بارش کے پانی) سے وہ تمھارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگو اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بے شک اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں'' (نحل: آیت:11)۔ چونکہ اللہ تعالی نے پودوں کو اپنی نشانی قرار دیا ہے اور غور وفکر کی دعوت دی ہے، اس لیے پودے کوئی معمولی چیز نہیں جیسے کہ عام طور پر ہم سمجھتے ہیں۔ آیئے اِسکے چند پہلوؤں پر غور وفکر کریں۔

مثال: پودوں میں غور وفکر سے خالق تک پہنچنے کے لیے پہلے ایک بنیادی قانون وقاعدے کو ایک عام فہم مثال سے سمجھ لیں۔ جیسا کہ چیزوں کے ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہونے کی کئی مثالیں آپ نے دیکھی ہوں گی۔ جیسے گنّا بیلنے میں ڈالنے سے اِسکا رس حاصل ہوتا ہے، گنّے کا رس مشینوں سے گزرنے کے بعد چینی میں تبدیل ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یعنی مشین میں کوئی چیز داخل کی گئی جیسے گنّے کا رس، مشین نے اِس پر کوئی عمل کیا اور اِس نے اُسے حاصل یعنی آؤٹ پُٹ میں تبدیل کر دیا جیسے چینی وغیرہ۔ اِس اصول کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب ہم درختوں کے متعلق غور کرتے ہیں۔ پودے پیدا ہونے کے عمل میں: **داخل یعنی اِن پُٹ:** سیاہ مٹی، پانی، ہوا روشنی اور کھاد وغیرہ ہیں۔ جبکہ **حاصل یعنی آؤٹ پُٹ:** پودے یعنی (لکڑی، پتے، پھل، پھول، بیج) وغیرہ ہیں۔ حقیقت کو پانے کیلیئے اب مذکورہ داخل یعنی اِن پُٹ سے ملنے والی حاصل یعنی آؤٹ پُٹ پر غور کرتے ہیں۔ اِسکے لئے اگلے لیکچر کا انتظار کریں۔

(17)۔ پودوں پر غور وفکر (حصہ اوّل)

پچھلے لیکچر کے تسلسل میں آج ہم پودوں کے حوالے سے اِن پُٹ یعنی: مٹی، پانی، ہوا روشنی اور کھاد وغیرہ سے حاصل ہونے والی آؤٹ پُٹ یعنی پودے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔ **نمبر۔1:** پودوں کی لکڑی پر غور کریں۔ بعض دیوہیکل پودوں میں ٹنّوں کے حساب سے لکڑی ہوتی ہے، میٹروں میں تنے کا قطر ہوتا ہے۔ لکڑی کا یہ مادہ نہ تو زمین میں موجود تھا، نہ فضا میں، نہ ہی زمین کی مٹی لکڑی میں تبدیل ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر پودے مٹی کھاتے تو زمین کب کی ختم ہو چکی ہوتی تو پھر یہ لکڑی کہاں سے آ گئی؟ **نمبر۔2:** پتوں کی ساخت ان کا سرسبز وشاداب مادہ، پتوں کا رنگ، پتوں کے کثیر تعداد میں مختلف ڈیزائن اور پھر ایک پودے کے تمام پتوں کا ایک جیسا نکلنا، پھر پتوں کا مادہ ایسا ہے کہ وقت کے ساتھ گل سڑ کر زمین کا حصہ بن جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور پتے اپنا وجود برقرار رکھتے تو پوری دنیا اب تک پتوں میں ڈوب چکی ہوتی۔ یہ سارے کام کیا بغیر کسی کے ڈیزائن کیے ہوئے خود بخود ہو گئے ہیں؟ **نمبر۔3:** مٹی سے پیدا ہونے والے پھولوں پر غور کریں۔ ان کے خوبصورت طرح طرح کے رنگ جیسے سفید، سرخ، نیلا، پیلا، گلابی، آسمانی، زرد پھر ایک ایک پتی میں

کئی کئی رنگوں کے ڈیزائن، پھولوں میں حیرت انگیز طریقے سے پتیوں کا جڑاؤ، پھر پھولوں کی خوشبو، یہ کہاں سے آئی ہیں، کیا یہ خود بخود بنتی جا رہی ہیں۔ نمبر۔۴: درخت کی ٹہنیوں پر برابر فاصلوں پر نئی شاخوں اور نئے پتوں کا نکلنا جیسے کسی نے پیمانے سے ماپ کر انہیں نکالا ہو۔ کیا یہ کافی ثبوت نہیں کہ انہیں کسی نے ڈیزائن کیا ہے؟ نمبر۔۵: ہر درخت کے پتوں، پھلوں اور ٹہنیوں کا اپنے اپنے ڈیزائن کے مطابق مخصوص سائز تک پرورش پا کر رک جانا کیا اس بات کا واضح ثبوت نہیں کہ انہیں کسی نے پوری طرح آگاہ کیا ہوا ہے ورنہ پتوں اور پھلوں کا سائز بڑھتا ہی جاتا۔ اگلا سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے جس کی بات پودے بھی سمجھتے ہیں؟ کیا ہم نے انہیں بتلایا ہے؟۔

(17)۔ پودوں پر غور وفکر (حصہ دوم)

پچھلے لیکچر کے تسلسل میں پودوں میں موجود خالق کی عظیم حکمتوں اور نشانیوں پر مزید رہنمائی ملاحظہ فرمائیں:
نمبر۔۶: پھلوں کی شکل وصورت پر غور کریں۔ ضرورت کے تحت پھلوں کے باہر غلاف (یعنی چھلکا) چڑھایا گیا ہے، جیسے سنگترے کا چھلکا اُسکی ضرورت کے مطابق، تربوز کا اُسکے حساب سے، اِسی طرح کیلے، سیب، ناشپاتی، اخروٹ، بادام، چاول، گندم اور دالوں وغیرہ کا۔ پھر پھلوں کے مادے پر غور کریں کہ آخر کون سی چیز پھل میں تبدیل ہوگئی ہے؟ پھلوں کے ذائقے دیکھیں اور اِنکی خوشبو پر غور کریں۔ پھر ایک ہی زمین سے کڑوی مرچیں نکل رہی ہیں اور اُسی جگہ سے میٹھا آم۔ کیا یہ سب خالق کی قدرت کی عظیم نشانیاں نہیں؟
نمبر۔۷: پودوں پر لگنے والے پھل جیسے: گندم، چاول، دالیں، سبزیاں، فروٹ وغیرہ کیا اتفاقی طور پر ہمارے جسم کے موافق پیدا ہوگئے ہیں؟ نمبر۔۸: پتوں اور پھلوں کے وزن کے مطابق شاخوں اور ٹہنیوں کو مضبوطی دی گئی ہے، شروع میں ٹہنی موٹی ہوتی ہے اور آگے جاتے ہوئے باریک ہوتی جاتی ہے تاکہ اپنا اور پتوں کا وزن سہار سکے۔ کیا درخت سے نکلنے والا مادہ خود بخود اِس شکل میں تبدیل ہوتا جاتا ہے؟ کیا طرح طرح کے پھلوں کو کھاتے ہوئے ہم نے کبھی سوچا کہ یہ ہمارے لئے کس نے بنائے ہیں؟ اور انہیں کھاتے ہوئے کبھی اُس کا شکر ادا کیا؟ نمبر۔۹: پتوں میں موسمی حالات کو برداشت کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ڈیزائنر نے اس بات کا خصوصی خیال رکھا ہے کہ بارش کا پانی اِن پر جمع ہونے کی بجائے زمین پر گرتا جائے۔ بالخصوص بڑی جسامت کے پتوں پر اگر پانی ٹھہرتا تو ایک ہی بارش درختوں کو پتوں سے فارغ کر دیتی۔ اِسی طرح ان کی ساخت ہوا کے بہاؤ کو برداشت کرنے کے موافق بنائی گئی ہے۔ صحرائی علاقے میں موجود پودوں کے پتے اور پھل وغیرہ اُس شدید موسم کے موافق ہوتے ہیں تاکہ پانی کی قلت کو برداشت کر سکیں۔ اِن پتوں نے درخت کی لکڑی سے نکل کر جس ماحول میں آنکھ کھولنی تھی اُسکے موافق حیرت انگیز طور پر مطلوبہ صلاحیتیں اِن میں کیا خود بخود پیدا ہو جاتی تھیں؟ کیا ایسے یقینی حقائق دیکھ کر بھی ہم اپنے خالق کو نہیں پہچانیں گے؟

(17)۔ پودوں پر غور وفکر (حصہ سوم)

لازمی نتیجہ: پچھلے لیکچرز میں واضح کی گئی خالق کی عظیم حکمتوں اور نشانیوں پر غور وفکر سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ پودے خود بخود نہیں بنے، بلکہ یقیناً اِن کو کسی نے ڈیزائن کیا ہے۔ کسی فیکٹری سے خاص ڈیزائن کی چیزوں کا بن بن کر باہر نکلتے آنے کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ چیزیں خود بخود بنتی جا رہی ہیں۔ سائنس نے یہ بات بھی دریافت کر دی ہے کہ بیج میں اتنا ڈیٹا ہوتا ہے کہ جس سے لاکھوں صفحات بھر جائیں۔ بیج میں پودے کا سائز، اونچائی، موٹائی، پتوں کی تعداد، درخت پر اِن کی جگہ، رنگ، شاخوں کی تفصیلات، خوشبو، پھلوں کی تفصیلات سمیت بیش بہا معلومات سموئی ہوتی ہیں۔ کیا یہ ساری تفصیلات خود بخود بیج میں لکھی گئی ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ گنّے کا رس خود بخود چینی میں تبدیل ہو گیا ہے تو یہ آسان سی بات تو ہم تسلیم نہ کریں، لیکن پودوں میں موجود اَن گنت واضح نشانیوں پر توجہ نہ دیں۔ اگر ہمارا خیال ہے کہ یہ سب خود بخود ہو رہا ہے تو ہم دعوت دیتے ہیں پوری دنیا کو کہ ایک گندم یا کوئی اور بیج بنائیں جو اُگ سکے، اگر ایسا نہ کر سکیں تو پھر اُس خالق پر ایمان لے آئیں جس نے طرح طرح کے بیش بہا پھل ہمارے لیے پیدا فرمائے ہیں۔ اپنی اِس عظیم نعمت اور نشانی کا تذکرہ پروردگار نے یوں کیا:

ترجمہ: ’’اور وہی ہے (اللہ) جس نے برسایا آسمان سے پانی، پھر اُگائے اِسکے ذریعے سے ہم نے نباتات ہر قسم کے، پھر پیدا کیے ہم نے اِس سے سرسبز کھیت، نکالتے ہیں ہم اِس میں سے دانے تہ بہ تہ اور کھجور کے درخت میں سے اِس کے خوشوں کے گچھے نیچے جھکے ہوئے اور باغات انگور کے اور زیتون کے اور انار کے، ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور خصوصیات میں جدا جدا۔ غور سے دیکھو! اِسکے پھل کو جب وہ پھل لائے اور اِسکے پکنے کی کیفیت کو۔ بے شک ان چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھنے والے ہیں‘‘۔ (سورہ انعام: آیت: 99)

مذکورہ آیت کریمہ میں خالق نے عقل والوں کے لیے بہت کچھ بیان کر دیا ہے مگر کوئی غور کرے تو بات بنے!

(18)۔ اپنے کھانے پر غور کریں

پودوں اور فصلوں پر بنیادی آگاہی کے بعد اب ہم خالق کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے کھانے پینے پر غور وفکر کرتے ہیں، جیسا کہ پروردگار نے ارشاد فرمایا: ترجمہ: ’’پھر ذرا دیکھے انسان اپنے کھانے کو۔ بے شک ہم نے ہی برسایا پانی فراوانی سے۔ پھر پھاڑا ہم نے زمین کو عجیب طریقہ سے۔ پھر اُگائے ہم نے اِس میں غلّے، اور انگور اور ترکاریاں، زیتون اور کھجوریں اور باغات گھنے۔ اور پھل اور چارے۔ (یہ سب ہے) سامانِ حیات تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کیلئے۔‘‘ (سورہ عبس: آیات: 24-31)۔ یہاں پروردگار نے انسانیت کو اُنکے طعام میں پائی جانے والی اَن گنت قدرت کی عظیم نشانیوں پر غور وفکر کی دعوت دی ہے کہ: وہ کھانا جسکے بغیر ہمارا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ صبح و شام جسے ہم اور ہمارے چوپائے روزانہ مزہ لے لے کر کھاتے ہیں۔ جسے ہم عام سی چیز سمجھتے ہیں۔ اِسے کھاتے ہوئے کبھی ہم نے اِس کھانے کو تخلیق کرنے والے کے بارے میں سوچا؟ کبھی ہم

نے سوچا کہ یہ ہم کیا کھا رہے ہیں؟ یہ کتنی بڑی اللہ کی نشانی ہے؟ آخر کس طرح زمین کی مٹی طرح طرح کے اَن گنت اجناس، غلّے، پھل، میوہ جات، سبزیاں اور چارے میں تبدیل ہوگئی ہے؟ سیب، کیلا، آم، آڑو، خوبانی، انگور، خربوزہ، تربوز، انار... چاول، گندم، مکئی، جوار، دالیں... کیسے کیسے خوبصورت ڈیزائن، دلکش رنگ، خوشبو اور تسکین بخش ذائقے۔ اُسی مٹی سے میٹھے آم اور اُسی سے کڑوی مرچیں۔ کیا یہ سب کچھ کسی کے بنائے بغیر خود بخود ہی بنتا جا رہا ہے؟ حالانکہ یہ اتنا مشکل کام ہے کہ سارے جنّ و اِنس مل کر بھی گندم چاول وغیرہ کا ایک دانہ نہیں بنا سکتے جو اُگ کر نئے پودے کو جنم دے سکے۔ کیا ہم دھوکے کا شکار اِس وجہ سے ہو جاتے ہیں کہ اِنہیں بنانے والا ہمیں نظر نہیں آتا؟ لہٰذا آنکھیں کھولیں، کفرانِ نعمت نہ کریں اور کھانے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اِسے پیدا کرنے والے خالق کے بھی شکر گزار رہیں۔

(19)۔ دودھ میں درسِ عبرت

دودھ میں غور و فکر سے قبل پہلے ذرا دودھ دینے والے جانوروں سمیت دیگر تمام مخلوقات پر غور کریں کہ اِن کو کس نے بنایا ہے؟ اسکے بارے میں ذرا خالق کا ارشاد مبارک ملاحظہ کر کے اپنے ایمان و یقین کو تر و تازہ کر لیں، ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں (یعنی دستِ قدرت) سے بنائی ہوئی مخلوق میں سے چوپائے بنائے تو وہ لوگ اِن کے وہ مالک ہیں۔'' (یاسین: آیت: 71)

اب ہم دودھ میں اپنے خالق کی نشانیوں پر غور کرتے ہیں۔ دودھ کی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے اِسے نشانی کی بجائے لوگوں کے لیے ''عبرت'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دودھ کا پیدا ہونا نہایت ہی غیر معمولی کام ہے۔ اور یہ خالق کی خالقیت کی بہت بڑی دلیل ہے جس پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں ایک عبرت ہے (غور کرو) ہم پلاتے ہیں تمہیں جو اِن کے شِکموں میں گوبر اور خون ہے اِن کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لیے''۔ (سورہ نحل: آیت: 66)۔ قابلِ غور! اِس آیت کریمہ کو سمجھنے کے لیے پیچھے پودوں کے ضمن میں بیان کردہ مثال ذہن میں رکھیں کہ: دودھ ایک حاصل یعنی آؤٹ پُٹ ہے۔ بھینس ایک مشین ہے اور سبز چارہ، دیگر خوراک اور پانی وغیرہ اِن پُٹ ہے۔ اب غور کریں کہ: نمبر۔ا: کیا گھاس پھوس اور پانی سے مطلوبہ دودھ تیار کیا جا سکتا ہے؟ نمبر۔۲: بھینس کے جسم میں جانے والی اِن پُٹ یعنی چارہ، خون، گوشت، گوبر اور پانی وغیرہ دودھ میں کیسے تبدیل ہو سکتا ہے؟ نمبر۔۳: خون اور گوشت میں آخر وہ کون سے نایاب فلٹرز ہیں جو دودھ کو اِسطرح علیحدہ کرتے ہیں کہ دودھ میں خون، گوشت، گوبر وغیرہ کی ذرہ بھر آلائشیں بھی باقی نہیں رہتیں۔ نمبر۔۴: کیا سرخ خون، گوشت اور سیاہ گوبر سے حاصل ہونے والا خوش ذائقہ اور مکمل سفید دودھ زبانِ حال سے اپنے خالق کے ہونے کا پتہ نہیں دے رہا؟ آئیں اللہ کی اِس عظیم نعمت اور نشانی کو شب و روز استعمال کرتے ہوئے کبھی اُسکو بھی یاد کر لیں جس نے ہمارے فائدے کی خاطر جانوروں کے جسموں میں دودھ پیدا کیا۔!

(20)۔انڈہ خالق کی واضح نشانی

انڈہ اُن چند نشانیوں میں سے ایک ہے جو خالق کی بہت کھلی نشانیاں ہیں۔ وہ انڈے جنہیں ہم شب وروز کھاتے ہیں اور معمولی چیز سمجھتے ہیں غور وفکر کریں کہ: کس طرح مرغی کے پیٹ میں موجود خون اور گوشت انڈے میں تبدیل ہوگیا ہے؟ انڈے پر سخت بیرونی خول، اِسکا ڈیزائن، اِسکی ایک جیسی موٹائی جسے شاید مذکورہ صورت میں جدید مشینوں سے بھی بنانا ممکن نہیں۔ کیونکہ بیرونی خول اگر بن بھی گیا تو بغیر جوڑ لگائے اندر سے کیسے خالی کریں گے؟ پھر بیرونی خول کے سفید رنگ، اِسکے مادے اور خول کے اندر انتہائی باریک اور مضبوط جھلی پر غور کریں کہ وہ بند خول کے اندر کیسے بن گئی ہے؟ یہ کام تو یقیناً ساری مخلوقات مل کر بھی نہیں کرسکتیں۔ پھر انڈے کے اندر جو کچھ بنا دیا گیا ہے وہ کہاں سے آیا ہے؟ اِسکی تفصیلات بیان کی جائیں تو کتابیں بھر جائیں۔

انڈے سے چوزے کا پیدا ہونا: چلیں انڈے کو تو ہم ایک معمولی سی چیز سمجھتے ہیں، لیکن انڈے سے چوزے کا بن جانا تو کوئی معمولی کام نہیں۔ غور کریں کہ انڈے میں موجود مادہ جسے ہم کھاتے ہیں کچھ دن مرغی کے نیچے رہنے پر ایک مکمل چوزے میں تبدیل ہوگیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ: کیا چوزے کی چونچ انڈے کے پانی میں موجود تھی؟ کیا انڈے کے مادے نے خود بخود چونچ کی صورت اختیار کرلی ہے؟ چوزے کی انتہائی پیچیدہ آنکھیں جن میں بصارت کی صلاحیت ہے، آنکھوں کا عدسہ اور آنکھوں کے دیگر نظام کیا اِس پانی میں موجود تھے؟ چوزے کی ناک، کان، دل، دماغ، معدہ جگر، آنتیں اور دیگر انتہائی جدید اور پیچیدہ نظام انڈے کے پانی میں موجود تھے؟ یہ کیسے خود بخود بن گئے؟ کیا ہم اِس پانی سے یہ اعضاء بنا سکتے ہیں؟ چوزے کے گوشت پر خوبصورت رنگ برنگے روئی کی طرح نرم نرم بال کہاں سے آئے ہیں؟ پھر یہ چوزہ کوئی بے جان ماڈل نہیں بلکہ! یہ دیکھتا ہے، سنتا ہے، محسوس کرتا ہے، چلتا ہے، سونگھتا ہے اور اس میں اپنی نسل کو آگے بڑھانے کی صلاحیت موجود ہے۔ کیا تمام جن وانس مل کر یہ کام کرسکتے ہیں؟ جس کام کے کرنے پر تمام جن وانس بے بس ہو جائیں اُسکے متعلق تفکر نہ کرنا اور یہ گمان کرلینا کہ قدرتی نظام کے تحت خود بخود ہو رہا ہے کتنی بڑی ناانصافی کی بات ہے۔!

(21)۔خدا کا بنایا ہوا (Made By God)

خالق کے وجود کے ناقابلِ تردید اور حیرت انگیز دلائل پر مبنی گفتگو کا الحمدللہ آج ''اکیسواں'' لیکچر ہے۔سابقہ بیس(۲۰) لیکچرز میں آپ پر عین الیقین کی حد تک یہ حقیقت واضح ہو چکی ہو گی کہ کائنات اور اِس میں موجود تمام اشیاء خود بخود نہیں بنیں، بلکہ یہ خدا کی بنائی ہوئی ہیں یعنی:(Made By God)۔

آپ کسی بھی چیز پر غور کر کے دیکھ لیں ہر چیز اپنے پورے وجود کے ساتھ اپنے خالق کی واضح نشانی کا اعلان کر رہی ہے۔پودوں کو دیکھیں: نازک پھول،تراشہ ہوا پھل، ریاضیاتی کاریگری کے ساتھ بنی ہوئی پتیاں،ٹہنیاں۔پتوں اور پھلوں کے وزن کے مطابق شاخوں اور ٹہنیوں کو دی گئی مضبوطی۔ضرورت کے تحت پھلوں کے باہر غلاف(یعنی چھلکا)،پھلوں کے ذائقے اور اِنکی خوشبو۔پھر جس جاندار نے جس ماحول میں اپنی زندگی گزارنی تھی اُسکا جسم،اُسکے اعضا اور دیگر صلاحتیں اُسی کے موافق۔مچھلی کا بدن پانی کے موافق، خشکی پر رہنے والے جانداروں کا خشکی کی مناسبت سے، برفانی علاقوں میں رہنے والے جانوروں کو سردی سے بچاؤ کے لیے موافق موٹی تہہ والا لباس۔اسی طرح جس جانور کی جو خوراک تھی اُسے اُسکے موافق خوراک کھانے اور ہضم کرنے کا نظام....یوں تمام چیزیں زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ وہ اپنے آپ نہیں بن گئیں، بلکہ کسی بنانے والے نے اُنہیں بنایا ہے۔غور کریں تو کائنات کی ہر چیز معجزہ ہے۔ہر چیز اپنے خالق کی صنعت گری کا ایک نمونہ ہے۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز بھی اِس کائنات میں موجود ہے اُس پر یہ لکھ دیا گیا ہے: ''خدا کی بنائی ہوئی''(Made By God)۔گویا خالق نے چیزوں پر یہ لکھا اور اُسکے بعد قوانینِ طبیعہ (Physical Laws of Nature) کے سپرد کر کے اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چھپا لیا۔ تاکہ لوگ مخلوق کو دیکھ کر خالق کو پہچانیں اور اِس غیب کے پردے کے باوجود اِس دنیا میں خالق کو پا کر اپنے امتحان میں سرخرو ہو جائیں۔ایک شخص جو مشینوں کا ماہر ہو وہ مشین کو دیکھ کر یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ مشین چین کی بنی ہوئی ہے یا جاپان کی۔امریکہ کی بنی ہوئی ہے یا فرانس کی!یہی کائنات کی تمام چیزوں کا حال ہے۔ہم ایک ایسی دنیا میں ہیں جہاں بے شمار انتہائی پیچیدہ ساخت پر مشتمل قدرتی مشینیں موجود ہیں جو اپنا مطلوبہ کام (Intended Function) مسلسل کام کر رہی ہیں۔اِن مشینوں پر بظاہر اُنکی ساخت کا ٹھپہ نہیں لگا ہوا ہے،مگر اپنی غیر معمولی ساخت اور اپنے غیر معمولی کام کی وجہ سے زبانِ حال سے وہ اپنی ساخت کا آپ اعلان کر رہی ہیں کہ:''وہ خدا کی بنائی ہوئی ہیں''(Made By God)! گویا کائنات کی ہر چیز معجزہ ہے۔!

(3)۔خالق سے تعلق کے مراحل

(1)۔اللہ سے تعلق کے مراحل.......................................82
(2)۔اللہ سے تعلق کے مراحل (اِخلاص).................................82
(3)۔اللہ سے تعلق کے مراحل (کاوش وقربانی)...........................83
(4)۔اللہ سے تعلق کے مراحل (اِنفاق)..................................83
(5)۔راہِ خدا کے سفر کا نتیجہ..84

(1)۔ اللہ سے تعلق کے مراحل

اللہ سے تعلق ودستی اور اُسکے قُرب کے درج ذیل پانچ بنیادی مراحل ہیں جو یقینی نتیجے کا باعث ہیں: نمبر۔۱: اخلاص، نمبر۔۲: پختہ فیصلہ کرنا، نمبر۔۳: کاوش وقربانی: دین سیکھنے، گناہوں سے بچنے، نیکیوں کے حصول کی کوشش کرنا اور جان، مال، وقت اور صلاحیتوں کو اللہ کیلئے خرچ کرنا، نمبر۔۴: اوامر ونواہی: یعنی اللہ کی حدود کو ملحوظ رکھنا، اور نمبر۔۵: دعا کا دامن تھامے رکھنا۔

یادرکھیں! جب تک اللہ کیلئے مال خرچ نہ کریں گے بات نہ بن پائے گی۔ یہی پیارے رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی راہ ہے۔ یہ پانچ کام کرنے کے بعد دودھ کو جاگ لگ جائے گی اور دہی بننے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ اگر شرائط پوری ہوگئیں تو اب دودھ دہی میں تبدیل ہونے سے نہیں رُکے گا۔ اب اللہ آپ کا ہاتھ پکڑ لے گا۔ شرک سمیت دیگر گناہوں سے نفرت اور نیکیوں کی طرف رغبت پیدا ہو جائے گی۔ امتحان وآزمائش بھی ہوتی رہے گی اور ساتھ ساتھ اطمینان ورحمت کی قلبی بہاریں بھی نصیب ہوتی رہیں گی۔ لہٰذا آگے بڑھیں، اس عظیم ترین سعادت کو پانے میں دیر نہ کریں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''تلاش رب''۔

(2)۔ اللہ سے تعلق کے مراحل (اِخلاص)

معاملہ اللہ سے تعلق کا ہو یا کسی بھی اور خیر کے حصول کا۔ اِسکے لئے پہلی بنیادی شرط ''اِخلاص'' ہے۔ اگر اِخلاص نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ سب کوششیں بیکار اور بے نتیجہ ہیں۔ اخلاص کا مطلب ہے کہ کاوش کا مقصد: ''اللہ کو پانے، اُسے راضی کرنے یا اُخروی فلاح کے سوا کچھ اور نہ ہو۔'' یادرکھیں! باطن کی صفائی کے بغیر اللہ نہیں مل سکتا۔ جب تک اندر اور باہر سے ایک نہ ہوں گے، خلوت اور جلوت ایک نہ ہوگی بات نہ بن سکے گی۔ اسلئے سب سے پہلے اخلاص کو ختم کرنے والی قباحتوں سے نجات پائی جائے۔ یعنی اللہ کی رضا کی بجائے: نمبر:۱۔ مقام ومرتبہ اور عزت وشہرت پیش نظر ہونا، نمبر:۲۔ دولت اور دیگر دنیاوی مفادات پر نظر ہونا، اور نمبر:۳۔ اسلام کی فکر کی بجائے اپنے اپنے فرقے، گروہ اور مسالک کی فکر اور رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کی بجائے دیگر شخصیات کی بلا دلیل اندھا دھند پیروی کا بھوت سوار ہونا۔

ان رکاوٹوں سے نجات پانا کوئی آسان کام نہیں بلکہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ یادرکھیں! اہل اخلاص کو اللہ کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اگر یہ رکاوٹیں واقعتاً دور ہوگئیں تو ان شاء اللہ منزل ہر صورت مل کر رہے گی۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''تلاش رب''۔

(3)۔اللہ سے تعلق کے مراحل (کاوش وقربانی)

معاملہ اللہ سے تعلق کا ہو یا کسی بھی اور خیر کے حصول کا، باطن کی صفائی یعنی اخلاص کی موجودگی میں پختہ فیصلہ کرنے کے بعد اگلا اہم ہدف ''کاوش وقربانی'' ہے۔یعنی جان، مال، وقت اور صلاحیتوں کو اللہ کیلئے خرچ کرنا۔

اللہ سے تعلق کیلئے اللہ کو زندگی کی ترجیحِ اوّل بنا کر سبقت کی راہ اختیار کرنا ناگزیر ہے۔اگر کسی نے ایم بی بی ایس کی ڈگری کرنے کا فیصلہ کیا ہو تو پھر وہ چادر اوڑھ کر سو تو نہیں جائے گا! بلکہ مقصود کو پانے کیلئے ہر ممکن اقدامات کیلئے اٹھ کھڑا ہوگا۔مقصود کو پانے کیلئے کاوش وقربانی کے اہداف یہ ہیں:

نمبر:۱۔دین سیکھنے بالخصوص فہم قرآن کیلئے، نمبر:۲۔حدود کی پاسداری: نیکیاں کمانے اور برائیوں سے اجتناب کیلئے، نمبر:۳۔دین کی دعوت واصلاح کیلئے، نمبر:۴۔مخلوقِ خدا کی خدمت و ہمدردی کیلئے، اور نمبر:۵۔جان، مال، وقت اور صلاحیتوں کو اللہ کیلئے خرچ کرنے کیلئے۔

یادرکھیں! پہلا قدم آپ نے ہی اُٹھانا ہے۔اگر سچائی اور تڑپ موجود ہوئی تو لازماً ہاتھ پکڑ کر منزل تک پہنچا دیا جائے گا۔اسلئے اُٹھیں، فیصلہ کریں اور سفر کا آغاز کردیں۔ان شاء اللہ منزل ضرور ملے گی۔تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''تلاش رب''۔

(4)۔اللہ سے تعلق کے مراحل (اِنفاق)

معاملہ اللہ سے تعلق کا ہو یا کسی بھی اور خیر کے حصول کا۔اِنفاق یعنی: جان، مال، وقت اور صلاحیتوں کو اللہ کیلئے خرچ کئے بغیر بات بننے والی نہیں۔جب تک مال سمیت دیگر محبوب چیزیں اللہ کیلئے خرچ کرنا شروع نہ کریں گے حقیقی ایمان نصیب نہ ہو سکے گا۔نِفاق سے جان نہ چُھٹ پائے گی اور عمل کی طرف رغبت پیدا نہ ہو سکے گی۔اِسلئے اگر اللہ سے کچھ لینا ہے تو اِنفاق کو زندگی میں شامل کرنے کا پختہ فیصلہ کرلیں۔

خرچ کی دو مدیں ہیں: نمبر:۱۔اقامتِ دین کیلئے: یعنی مسجد کے اخراجات، قرآن کی خدمت بالخصوص قرآن فہمی، سنت کے احیاء اور دعوت دین کیلئے۔نمبر:۲۔انسانی ہمدردی کیلئے: مستحق رشتے دار، پڑوسی، اہل محلّہ، دوست احباب، پھر دیگر لوگ۔بالخصوص غربا کو کھانا کھلانے کا اہتمام کیا جائے۔

خرچ کرنے کا نسخہ: خرچ کرنے کا نسخہ یہ ہے کہ تنخواہ یا مال ملتے ہی سب سے پہلے فوراً اِس میں سے حسبِ توفیق اللہ کا حصہ یعنی: دین کی اشاعت کیلئے اور انسانی ہمدردی کیلئے الگ الگ الفافوں میں ڈال دیا جائے۔

یادرکھیں! ہماری زندگی اور مال سمیت کائنات میں جو کچھ بھی ہے یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔تو پھر اُسی کے دیئے ہوئے میں سے اُسکی راہ میں دینے سے بخل کیوں؟ مزید یہ کہ: مال سمیت دیگر سب چیزیں یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ ہم نے قبر میں اتر جانا ہے اور یہ وقت بہت جلد آنے والا ہے۔اسلئے فوراً جاگ جائیں اور بڑی خیر کیلئے حسبِ توفیق اِنفاق کو زندگی میں لازماً شامل کرلیں۔

(5)۔ راہِ خدا کے سفر کا نتیجہ

مذکورہ اہداف پورا کرنے پر اب اللہ کی خصوصی توجہ آپ کی طرف ہو جائے گی۔ ابتدا میں تو پٹڑی پر گامزن کرنے کیلئے کشش پیدا کی جائے گی۔ رافت و رحمت اور قلبی سکون و اطمینان کی بہاریں نصیب ہوں گی۔ لیکن پھر امتحان کا مرحلہ بھی شروع ہو جائے گا جو بندے کے ظرف کے لحاظ سے ہوگا۔ کھوٹے اور کھرے کی پہچان کیلئے مختلف طریقوں (جان، مال، اشیاء میں کمی) سے ٹسٹ کیا جائے گا۔ یہ اِس راہ کا بہت مشکل مرحلہ ہے۔ گھبرانا نہیں بس یہ انسان کی ہمت کا امتحان ہے، جو اللہ کی مدد سے پاس بھی ہو جائے گا۔

امتحان پر ثابت قدمی کے بعد اللہ انسان کا ہاتھ پکڑ لے گا۔ ایمان کی مضبوطی اور تقویٰ و استقامت کی دولت نصیب ہو جائے گی۔ اب رسالت (یعنی قرآن و سنت) کی شفاف روشنی میں پختہ توحید والا ایمان نصیب ہوگا۔ اور شرک و بدعات، لغویات، غفلت، معصیت و نافرمانی، بے جا دنیوی مشاغل سے بیزاری ہوگی۔ خواہشاتِ نفس پر قابو اور دعوتِ دین سمیت صالحات کی طرف رغبت ہو جائے گی اور بندے کے عزم کے اعتبار سے، اللہ بندے سے بڑا کام لینے کا فیصلہ کرے گا۔ مزید یہ کہ دنیاوی معاملات میں اللہ کی تائید و نصرت، عافیت و آسانی اور قلبی اطمینان و سکون نصیب ہو جائے گا۔ تو اور کیا چاہئے؟ پس! فیصلہ کریں اور کود پڑھیں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر "تلاش رب"۔

✡✡✡✡✡

(4)۔قرآن ہدایت کی اولین بنیاد

(1)۔دین کا اوّلین منبع..86
(2)۔نزولِ قرآن کا مقصد..86
(3)۔نجات کا دارومدار قرآن پر..87
(4)۔قرآنِ مجید پر انسان کا محاسبہ..88
(5)۔فیصلہ قرآن پر ہوگا..88
(6)۔قرآن اور بروزِ قیامت انسان کی حسرت..89
(7)۔بغیر سمجھے رسمی تلاوت کی وجوہات؟..90
(8)۔تلاوت کا حقیقی مفہوم..91
(9)۔قرآن حکیم سے استفادہ؟..91
(10)۔قرآن سے استفادہ (چار قباحتوں سے اجتناب)..92
(11)۔کون سی تفسیر پڑھی جائے؟..93

(1)۔ دین کا اوّلین منبع

دنیا میں بننے والی پیچیدہ مشینوں کے صحیح استعمال کے لئے اُن کے ساتھ ہدایت نامہ جاری کیا جاتا ہے جس کے بغیر مشین سے صحیح طور پر کام لینا ممکن نہیں ہوتا۔ انسان کی مشین کائنات کی پیچیدہ ترین مشین ہے، جسے دنیا وآخرت کی بقا کیلئے قرآنِ حکیم کی شکل میں ''مکمل ضابطہ حیات'' عطا کیا گیا ہے۔ اِس ضابطہ حیات کو کماحقّہ ملحوظ رکھے بغیر انسان کی بقا نہیں۔ قرآن ہمارے لئے روح کی حیثیت رکھتا ہے جو ہماری اصل طاقت کا منبع ہے۔ جب تک انسان کا تعلق اِس کتاب سے وابستہ رہے گا، انسان میں حقیقی ایمانی قوت موجود رہے گی۔ اِسکی طلّسماتی آیات اہلِ ایمان کو جلا بخشتی ہیں۔ انسان میں جذبہ ایمانی پیدا کرتی ہیں، جبکہ اِس کتاب کی تعلیمات سے دوری اہلِ ایمان کیلئے موت ہے۔ قرآن سے دوری کا نتیجہ آج اقوامِ عالم میں اُمتِ مسلمہ کی رسوائی کی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا آلہ دعوت اور آلہ تزکیہ قرآن تھا یعنی آپ ﷺ نے اِسی کے ذریعے ہی اصلاح، تزکیہ اور انذار کیا، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ: ''پس آپ نصیحت کرتے رہیے اِس قرآن کے ذریعے سے ہر اس شخص کو جو (میرے) عذاب سے ڈرنے والا ہے۔'' (سورۃ ق: آیت:45)۔ مزید فرمایا: ''(اے نبی) اِن کافروں کی پیروی نہ کرنا اور اِن سے اِس (قرآن) کے ذریعے (نصیحت وتبلیغ) کرکے بڑا جہاد کرو۔'' (الفرقان: آیت:52)۔

اِسی لئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے ساتھیوں کا تزکیہ بھی اِسی کتاب کے ذریعے کرتے تھے، دیکھئے: (آلِ عمران: آیت:164)۔ یعنی نبی کریم ﷺ جیسے عظیم مبلّغ اور صحابہ (رضی اللہ عنہ) جیسے عظیم پیروکار، لیکن اصلاح وتزکیہ کیلئے قرآن کی ضرورت تھی! دوسری طرف ہم ہیں کہ ہم نے قرآن کو پسِ پشت ڈال کر تزکیہ کے اَن گنت خودساختہ معیارات بنالئے ہیں۔ لہٰذا ابھی وقت ہے، فکر کریں اور حقیقت کو تسلیم کرکے، اپنے عقائد وافعال کی بنیاد قرآنِ حکیم پر رکھ اپنے دین اور دنیا کو بچالیں۔

(2)۔ نزولِ قرآن کا مقصد

حقیقت سے نا آشنا اہلِ اسلام نے تو اب اپنے آپ کو محض قرآن کی تلاوت تک محدود کرلیا ہے۔ بغیر سمجھے سپارے کے سپارے اور قرآن پر قرآن ختم کئے جارہے ہیں۔ لہٰذا آج ہم یہ جانیں گے کہ قرآنِ مجید کو نازل کرنے کا مقصد کیا ہے؟ چنانچہ اس ضمن میں پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ: ''یہ ایک بہت بابرکت کتاب ہے جو (اے نبی) ہم نے تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اِسکی آیات پر غوروفکر کریں اور اہلِ عقل اِس سے نصیحت حاصل کریں۔'' (سورہ ص: آیت:29)۔

یہاں خالق نے تخصیص کے ساتھ نہایت صراحت سے یہ بات واضح کردی ہے کہ قرآن کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عقل ودانش کی روشنی میں اِسکی آیات کے فہم پر غوروفکر کرکے حقیقی نصیحت وہدایت کو پایا جائے۔ لیکن افسوس کہ اتنی آسان سی بات بھی ہمیں سمجھ ہی نہیں آتی! مزید فرمایا:

ترجمہ: ''اور بطور وحی اتارا گیا ہے یہ قرآن میری طرف تا کہ میں اِس قرآن کے ذریعے تم کو اور جن جن تک یہ پہنچ سکے اُن سب کو خبردار کردوں'' (الاِنعام، آیت: 19)۔

جب تک ہم قرآن کو سمجھ کر نہیں پڑھیں گے ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ قرآن ہمیں کن خطرات سے خبردار کر رہا ہے؟ چنانچہ ایک اور انداز سے بات کو یوں واضح کیا گیا، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''ال ر، یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تا کہ آپ (اِسکے ذریعے سے) نکالیں انسانوں کو تاریکیوں سے (اور لائیں اِنہیں) روشنی کی طرف، اللہ کے حکم سے، اِسکے راستے کی طرف جو زبردست ہے، نہایت قابل تعریف ہے''۔ (سورۃ ابراہیم، آیت: 1)۔

یعنی انسان کو جہالت، گمراہی اور کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر توحید و سنت کی پختہ شاہراہ پر گامزن کرنا۔ کیا قرآن کے نزول کے یہ مقاصد اِسے سمجھے بغیر محض عربی الفاظ پڑھنے کی مشق سے حاصل ہو سکتے ہیں؟ اگر بات سمجھ ہی نہ آسکی تو اُس سے نصیحت کیسے حاصل ہوگی اور اُسکے مطابق عمل کیسے کیا جائے گا؟ پروردگار نے ہمیں گمراہی سے بچانے کیلئے کوئی کسر تو نہیں چھوڑی لیکن افسوس کہ اِلّا ماشاءَاللہ ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

(3)۔نجات کا دارومدار قرآن پر

اِلّا ماشاءَاللہ فی زمانہ مسلمان قرآنِ حکیم کو راہنما بنانے کی بجائے اپنے اپنے مَن پسند گروہوں کی تعلیمات کی اندھا دُھند پیروی پر مطمئن ہو چکے ہیں۔ حالانکہ دین اور دنیا دونوں کی نجات قرآنِ حکیم کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے اور قرآن کو صحیح معنوں میں راہنما بنائے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اِس ضمن میں خسارے سے بچنے کیلئے خالق کی طرف سے دی گئی آگاہی پر چند ضروری آیات پیشِ خدمت ہیں۔

سب سے سیدھا راستہ: خالق نے انسان پر یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ وہ راستہ جو سب سے سیدھا ہے، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں،، گمراہی کا کوئی خدشہ نہیں، وہ قرآن کا راستہ ہے، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کریں اِس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ اُن کے لئے بہت بڑا اجر ہے'' (بنی اسرائیل، آیت: 9)۔

اگر واقعتاً گارنٹی یافتہ صراطِ مستقیم چاہیئے تو پروردگار نے بات پوری طرح کھول کر بیان فرمادی ہے۔ کیا ہم اپنے فرقوں کو قرآن کے تابع کرنے کیلئے تیار ہیں؟

قرآن کو مضبوطی سے راہنما بنانے کی سخت تلقین: پروردگار نے نبی کریم ﷺ سے دوٹوک اعلان کروا کر انسانیت کو یوں خبردار کیا:

ترجمہ: ''اور یقیناً یہی ہے میری سیدھی راہ اِس (قرآن) کی۔ پس اِسی کی پیروی کرو۔ اور مت چلو (قرآن سے ہٹ کر) دیگر راستوں پر کہ وہ تمہیں کاٹ دیں گے اللہ کی راہ سے۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کی تاکید کی ہے اللہ

نے تمھیں تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔'' (الانعام: آیت: 153)۔

یہاں دوٹوک الفاظ میں انسان پر یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا صراطِ مستقیم قرآنِ حکیم کا راستہ ہے اور جس نے قرآن کی بنیاد کے بغیر خود ساختہ دین کی کسی راہ کو اختیار کیا وہ صراطِ مستقیم یعنی راہِ خدا سے کٹ کر گمراہی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اللہ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

(4)۔ قرآنِ مجید پر انسان کا محاسبہ

آج تو ہم فرقوں کی بھینٹ چڑھتے ہوئے بے جا خوش فہمیوں میں مبتلا ہو کر قرآنِ حکیم کو وقت دینے، اِس سے راہنمائی لینے اور اِسے حقیقی معنوں میں ضابطہ حیات بنانے سے غافل ہیں۔ لیکن بروزِ قیامت ہم سب کو قرآن کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اِسے سمجھ کر زندگی کا مقصد بنایا یا نہیں؟ جیسا کہ متنبہ کیا گیا:

ترجمہ: ''(اے نبی!) پس جو وحی تمھاری طرف نازل ہوئی ہے اِسے مضبوطی سے تھامے رہو۔ یقیناً تم سیدھے راستے پر ہو۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہ کتاب خود تمھارے لئے اور تمھاری قوم کے لیے ایک نصیحت نامہ ہے اور عنقریب تم لوگوں کو اِسکی جواب دہی کرنی ہوگی۔'' (زخرف: آیات: 43-44)۔

خالق کی بات برحق ہے۔ قرآن کی بابت یہ محاسبہ ہونا ہی ہونا ہے۔ اب سوال تو یہ ہے کہ: کیا ہم اِس محاسبے، اِس جواب دہی پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں؟ تو کیا اِسکی فکر ہم نے کی یا نہیں؟ اِسی حقیقت کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یوں واضح فرمایا:

''(بروز قیامت) قرآن مجید تیرے حق میں حُجّت (دلیل یا گواہی) بنے گا یا تیرے خلاف حُجت بنے گا'' (مسلم: رقم: 534)۔

یقیناً ایسا ہونے والا ہے، جو اِس کتاب کو راہنما بنائیں گے یہ کتاب اُن کے حق میں حُجت بن جائے گی اور جو اِس سے غفلت ولاپرواہی برتیں گے، اِسکے احکامات سے بے بہرہ زندگی گزاریں گے یہ قرآن اُن کے خلاف کھڑا ہو جائے گا۔ لہٰذا اپنے آپ کو بچانے کی فکر کریں، قرآن فہمی کیلئے وقت نکالیں۔ ہر نصیب ہونے والے دن کے عوض کم از کم ایک آدھا رکوع ترجمے سے ضرور پڑھیں۔ مزید یہ کہ فرقہ واریت سے پاک مخلص اہلِ علم کے قرآن پر لیکچرز کی مدد سے قرآن کو سمجھیں اور موت سے قبل کم از کم تین دفعہ قرآن فہمی کے دورے کا پختہ عہد کرلیں۔ اللہ ہمیں اِسکی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(5)۔ فیصلہ قرآن پر ہوگا

بروزِ قیامت جزاوسزا کا فیصلہ قرآنی احکامات پر ہوگا۔ چنانچہ جب دوزخی، دوزخ کے عذاب سے چلّائیں گے تو اُنہیں کہا جائے گا:

ترجمہ: ''مت چلاؤ آج یقیناً تمھیں ہم سے آج کوئی نہیں بچا سکتا۔ یقیناً (دنیا میں) تمہیں میری آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، تو تم اُلٹے پاؤں بھاگ نکلتے تھے۔'' (المومنون: آیات: 65-66)۔

اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے، فی زمانہ فرقہ پرستی کا شکار مسلمانوں کی حالت بھی اِس سے مختلف نہیں۔ اپنے ذہن اور مسلک کے خلاف آنے والی آیات کو تسلیم کرنا تو دور کی بات ہے لوگ اِنہیں دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ **قرآن مجید کو فراموش کرنے کا انجام:** وہ لوگ جو اللہ کی آیات کو سمجھنے سے آنکھیں، کان اور دل کے دروازے بند کر لیں اُن کے متعلق پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ: ''اور جو کوئی اِس دنیا میں (قرآن سے) اندھا بن کر رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہی اُٹھایا جائے گا اور راستے سے بھٹکا ہوا'' (بنی اسرائیل: آیت: 72)۔

کیا پروردگار نے خبردار کرنے میں شک کی کوئی گنجائش چھوڑی ہے؟ تو اِسکے باوجود بھی ہم بیدار کیوں نہیں ہوتے؟

سعادت وشقاوت کی بابت فیصلہ کن رہنمائی: جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اُترنے کا حکم ہوا تو انسانیت کے حوالے سے پروردگار نے نہایت اہم خبر یوں دی:

ترجمہ: ''فرمایا: تم دونوں یہاں سے اُتر جاؤ، تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ جب کبھی تمھارے پاس میری ہدایت (تعلیماتِ وحی) آ جائے تو جو بھی میری اِس ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت ہوگا۔'' (طٰہٰ: آیت: 123)۔

یعنی دنیا میں گمراہی اور آخرت میں شقاوت و بدبختی یعنی بُرے انجام سے صرف وہی بچ پائیں گے جو خالق کی نازل کردہ ہدایت کے ساتھ چمٹ جائیں گے۔ لہٰذا ان حقائق کو بروقت سنجیدہ لے کر فوراً قرآن کو زندگی میں لا کر ابدی ہلاکت سے بچ جائیں۔

(6)۔ قرآن اور بروزِ قیامت انسان کی حسرت

فرقہ پرستی اور اکابر پرستی کے شکار لوگوں کو دنیا میں کتنا ہی انذار کر دیا جائے، نقلی اور عقلی دلائل سے اِنہیں سمجھا دیا جائے کہ بھئی قرآن کو ضابطہ حیات بنائے بغیر حقیقی ہدایت تک رسائی ممکن نہیں۔ اِسے تھامے بغیر گمراہی سے نجات ممکن نہیں، لیکن ابلیس کی چالوں ک وجہ سے لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ یہاں تو بے جا خوش فہمیاں ہیں، لیکن بروزِ قیامت صورتِ حال کیا ہوگی؟ ملاحظہ کریں:

ترجمہ: ''اور (اَے لوگو!) پیروی کرو اُس بہترین شے (قرآنِ حکیم) کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اُتاری گئی ہے۔ اِس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔ (اَیسا نہ ہو کہ) پھر تم کہنے لگو کہ ہائے افسوس! اُس غفلت پر جو میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی، بلکہ میں تو مذاق اُڑانے والوں میں ہی رہا۔'' (سورہ زُمر: آیت: 55-56)۔

یہ پیشگی نقشہ کشی ہمیں بچانے کیلئے کی گئی ہے کہ ہم غلط روش سے تائب ہو کر فوراً قرآن کو راہنما بنا کر اپنے آپ کو بچا لیں۔ ایک اور انداز سے سخت تنبیہ یوں کی گئی، ارشاد فرمایا:

ترجمہ:''جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا چبا کر کھائے گا (اور) کہے گا کہ ہائے کاش میں رسول کے ساتھ راستہ پکڑتا۔ ہائے کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔ (اس غلط دوستی) نے مجھے پھسلا دیا جبکہ میرے پاس نصیحت آ گئی تھی اور شیطان تو انسان کا ساتھ چھوڑ دینے والا ہے۔ اور رسول شکایت کریں گے کہ اے میرے رب، یقیناً میری قوم نے اِس قرآن کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا تھا (یعنی اِسکی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا تھا)۔''

(الفرقان: آیات:27-30)۔

یہ بہت تفصیل طلب آیت ہے جس کی زَد میں ہر وہ شخص آ جائے گا جس نے بُری سنگت اپنائی، اپنے لیڈرز، سردار، مذہبی پیشواؤں کی اندھا دھند پیروی میں قرآن وسنت کو اپنے اپنے فرقے، مسالک اور اکابرین کے نیچے کیا۔ پس! عقلمندی کا مظاہرہ کریں اور قرآن کو حقیقی معنوں میں ضابطہ حیات بنا کر اپنے آپ کو بچا لیں۔

(7)۔ بغیر سمجھے رسمی تلاوت کی وجوہات؟

سابقہ چھ لیکچرز میں پروردگار کی طرف سے بیان کردہ شدید تنبیہات کی بنا پر یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ قرآنِ مجید کو سمجھے اور اِسے راہنما بنائے بغیر نہ تو گمراہی سے دامن بچایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اُخروی ہلاکت سے بچنا ممکن ہے۔ تاہم تلاوت سے انکار نہیں آیات کے فہم وتدبر کے ساتھ ساتھ قلوب کی گرمائش کیلئے قرآن کی تلاوت بھی ضرور کرنی چاہیئے۔ لیکن قرآنی احکامات سے بے بہرہ رہ کر زندگی بھر بغیر سمجھے قرآن پر قرآن ختم کرتے رہنا اور معنی ومفہوم سمجھنے کی طرف آمادہ نہ ہونا باعثِ حیرت ہے! اب سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ: اِسکے باوجود بھی مسلمان ٹس سے مس نہیں ہوتے اور بغیر سمجھے محض رسمی تلاوت پر مطمئن ہو چکے ہیں۔ اِسکی بنیادی وجہ تو ابلیس ہی ہے جس نے مختلف چالوں سے انسان کو ورغلا کر حقیقت سے دور کر دیا ہے۔ تاہم وہ بنیادی رکاوٹیں جو بغیر سمجھے محض تلاوت پر اکتفا کرنے کا موجب بنتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱)۔ تلاوتِ قرآن کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی، (۲)۔ احادیث میں تلاوت پر اجروثواب کی نویدوں کا ادھورا فہم یعنی تطبیق کئے بغیر بات کی اصل غایت کو سمجھے بغیر حتمی نتیجہ نکالنا، (۳)۔ قرآن کو سمجھ کر پڑھنے پر علماء حضرات کی طرف سے گمراہ ہونے کے خطرے کا پرچار، (۴)۔ علماء حضرات کا یہ کہنا کہ قرآن کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔ یہ عام انسان کے بس کی بات نہیں، اور (۵)۔ اِسے سمجھنا صرف علماء کی ذمہ داری ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ کوئی اور نہیں بلکہ اپنے اپنے فرقوں کو بچانے کیلئے برِّصغیر کے مسلمان مذہبی راہنما ہی قرآن فہمی کی راہ میں حائل ہو گئے ہیں۔ ان پانچوں شبہات کے تسلی بخش ازالے کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (بغیر سمجھے قرآن پڑھنے کی وجوہات)۔ تاہم پہلا شبہ یعنی تلاوت کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی پر کچھ آگاہی اگلے لیکچر میں پیش کی جائے گی۔

(8)۔تلاوت کا حقیقی مفہوم

تلاوت کے حوالے سے عمومی تصور یہ ہے کہ تلاوت سے مراد معنی کو سمجھے بغیر محض الفاظ کی رسمی ادائیگی ہی ہے ۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ 'تلاوت' کی اصطلاح، الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ قرآن فہمی کے لئے بھی مستعمل ہے۔تلاوت لغت کے اعتبار سے ((تلیٰ، یتلو)) کسی کے پیچھے پیچھے آنا، کسی کی پیروی کرنا ہے(دیکھئے: سورہ الشّمس: آیات: 1-2)۔قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر''تلاوت'' کی اصطلاح محض بغیر سمجھے قرأت کی بجائے آیات کو سمجھنے اور پیروی کرنے کے معنی میں استعمال ہوئی ہے، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ:''ہر قسم کا کھانا تھا حلال بنی اسرائیل کیلئے مگر وہ جو حرام کرلیا تھا بنی اسرائیل نے خود اپنے اوپر تورات کے نازل ہونے سے پہلے۔فرما دیجئے لاؤ تورات اور اِسکی تلاوت کرو اگر تم سچے ہو۔''

(آل عمران، آیت:93)۔

یہاں تلاوت کا لفظ محض رسمی تلاوت کی بجائے سمجھنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اِسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

''(اہل جہنم سے کہا جائے گا) کیا ایسا نہیں تھا کہ تمھارے سامنے میری آیات تلاوت کی جاتی تھیں اور تم اُنہیں جھٹلایا کرتے تھے؟''(المومنون، آیت:105)

پس! یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ تلاوت کا اطلاق محض رسمی الفاظی تک محدود نہیں ، بلکہ تلاوت کا اطلاق سمجھنے اور پیروی کرنے پر بھی ہوتا ہے۔مزید وضاحت کیلئے درج ذیل آیات سے استفادہ کریں:

سورہ نسا: آیت:۱۲۷، سورہ قصص: آیت:53، سورہ انعام آیت:۱۵۱،سورہ زمر، آیت: 71اور سورہ نمل آیت:۹۲۔

دوسری بات یہ ہے کہ: جہاں تک معاملہ صحابہ(رضی اللہ عنہم) کا ہے تو وہ چونکہ اہلِ زبان تھے،اسلئے اگر اُنہیں مخاطب کرکے تلاوت پر نوید سنائی جاتی ہے تو اِس سے مراد خالی قرأت نہیں، بلکہ سمجھنا اور پیروی کرنا ہی مراد ہے۔الحمدُ للہ اُمید ہے کہ پہلی رکاوٹ یعنی تلاوت کے مفہوم کے متعلق بڑی غلط فہمی واضح ہوگئی ہوگی۔

(9)۔قرآن حکیم سے استفادہ؟

اگر ہمیں یہ بات سمجھ آگئی ہے کہ ہم سب کا محاسبہ قرآن پر ہونا ہے اور اِسے سمجھے اور ضابطہ حیات بنائے بغیر نجات ممکن نہیں، تو اب قرآن سے استفادہ کرنے کیلئے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ: قرآنِ حکیم اپنی وسعت و گہرائی کے باوجود بنیادی وضروری ہدایت کے اعتبار سے بہت آسان ہے، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے اِس قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان کردیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔؟''(القمر: آیت:40)

پس! ڈریں نہیں، اپنے رب کی بات پر یقین کریں اور اخلاص کے ساتھ اِس کی طرف بڑھیں ان شاء اللہ ہدایت کھلنا شروع ہوجائے گی۔مراد کو پانے کے لئے درج ذیل اقدامات کریں: (ا)۔پہلا کام پختہ فیصلہ کرنا ہے، قرآن کو سمجھنا زندگی کا اہم ترین ہدف بلکہ زندگی موت کا مسئلہ بنالیں۔اس پر استقامت کی کثرت

سے دعا کریں کیونکہ شیطان یہ کام آپ کو کسی صورت نہیں کرنے دے گا۔(۲)۔ جہاں دنیا سیکھی ہے تو تفصیلی گہرائی کی بجائے، کم از کم بنیادی عربی گرائمر اور کثرت سے استعمال ہونے والے صیغے ضرور سیکھ لیں جو کہ بہت آسان ہیں۔(۳)۔کوئی سا آسان ترجمہ لے کر صبح یا شام جتنا وقت ملے غور وفکر شروع کردیں۔ ہر دن کے عوض ایک آدھ گھنٹہ ضرور دیں۔ دنیا سے رخصت ہونے سے قبل کم از کم تین مرتبہ پورا قرآن ترجمہ سے ضرور پڑھ لیں۔ محکم آیات پر مبنی بنیادی وضروری ہدایت بہت آسان ہے جسے قرآن مجید میں طرح طرح کی مثالوں اور مختلف الفاظ سے بار بار دھرایا گیا ہے(دیکھئے: الاعراف:52)، جو آسانی سے سمجھ آجاتی ہے۔ جو بات سمجھ نہ آئے اُسے نوٹ کرلیں اور فرقہ واریت سے پاک مخلص اہل علم سے سمجھ لیں یا مختلف تفاسیر سے دیکھ لیں لیکن سوچ سمجھ کر نہ کہ اندھا دھند،(۴)۔ ایسے مخلص لوگ جو مسالک اور فرقوں سے بالاتر ہو کر محض اللہ کی رضا کے لئے درسِ قرآن کرتے ہوں، ان سے استفادہ کریں، اور(۵)۔اسے سمجھنے کے لئے سوشل میڈیا، کمپیوٹر وغیرہ سے مدد لی جائے۔

(10)۔قرآن سے استفادہ (چار قباحتوں سے اجتناب)

قرآنِ مجید سے استفادہ کرتے ہوئے درج ذیل انتہائی ہلاکت خیز چار قباحتوں سے اجتناب کرنا ہے جو فرقہ واریت کی بدولت جنم لیتی ہیں۔ (۱)۔اعراض سے بچنا: اپنے مَن پسند فرقے، مسالک اور اکابرین کو بچانے کی خاطر اپنی سوچ کے برعکس قرآنی آیات سے اعراض نہیں کرنا۔ بلکہ پورے قرآن کی طرف لپکنا ہے۔ اِس ہلاکت سے بچانے کیلئے پروردگار نے نہایت سخت الفاظ میں یوں تنبیہ فرمائی:

ترجمہ: ''اور اُس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا کہ جسے نصیحت کی جائے اُسکے رب کی آیات سے پھر وہ منہ موڑے اِس سے۔ یقیناً ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔'' (السجدہ: آیت:22)

(۲)۔غلط تاویل وتحریف سے بچنا: فرقے بچانے کیلئے اپنا ذہن، اپنی مرضی قرآن پر نہیں تھوپنی۔ ایسا کرنا کروڑوں وولٹ کی برقی کرنٹ کو چھونے کے مترادف ہے۔ اِس ضمن میں پروردگار نے یوں تنبیہ فرمائی:

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات میں تحریف کرتے ہیں (اصل معنی سے ہٹاتے ہیں) وہ ہم سے مخفی نہیں، بھلا جو شخص آگ میں ڈالا جانے والا ہے وہ اچھا ہے یا جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آنے والا ہو؟ تم جو چاہو کرو (لیکن یاد رکھو!) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُسے یقیناً دیکھنے والا ہے''۔(سورہ حٰم السجدہ، آیت:40)۔

فرقہ پرست مسلمانوں میں پائی جانے والی اِس خطرناک بیماری کی علامہ اقبال (رحمہُ اللہ) نے یوں نشاندہی کی، فرمایا: احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر تاویل سے بنا سکتے ہیں قرآن کو پازند

(۳)۔غفلت اور تکذیب سے بچنا: قرآنی احکامات کی بابت غفلت ولاپرواہی حیل وحجت، کتمانِ حق اور تکذیب سے بچنا ہے ورنہ ہدایت سے دور کرکے گمراہی مسلط کردی جائے گی۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: (الاعراف، آیات:146اور182)، (انعام: آیت:110)۔

(۴)۔متشابہات کے کھوج سے بچنا: قرآنِ حکیم میں محکم (جن میں احکام دیئے گئے ہیں) اور متشابہ (جن کی حقیقت تک پہنچنا انسان کے بس میں نہیں جیسے: حروف مقطعات، برزخ، روح، قضاوقدر وغیرہ) دونوں قسم کی آیات ہیں۔ پروردگار کی نصیحت کے تحت محکم آیات کو بنیاد بنانا ہے اور متشابہات کی بابت جتنی بات بیان ہوئی ہے اُس پر ایمان رکھنا ہے، اِسکا کھوج نہیں لگانا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: (آل عمران: آیت: 7)۔ لیکن جو گمراہ لوگ ہیں وہ محکم کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اللہ ہمیں نیک نیتی سے من وعن قرآن کو ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(11)۔کون سی تفسیر پڑھی جائے؟

اب اِس ضمن میں پیدا ہونے والا ایک اور وسوسہ کہ: جو کوئی بھی بغیر استاد اور بغیر تفسیر کے قرآن سمجھے گا وہ گمراہ ہو جائے گا، اس ضمن میں درج ذیل نکات ذہن نشین رکھیں: (۱)۔ جہاں تک معاملہ قرآن سے گمراہ ہونے کا ہے تو (البقرہ: آیت: ۲۶) کے تحت پروردگار نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ: قرآن سے صرف وہ گمراہ ہوتے ہیں جو فاسق ہوں۔ یعنی جو بدنیت ہوں، برائی پر اڑے رہنا چاہتے ہوں، قرآن کو من وعن ماننے کی بجائے اپنے من پسند ذہن ومسلک کو قرآن پر تھوپنا چاہتے ہوں نہ کہ مخلص لوگ۔ (۲)۔ جہاں تک معاملہ استاد کا ہے تو استاد سے رہنمائی سے تو کوئی انکار نہیں۔ جہاں سے بھی خیر پر مبنی رہنمائی میسر ہو ضرور لینی چاہئے۔ لیکن اسکے لئے پہلی بنیادی شرط ''اخلاص'' ہے۔ یعنی استاد کا دامن شہرت وناموری، دنیوی مفادات اور فرقہ واریت سے پاک ہو، ورنہ قرآن کی تاویل وتحریف، قرآن کے منہ میں لقمہ ڈال کر انسان ہلاکت کی راہ پر چڑھ جائے گا۔ (۳)۔ باقی رہا تفاسیر سے رہنمائی کا معاملہ تو پروردگار نے فرمایا ہے:

ترجمہ: ''اور ہم نے اِن لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت واضح کر کے بیان کر دیا ہے، وہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے (یعنی جو اللہ کی بات کو من وعن مان گئے)۔'' (الاعراف:52)

لہٰذا قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے اور محکم آیات پر مبنی ضروری باتوں کو پروردگار نے جگہ جگہ مختلف انداز سے بیان کر دیا ہے، جو دررانِ ترجمہ ہی ساتھ ساتھ واضح ہوتی جاتی ہیں۔ اُصولی ونظریاتی ہدایت تو براہ راست قرآن حکیم سے واضح ہو جاتی ہے، جبکہ قرآنی احکامات کا عملی نمونہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ یعنی احکامات (نماز، روزہ، حج.....) پر عمل کیسے کرنا ہے؟ اِسکی مزید وضاحت کیلئے صحیح احادیث سے رہنمائی بھی درکار ہے۔ تفاسیر سے استفادہ کے حوالے سے یہ بات پیش نظر رہے کہ غیرِ نبی بڑے سے بڑا عالم بھی خطاء سے پاک نہیں، اُسے غلطی لگ سکتی ہے، اسلئے مفسرین کی رائے کو حتمی نہ سمجھا جائے بلکہ آیات کے معنی ومفہوم کے قریب رہا جائے۔ اس ضمن میں علامہ اقبالؒ نے بڑی اہم حقیقت واضح کی ہے، فرمایا:

ہوئے کس قدر فقیہانِ حرم بے توفیق　　خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

(5)۔ایمان

(1)۔ایمان کیا ہے؟...95

(2)۔ایمان ایک زندہ حقیقت...95

(3)۔ایمان کو پانے کی تین بنیادی شرائط............................96

(4)۔ابتلا: ایمان کا مشکل مرحلہ.......................................96

(5)۔ اِبتلا: آزمائش یا پکڑ؟...97

(6)۔ایمان کی اقسام...97

(7)۔ایمان اور نفاق...98

(8)۔جزوی اسلام (بڑی غلط فہمی کا ازالہ)..........................99

(9)۔ایمان پر ایک بڑی فہمی کا ازالہ................................100

(10)۔ایمان کی حفاظت..101

(11)۔حقیقی ایمان کا نتیجہ: فرمانبرداری اور عاجزی.............102

(12)۔قابلِ رشک صلہ: درجہ احسان کے تقاضے.....................102

(1)۔ایمان کیا ہے؟

انسان کی سب سے قیمتی متاع ''ایمان'' ہے۔ایمان کا مطلب: امن پانا اورامن دینا ہےاور کسی پر ایمان لانے سے مراد اُسکی تصدیق کرنا، اُسکی بات کو ماننا، تسلیم کرنا یا قبول کرنا ہے۔ایمان لانے کی تین بنیادی شرائط ہیں: نمبر:۱۔زبان سے اقرار کرنا، نمبر:۲۔دل سے تصدیق کرنا، یعنی محض زبان سے اقرار کی بجائے دل سے بھی بات کو تسلیم کرلینا، اور نمبر:۳۔جسم کے اعضا سے اعمال بجالانا یعنی تسلیم کی گئی بات کے تقاضے پورے کرنا۔ یہ تین بنیادی شرائط پوری ہوں گی تو ایمان لانا قابلِ قبول ہو پائے گا، ورنہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔قرآنِ حکیم میں نجات کیلئے ایمان کے ساتھ عمل کا لازم ہونا (اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) اس قدر کثرت سے بیان ہوا ہے کہ شک وشبہ کی دور دور تک کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔لیکن افسوس کہ اِسکے باوجود بھی فی زمانہ مسلمان اِلّا ماشاءَ اللہ ایمان کی اِس حقیقت سے کوسوں دور بلا عمل محض زبان سے کلمے کے اقرار پر مطمئن ہوکر ابلیس کا لقمہ بن چکے ہیں۔جسکی بنیادی وجوہات: فرقہ واریت، دنیا پرستی، قرآنِ حکیم کی تعلیمات سے دوری اور واعظین کی زبان پر جاری پیارے رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی طرف منسوب اَن گنت جھوٹی احادیث ہیں۔کلمے کے اقرار سے انسان قانوناً تو امت مسلمہ میں شمار ہوجاتا ہے، لیکن کلمے کے ثمرات کا حصول، کلمے کے تقاضوں کوملحوظ رکھے بغیر ممکن نہیں۔بقول علامہ اقبالؒ: خرد نے کہہ بھی دیا لاالہٰ تو کیا حاصل ۔ دل ونگاہ جو مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں۔لہٰذا فوراً نیک نیتی کے ساتھ قرآن کے ساتھ وابستہ ہوکر، اِسے من وعن مان کر ابدی خسارے سے بچ جائیں۔آ گاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: ''زبان سے کلمہ کا اقرار اور نجات کی ضمانت''۔

(2)۔ایمان ایک زندہ حقیقت

ایمان محض کسی اصطلاح کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک زندہ حقیقت ہے۔اگر حقیقی ایمان نصیب ہوجائے تو انسان اُسے یوں محسوس کرتا جیسے اپنے اردگرد دیگر موجود چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔حقیقی ایمان اندر سے اپنے عظیم تقاضے پیدا کرتا ہے، زندگی پر عظیم اثرات مرتب کرتا ہے۔

مناسب درجہ حرارت کی موجودگی میں دودھ کو اگر جاگ لگ جائے تو دہی میں تبدیل ہونے کا عمل لازماً شروع ہوجاتا ہے ۔ اِسی طرح ایمان اگر حقیقی طور پر اندر موجود ہو تو اُسکے نتائج وثمرات لازمی طور پر نمودار ہوجاتے ہیں۔ایمان کی بدولت اُخروی انعام تو ملے ہی ملے گا بلکہ دنیا میں بھی اِسکا پھل لازمی نصیب ہونا شروع ہوجاتا ہے۔سچے اہل ایمان کے قلوب میں پروردگار ایمان کا نور داخل فرماتا ہے، جونیکیوں کی طرف رغبت اور برائیوں سے نفرت واجتناب کا موجب بن جاتا ہے۔اِسکے برعکس ایمان اگر صحیح حالت میں نہ ہو، کمزور ہو یا مردہ ہو تو دین کے حوالے سے انسان بے حس ہوجاتا ہے۔

مزید یہ کہ: پختہ اہل ایمان پر ملائکہ کے نزول کی بدولت سکون واطمینان اور قلبی بہاریں نصیب ہوتی ہیں۔پختہ ایمان کی بدولت کساوتِ قلبی سے نجات مل جاتی ہے۔دل کی نرمی، رقتِ قلبی نصیب ہوتی ہے اور اللہ کے خاص بندوں کو خشیت ومحبت میں آنکھوں کے تر ہونے کی عظیم سعادت بھی گاہے بگاہے میسر آنا شروع ہوجاتی ہے۔عبادت کی طرف شوق ورغبت، اور لذت ملنا شروع ہوجاتی ہے۔لہٰذا حقیقی ایمان کی اِس عظیم دولت کو پانے کا پختہ فیصلہ کریں۔تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: ''ایمان ایک زندہ حقیقت''۔

(3)۔ایمان کو پانے کی تین بنیادی شرائط

ایمان کیسے بنتا ہے؟ حقیقی ایمان کی دولت کیسے نصیب ہوتی ہے؟ اسکے لئے تین بنیادی شرائط ہیں: نمبر:۱۔اخلاص، نمبر:۲۔پختہ فیصلہ کرنا، نمبر:۳۔کاوش وقربانی۔

نمبر:۱۔اخلاص: کسی بھی خیر کو پانے کیلئے پہلی بنیادی شرط اخلاص یعنی حسنِ نیت ہے۔یعنی کاوش کا مقصد ''اللہ کو راضی کرنے اور اُخری نجات'' کے سوا کچھ اور نہ ہو۔نہ دولت مقصود ہو، نہ عزت وشہرت اور نہ ہی اسلام کی جگہ فرقے۔جب تک اندر باہر سے ایک نہ ہوں گے بات نہ بن پائے گی۔

نمبر:۲۔پختہ فیصلہ کرنا: معاملہ ایمان کو پانے کا ہو یا کسی بھی اور خیر کے حصول کا۔اخلاص کے بعد اگلہ مرحلہ ''پختہ فیصلہ کرنا'' ہے۔جس کے بعد گاڑی چلنا شروع ہوجائے گی۔نمبر:۳۔کاوش وقربانی: اخلاص کی موجودگی میں پختہ فیصلہ کرنے کے بعد اب جدوجہد کرنا پڑے گی۔ہاتھ پاؤں مارنے پڑیں گے۔جان، مال، وقت اور صلاحیتوں کی قربانی کرنا پڑے گی، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا: ترجمہ:''اور جنہوں نے کوشش کی ہمارے لئے، اُن پر ضرور کھولیں گے ہم اپنی راہیں اور یقیناً اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔''(سورہ عنکبوت: آیت:69)۔یعنی کوشش تو کرنی ہے، لیکن کوشش صرف اللہ کی رضا کیلئے ہوگی تو بارآور ثابت ہو پائے گی۔داخلہ چلا گیا: ان تین شرائط کو پورا کرنے پر داخلہ چلا گیا۔اب اللہ بندے کو تعصب وتنگ نظری اور جہالت سے بچا کر عقل وبصیرت اور نورِ قرآن کی طرف شوق ورغبت پیدا کرے گا۔اور اپنی حکمت ومشیّت کے تحت ابتلا یعنی امتحان وآزمائش کے مراحل سے گزار کر حقیقی نورِ ایمان سے سیراب کردے گا۔تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: ''ایمان ایک زندہ حقیقت''۔

(4)۔ابتلا: ایمان کا مشکل مرحلہ

ایمان کا ایک تو میٹھا پہلو ہے جبکہ ایک کڑوا۔حقیقی ایمان کے نتیجے میں پروردگار کی تائیدورحمت کی بدولت دنیا میں عافیت ورحمت اور قلبی اطمینان وسکون اور تسکین کی بہاروں کا نصیب ہونا ایمان کا میٹھا پہلو ہے۔جبکہ ''ابتلا'' یعنی امتحان وآزمائش ایمان کا کڑوا پہلو ہے۔ہمیں تو ہر ممکن مشکل سے بچنے کی ہی کوشش کرنی ہے، لیکن اللہ کا یہ لازمی ضابطہ ہے کہ اُس نے بندے کو کچھ نوازنے سے قبل بندے کے ایمان، اور ظرف کے مطابق اُسے ٹسٹ ضرور کرنا ہے، جیسا کہ اُس نے اپنا قانون دوٹوک الفاظ میں یوں واضح فرمادیا: ترجمہ:''کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ صرف اتنا کہنے پر کہ وہ ایمان لے آیا اُسے چھوڑ دیا جائے گا اور اُسکی آزمائش نہیں کی جائے گی؟ یقیناً آزمایا گیا تھا اُن لوگوں کو بھی جو اِن سے پہلے تھے، تو اللہ لازماً جانچ کررہے گا سچوں اور جھوٹوں کو۔''(سورہ عنکبوت: آیت:2-3)۔جیسے ہی انسان پر مشکلات آتی ہیں لوگ حقیقت سے ناآگہی کی بناپر انسان کو مردود سمجھنا شروع کردیتے ہیں۔بلکہ انسان خود بھی ڈولنا شروع ہوجاتا ہے اور اکثریت یہاں ایمان کی راہ کو خیرباد کہہ دیتی ہے۔یاد رکھیں! ایمان بنتا ہی کاوش وقربانی اور امتحان پر ثابت قدم رہنے سے ہے۔امتحان بندے کے ظرف کے لحاظ سے لیا جاتا ہے۔امتحان کا ہر مرحلہ اہل ایمان میں ایمان کی پختگی کا موجب بنتا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ انسان سیسہ پیلائی ہوئی دیوار بن جاتا ہے۔گھبرانا نہیں، یہاں بھی اللہ اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہے۔بس یہ انسان کی ہمت کا امتحان ہوتا ہے، جو اللہ کی مدد ورحمت سے پاس بھی ہوتا جاتا ہے۔بس بندے سے اخلاص، کوشش اور صبر مطلوب ہے۔اسلئے جیسے بھی حالات آجائیں ڈولنا نہیں، ہمت نہیں چھوڑنی، پیچھے نہیں پلٹنا، ایمان پر جمے رہنا ہے۔ان شاءاللہ بہت جلد اللہ حالات کو پھیر کر عافیت ورحمت نصیب فرمادے گا۔آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''تلاشِ رب''

(5)۔ اِبتلا: آزمائش یا پکڑ؟

ابتلا یعنی مصائب سے دوچار کیا جانا: بطورِ امتحان ہے یا بطور غضب یا پکڑ؟ اِسکے لئے درج ذیل اُصول ذہن نشین رکھیں:

نمبر:۱۔ ہر وہ مشکل جو بالآخر اللہ کی طرف پلٹنے کا سبب بن جائے وہ امتحان ہوگی اور جو اللہ سے دوری کا موجب ہو، وہ عذاب یا غضب ہوگی۔ نمبر:۲۔ بطورِ امتحان آنے والی مشکلات مایوسی کی بجائے حوصلہ پیدا کرتی ہیں، جبکہ بطورِ پکڑ آنے والی مصیبت مایوسی اور ذہنی کرب کا موجب۔ نمبر:۳۔ بطورِ امتحان آنے والی مصیبت عموماً طوالت پکڑنے کی بجائے جلد ختم ہوسکتی ہے اور تباہ و برباد اور ہلاک کرنے کی بجائے زندگی بخشتی ہے (لیکن ایسا ہونا لازمی نہیں)۔ نمبر:۴۔ اہلِ ایمان کیلئے امتحان نیک وکاروں کے درجات کی بلندی کیلئے بھی ہوسکتا ہے اور انسان کے گناہوں کو مٹانے کیلئے بطور سزا بھی۔ لہٰذا گھبرانا نہیں، اِن دونوں صورتوں میں آنے والے مصائب نتیجے کے اعتبار سے بالآخر خیر و رحمت کا باعث ہی بنتے ہیں۔ یاد رکھیں! ایمان تو ابتلا کی بھٹی سے گزرنے بعد ہی کندن بنتا ہے۔ اور امتحان پر صبر بہت عظیم اجر کا باعث بھی ہے۔ مصائب سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی ہے، لیکن اگر مشکل آ ہی جائے تو دلبرداشتہ نہیں ہونا، ہمت نہیں ہارنی، مایوس نہیں ہونا اور صبر کا دامن نہیں چھوڑنا۔ پروردگار ہم کمزوروں کو خصوصی رعایت سے نواز کر مصائب سے بچا کر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ (آمین)۔ تفصیلی آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''تلاش رب''

(6)۔ ایمان کی اقسام

نمبر:۱۔ شعوری ایمان: یہ وہ ایمان ہے جس میں ایمان لانے والا محض پیدائشی طور پر مسلمانوں کے گھرانے میں پیدا ہوجانے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ عقل وشعور سے کلمے کی حقیقت اور اِسکے تقاضوں کو ''کتاب وسنت'' کی روشنی میں جان کر اِنہیں تسلیم کرنے کا اقرار کرتا ہے۔ یہی وہ حقیقی ایمان ہے جو انسان کو مسلمان سے مومن کی صف میں کھڑا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ لیکن افسوس کہ بہت کم لوگ اس طرز پر آئیں گے۔ نمبر:۲۔ غیر شعوری ایمان: یہ گھر سے پیدائشی طور پر ملنے والا ایمان ہے۔ جو جس گھرانے میں پیدا ہوگیا وہی اُس کا دین ومذہب بن گیا۔ دنیا پرستی کا شکار کلمہ گو مسلمانوں کی اکثریت اِسی روش پر گامزن ہے۔ مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا ایسا انسان قانوناً تو مسلمانوں میں ہی تصور ہوگا، لیکن یہ کلمے کے ثمرات سے اُسی وقت مستفید ہو پائے گا جب شعوری طور پر کلمے کی حقیقت کو جان کر اِسکے تقاضے پورے کرے گا۔ نمبر:۳۔ غیر حقیقی/ناقص ایمان: یہ ایمان کی وہ شکل ہے جس کی بنیاد پختہ علم پر نہیں۔ یعنی یہ ایمان تعلیماتِ وحی کی روشنی میں نہیں بنا۔ یہاں شیطان کو بھی عمل دخل کا بھرپور موقع مل جائے گا۔ ابلیس پوری قوت سے حملہ آور ہو کر اُچک لے گا۔ فاسد اعمال، باطل نظریات: شرک، خرافات وبدعات سے دینی اعمال کو آلودہ کردے گا۔ بچنے کیلئے: اخلاص، عقل کا استعمال اور قرآن حکیم کو رہنما بنانا ہوگا۔ افسوس کہ اکثر مذہبی لوگ اِسی روش پر گامزن ہیں۔ مزید آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''ایمان ایک زندہ حقیقت''

(7)۔ایمان اور نفاق

ایمان کے حوالے سے (سورۃ الاحزاب: آیت:۷۲) میں یہ انتہائی اہم حقیقت واضح کی گئی ہے کہ: بارِ امانت یعنی امانت کی پاسداری کے بوجھ کے بنیادی تقاضے میں انسانیت کو دو ٹارگٹ دیئے گئے ہیں: نمبر۔۱: نِفاق سے بچنا اور نمبر۔۲: نجاستِ شرک سے اپنا دامن پاک کرنا۔یعنی ایمان لانے کے بعد انسان کے لئے اب پہلا بڑا ٹارگٹ اپنے ایمان کو ''نفاق اور شرک'' سے بچانا ہے۔پس! ہلاکت سے بچنے کیلئے ہماری: ''اولین ترجیح: قرآنِ حکیم کی رہنمائی میں نفاق اور شرک کو سمجھنا اور اِس سے اپنا دامن بچا کر حقیقی ایمان کو پانا ہے۔جو اِن غلاظتوں کو کماحقہ سمجھنے اور اِن سے بچنے میں لا پرواہ ہو گیا وہ مارا گیا۔شرک تو بہت تفصیل طلب موضوع ہے، تاہم نفاق کے متعلق کچھ ضروری معلومات پیشِ خدمت ہیں۔نفاق درحقیقت دوہرے معیار کا نام ہے۔نفاق کی دو شکلیں ہیں:

(۱)۔نظریاتی نفاق: اندر سے کفر اور باہر سے اسلام۔یعنی اہلِ اسلام کو دھوکہ دینے کی خاطر صرف زبان سے کلمہ کا اقرار کرنا، جسکا سامنا مدینہ میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کرنا پڑا۔

(۲)۔عملی کمزوری: یعنی کلمے کا اقرار تو ہے، لیکن کلمے کے تقاضے پورے نہ کرنا۔دینی تقاضوں پر عمل نہ کرنا۔حلال وحرام کی تمیز کو روا نہ رکھنا، کنارے کنارے چلنا اور دین کے وہ تقاضے جن کی بجا آوری سے ہماری دنیا کی زندگی متاثر ہو اُنہیں پیٹھ کر دینا.... یہ دنیا پرستی کی شکل میں بدترین عملی نفاق ہے جس میں الا ماشاءاللہ اکثریت پھنس چکی ہے۔مزید یہ کہ: دولتِ ایمان کو فرقہ واریت اور تعصب وتنگ نظری سے بچانا۔ نفاق کی پہچان کے حوالے سے رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بہت واضح رہنمائی یوں فرمائی، ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: نمبر۔۱: جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، نمبر۔۲: جب وعدہ کرے تو اُس کے خلاف کرے، نمبر۔۳: اور جب اُسکے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے ۔'' (بخاری: رقم: 211)۔مزید فرمایا کہ ان تین نشانیوں کی موجودگی کے ساتھ: ''اگرچہ وہ روزے رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے (لیکن پھر بھی وہ منافق ہے)۔'' (مسلم: رقم: 213)

اللہ ہمیں دنیا، نفس اور ابلیس کے دھوکوں سے بچا کر حقیقی ایمان نصیب فرمائے۔(آمین)

(8)۔ جزوی اسلام (بڑی غلط فہمی کا ازالہ)

قرآنی احکامات سے دوری اور انہیں من وعن نہ ماننے کی وجہ سے الا ماشاء اللہ مسلمانوں کی اکثریت دین کے ہر شعبہ میں ہی اصل راہ سے ہٹ چکی ہے۔ مذکورہ موضوع کے حوالے سے بھی الا ماشاء اللہ اکثریت کو ابلیس نے بہت بڑی غلط فہمی کا شکار کر کے بے جا خوش فہمیوں میں مبتلا کر کے اُنکی دنیا اور آخرت دونوں داؤ پر لگا دی ہیں۔

خالق کا مطالبہ: خالق کے پورے قانون کو ملحوظ رکھے بغیر معاشرتی بقا ممکن نہیں۔ اسلئیے پروردگار نے جزوی دین کی بجائے پورے کے پورے دین کو اپنانے کا حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔'' (البقرہ:208)

یہاں یہ بات بالکل واضح کر دی گئی ہے کہ پورے دین کو اپنانے کی بجائے جزوی دین اپنانا درحقیقت شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرنا ہے۔

دنیاوی اور اخروی بقا، اوامر و نواہی (فرائض و واجبات، حلال وحرام) پر مشتمل پورے دین (عقائد و نظریات، عبادات، اخلاقیات و معاملات اور معاشیات) کو اختیار کرنے میں ہے، جبکہ ابلیس نے مسلمانوں کو جزوی اور ادھورے دین (ذکر اذکار، عبادات یا اخلاقیات و معاملات.....) پر مطمئن کر دیا ہے۔ کچھ لوگ صرف ذکر اذکار اور عبادات کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اخلاقیات و معاملات کی پرواہ نہیں کرتے، جبکہ کچھ لوگ اسکے برعکس پر مطمئن ہیں۔

جزوی دین کا نتیجہ: ادھورے تصور سے دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔ آخرت کا نتیجہ تو بعد میں آئے گا، لیکن ہمارے اخلاقی بگاڑ، بد دیانتی کی وجہ سے معاشرتی سطح پر بہت بُرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ایک تو معاشرتی سلامتی جاتی رہی اور دوسری طرف اسلام بھی بدنام ہو گیا۔ دنیا میں مسلمان ایک ارب سے زائد ہونے کے باوجود بھی عزت و وقار نام کی کوئی چیز ہمارے پلے نہیں۔

امتحان کی بنیاد: ہمارے امتحان کی بنیاد فائدے و نقصان پر ہے۔ ہمیں پرکھا جا رہا ہے کہ کون اخروی مفادات کو پہلی جبکہ دنیوی مفادات کو دوسری ترجیح پر رکھتے ہوئے دنیا کا نقصان تو برداشت کر لیتا ہے، لیکن دنیا کے فائدے کی خاطر آخرت داؤ پر نہیں لگاتا۔ اور جو اس قانون کی پرواہ نہیں کرے گا اس پر قرآن کا فیصلہ کچھ یوں ہے:

ترجمہ: ''لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ اللہ کی بندگی کرتے ہیں کنارے کنارے رہ کر، تو اگر (دین اپناتے ہوئے) بھلائی مل رہی ہو تو مطمئن رہتے ہیں اور اسکے برعکس اگر مصیبت آجائے تو پھیر لیتے ہیں اپنے چہرے (دین سے) ۔ خسارہ اٹھالیا (ایسے لوگوں نے) دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی، یہ ہے خسارہ (بالکل) کھلم کھلا۔'' (الحج:: آیت 11)

اکثریت ماری گئی، اب کہاں کوئی خیال رکھتا ہے؟ آقا کی حکم عدولی تو ہو گئی خواہ کسی ایک حکم میں ہو یا سو حکموں میں۔! وجوہات؟ ایسا کیوں ہے؟ اسکی وجہ بھی قرآن سے دوری اور واعظین کی زبان پر جاری ان گنت گھڑی ہوئی احادیث ہیں۔ حقیقت کیلئے دیکھئے ہماری تحاریر:

(''جزوی اسلام کا نتیجہ'' اور ''زبان سے کلمہ کا اقرار اور نجات کی ضمانت'')

(9)۔ایمان پر ایک بڑی فہمی کا ازالہ

ایمان کی موجودگی کا ٹسٹ حُسنِ نیت، حُسن عمل یعنی ''تقویٰ'' ہے جبکہ لوگ تقویٰ کی بجائے صرف چند ظواہر یعنی شکل وصورت (حسن، چمک دمک، رنگ ورعنائی وغیرہ) کو ولیُ اللہ ہونے کا پیمانہ قرار دیتے ہیں، اگرچہ کتنی ہی باطنی برائیاں انسان میں موجود ہوں۔حسنِ نیت اور اچھے عمل کے اثرات بھی چہرے پر آتے ہیں جو نورانیت اور رنگ ورعنائی کی بجائے شکل وصورت سے دہشت اور کراہت کا دور ہو کر معصومیت اور بھلی صورت کے نمودار ہونے کی شکل میں ظاہر ہو سکتے ہیں، تاہم یہ چیزیں حتمی معیار نہیں۔اب ہم اِس ضمن میں قرآن وسنت سے رہنمائی لیتے ہیں، منافقین کی بابت ارشادفرمایا گیا:

ترجمہ: ''(اے نبی!) جب تو اُنہیں دیکھو تو اُن کے جسموں (کی خوشنمائی) پر تجھے تعجب ہو، جب یہ باتیں کرنے لگیں تو تُو ان کی باتوں پر کان لگالے، گویا یہ لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے لگائی ہوئی''

(المنافقون: آیت:4)

یہاں منافقین کے ظاہر اور باطن کی تصویر کشی کی گئی ہے۔اچھے حالات اور خوش خوراکی کی وجہ سے پلے ہوئے جسم، متناسب اعضا، ظاہری حسن و جمال، اور چہرے کی رونق وشادابی ایسی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی تعجب کریں۔اور چرب زبانی، چالاکی و ہوشیاری، زبان کی فصاحت و بلاغت کی بدولت جب خطاب کرتے تو سامعین کا دل موہ لیتے اور لوگ ان کی گفتگو کی طرف متوجہ ہوجاتے۔لیکن باطن ایسا کہ گویا دیوار کے سہارے کھڑی کی گئی کھوکھلی لکڑیاں ہیں، یعنی دل مردہ ہیں۔ افسوس کہ آج بھی باطن اور تقویٰ کی بجائے ولی اللہ ہونے یا نہ ہونے کا پیمانہ ایسے ہی ظواہر بن چکے ہیں۔<u>پیمانہ ومعیار:</u> ظاہری وضع قطع کی اہمیت سے بھی انکار نہیں، لیکن آپ ﷺ نے نیک ہونے کا اصل پیمانہ باطن کی خوبصورتی اور اعمال کو قرار دیا ہے، فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھارے مالوں اور تمھاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔'' (مسلم:6543)۔جہاں تک معاملہ محض ظاہری حسن و جمال اور رونق وشادابی کا ہے تو یہ صرف اہلِ اسلام کیلئے ہی خاص نہیں، بلکہ غیر مذاہب کو بھی بلاتفریق حسن و جمال سے نوازا گیا۔جیسا کہ غیر مسلم، حسن و جمال کے حامل مذہبی پیشواؤں کی بے شمار مثالیں ٹی وی اور انٹرنیٹ پر آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔رونق وشادابی کی دوسری بڑی وجہ اچھا رہن سہن اور عمدہ غذا ہے۔<u>مزید یہ کہ:</u> لوگوں کے اپنے پسندیدہ فرقے کا کوئی پیشوا چمک دمک کا حامل ہوگا تو اُسے ولی اللہ جبکہ دوسرے گروہ کے پیشوا کی نورانیت کو شیطانیت کہہ کر رد کر دیں گے! اللہ ہمیں حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(10)۔ایمان کی حفاظت

اعمالِ صالحہ سے دوری، اللہ کی نافرمانی اور گناہوں کی آلودگی ہی زنگ اور کساوتِ قلبی کا باعث بن کر ایمان کو برباد کرتی ہے۔ چنانچہ اعمالِ صالحہ پر کاربند رہنے اور نافرمانی سے دور رہ کر ایمان کی حفاظت کیلئے سب سے اہم چیز ''ماحول اور صحبت'' ہے۔ جب تک بُرے ماحول سے دور نہ رہا جائے اور اچھے ماحول کو اپنایا نہ جائے ایمان پر قائم رہنا ممکن نہیں۔ اسلئے ایمان کی بقا کیلئے زیادہ سے زیادہ اچھی صحبت اختیار کی جائے۔ اچھی صحبت کے درج ذیل تین بنیادی ذرائع ہیں: نمبر:۱۔ اچھے لوگ، نمبر:۲۔ اچھی کتابیں: بالخصوص قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھتے رہنا، یعنی فہمِ قرآن سے وابستہ رہنا، اور نمبر:۳۔ اچھی جگہیں، جیسے: مساجد، تنہائی کے مقامات، عبرت کیلئے قبرستان اور ہسپتال جانا وغیرہ۔ یاد رکھیں! جہاں تک معاملہ لوگوں کی صحبت کا ہے تو اِس ضمن میں درج ذیل باتوں کو سختی سے ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ لوگ: نمبر:۱۔ مخلص ہوں، نمبر:۲۔ فرقہ واریت کی نحوست سے پاک ہوں، نمبر:۳۔ اہلِ توحید ہوں، نمبر:۴۔ اہلِ رسالت ہوں، یعنی اکابر پرستی کی بجائے رسول (ﷺ) کی تعلیمات (یعنی قرآن وسنت) کی طرف دعوت دینے والے ہوں، نمبر:۵۔ اہلِ آخرت ہوں۔ یعنی آخرت کی فکر اُن پر غالب ہو، اور نمبر:۶۔ صاحبِ تقویٰ ہوں۔ لوگوں کی صحبت اختیار کرنے میں اگر اِن باتوں کو سختی سے ملحوظ نہ رکھا گیا تو دین بھی گیا اور دنیا بھی۔ اللہ کی خاطر مذکورہ صفات کے حامل اہلِ تقویٰ سے گاہے بگاہے رابطے میں رہیں۔ مزید یہ کہ ایمان کی سلامتی کیلئے اللہ سے دعا کرتے رہنا بھی ناگزیر ہے۔

(11)۔حقیقی ایمان کا نتیجہ: فرمانبرداری اور عاجزی

اہلِ ایمان متکبر نہیں ہوتے۔ درست ایمان ''خوف ورجا'' کے مابین ہے۔ یعنی اللہ کی ناراضگی اور عذاب کا خوف اور اللہ کی رحمت وبخشش کی امید دونوں کیفیات اِن میں موجود رہتی ہیں۔ نہ تو وہ اللہ کی رحمت سے نااُمید ہوتے اور نہ ہی بے پروا۔ جبکہ ناقص ایمان انسان میں: بے جا خوش فہمی، قساوتِ قلبی، گھمنڈ، استکبار اور انجام سے بے فکری پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ حقیقی اہلِ ایمان نیکیاں کرنے کے باوجود بھی عاجزی اختیار کرتے ہیں اور نیکی کے بعد اِسکی قبولیت کیلئے اللہ سے دعا گو رہتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ بلکہ سبقت والا ایمان: رقتِ قلبی، خشیت، نیکیوں کے باوجود اپنی کمی کوتاہیوں پر نظر رہنا، گڑگڑا کر التجا کرنا اور اللہ کیلئے آنسو چھلکنے سے بہرہ مند ہونے کی سعادت کا ذریعہ بنتا رہتا ہے۔ حقیقت سے آگاہی کیلئے چند دلائل ملاحظہ کریں: (۱)۔ پروردگار نے کائنات کے سب سے عظیم لوگوں یعنی انبیاء علیہم السلام کا طرزِ عمل یوں بیان فرمایا: ترجمہ: ''یقیناً وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے، ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے لئے خشیت اختیار کرنے والے تھے۔'' (سورہ انبیاء: آیت: 90)۔ (۲)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم جان لو (اصل حقیقت) جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ'' (بخاری: 6485)۔ یعنی دنیا وآخرت کی حقیقت، اُخروی انجام اگر حقیقی معنوں میں انسان کے پیشِ نظر ہو جائے تو اُسکی ہنسی جاتی رہے، رقت وخشیت میں آنکھیں تر ہو جائیں۔ (۳)۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں میں نے دیکھا کہ دورانِ نماز آنحضور ﷺ کے سینے مبارک سے رونے کی آواز اس طرح

آتی جیسے ہنڈیا کے جوش مارنے کی آواز ہوتی ہے۔(شمائل ترمذی:321)۔(۴)۔پروردگار نے اپنے خاص بندوں کی بابت فرمایا کہ ان لوگوں کے سامنے جب رب کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ زاروقطار روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں، دیکھئے(سورہ مریم: آیت:58)۔(۵)۔اللہ کے خاص بندے اپنی نیند قربان کر کے بوقتِ سحر اُٹھ کر اللہ پر فخر جتانے کی بجائے تہجد کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ گڑگڑا کر بخشش واستغفار کرتے ہیں، دیکھئے: (ذاریات: آیت:18)۔اِسی طرزِ عمل کی اَن گنت مثالیں موجود ہیں۔پس! اس طرزِ عمل کے برعکس ہونے کا مطلب حقیقی ایمان سے دوری ہی ہے، اللہ ہمیں حقیقی ایمان کے ثمرات سے بہرہ مند فرمائے۔(آمین)

(12)۔قابلِ رشک صلہ: درجہ احسان کے تقاضے

بروزِ قیامت انسان تین گروہوں میں بٹ جائیں گے، جیسا کہ پروردگار نے خبر دی:

ترجمہ:''اور بٹ جاؤ گے تم تین گروہوں میں: دائیں ہاتھ والے، کیا ہی کہنا داہنے ہاتھ والوں (کی خوش نصیبی) کا۔اور بائیں ہاتھ والے، کیا ہی برا (انجام ہوگا) بائیں ہاتھ والوں کا۔اور سبقت لے جانے والے تو ہیں ہی سبقت لے جانے والے، یہی تو ہیں (اللہ کے) مقربین۔''

(الواقعہ: آیات:7-11)

پس! اس عظیم خوشخبری کی بنا پر اگر کسی میں جذبہ اُمڈ آئے: پیش قدمی کرنے کا، ذمہ داری سے مزید آگے بڑھتے ہوئے سبقت اختیار کرنے کا تو ''فرائض وواجبات کی پاسداری'' کے بعد وہ کون سے کام ہیں جو ہمیں اِس مقام تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکتے ہیں؟ اُنکی لسٹ کچھ یوں ہے:

(۱)۔فرائض وواجبات اوراوامرونواہی کی ادائیگی: ترجیح، اہتمام، شوق وجذبے اور خشوع وخضوع کے ساتھ۔(۲)۔جذبہ جہاد کا ہونا۔اس ضمن میں یہ بات ملحوظ رہے کہ جہاد یہ نہیں کہ ہر کوئی ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑا ہو، بلکہ یہ ایک انتہائی سنجیدہ ذمہ داری ہے جو شرائط کے تحت ہے۔اس ضمن میں تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:(اسلام کا قانون جہاد)،(۳)۔اپنے حلقہ اثر، رعیت سے مزید آگے دعوت دین کیلئے استعمال ہونے کا جذبہ،(۴)۔بھرپور انفاق کرنا،(۵)۔تہجد کو زندگی میں شامل کرنا،(۶)۔نفلی روزوں کا اہتمام کرنا،(۷)۔خواہشات پر قابو پانا،(۸)۔مصائب پر صبر اختیار کرنا،(۹)۔صغیرہ وکبیرہ سب گناہوں سے اجتناب کرنا،(۱۰)۔غصے کو قابو کرنا، حسنِ اخلاق سے پیش آنا، انتقام کی بجائے عفوودرگزر اور معافی کی روش اپنانا،(۱۱)۔انسانی ہمدردی: مشکل مصیبت میں لوگوں کے کام آنا، مخلوق کا دکھ درد نبھانا، لوگوں کی مدد کرنا۔ہمارے زندگی بھر کے مطالعے کے مطابق یہی ضروری چیزیں ہیں جنہیں زندگی میں لانے سے قابل رشک دنیا اور عظیم اُخروی صلہ کی سعادت کی راہ ہموار ہوجاتی ہے۔اللہ ہمیں اس عظیم سعادت کو پانے کا شوق وجذبہ عطا فرمائے۔(آمین)

(6)۔ ہدایت اور فرقہ پرستی

(1)۔ ہدایت کیا ہے؟..................................104

(2)۔ ہدایت کس کو ملے گی؟..................................104

(3)۔ گمراہی کی تین بنیادی وجوہات..................................105

(4)۔ ہدایت (علم اور اخلاص)..................................106

(5)۔ فرقہ واریت اور ہدایت..................................107

(6)۔ فرقہ واریت کیا ہے؟..................................108

(7)۔ فرقہ واریت سے نجات کے ثمرات..................................108

(8)۔ یہود و نصاریٰ کی پیروی (خطرناک پیشین گوئی)....................109

(1)۔ ہدایت کیا ہے؟

ایمان کی تفہیم کے بعد اب ہم ہدایت پر ضروری آگاہی حاصل کریں گے۔ حقیقی ہدایت کا حصول انسان کی سب سے بڑی دولت ہے اور اِس سے محرومی بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ **بڑی غلط فہمی:** مختلف گروہ اپنے آپ کو ہدایت کا نمونہ، معیار اور پیمانہ جبکہ دوسرے گروہوں کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ جبکہ ہدایت کا پیمانہ ہم یا ہمارے فرقے اور مسالک نہیں بلکہ: ''قرآن وسنت، یعنی رسولُ اللہ ﷺ اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا اجماعی راستہ ہے''۔ ہم سب کو اِسی اصل معیار کے سامنے اپنے آپ کو ماپنے کی ضرورت ہے کہ ہم کس حد تک اِس معیارِ ہدایت پر ہیں۔؟ ہدایت کا مرکز ومحور اور اولین منبع اللہ کی کتاب یعنی قرآن حکیم ہے، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ ۔''(اے نبی) فرما دیجیے بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔'' (الانعام: آیت: 71)

ہدایت کا اولین سرچشمہ قرآنِ حکیم، پھر اِس کا عملی نمونہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی یعنی آپ ﷺ کی سنت ہے۔ ''قرآنِ حکیم کے احکامات، قرآن کی ترجیحات اور سنت کو دیانتداری سے سمجھنا اور اپنے ذہن، فرقے، مسالک، کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بغیر تاویل وتحریف کے بعینہٖ اِسے من وعن تسلیم کر لینا ہدایت ہے۔ اپنی سوچ، اپنے من پسند فرقے، مسالک، اکابرین، علماء، امام، پیر حضرات کو قرآن وسنت کے تابع کر دینا ہدایت ہے، جس پر آنا انتہائی مشکل کام ہے۔''

ہدایت کے بنیادی اہداف: ہدایت کے درج ذیل سات بنیادی اہداف ہیں: (۱)۔ اللہ کی وحدانیت، (۲)۔ رسالت، (۳)۔ فکرِ آخرت، (۴)۔ عبادات، (۵)۔ اخلاقیات و معاملات کی اصلاح، (۶)۔ معاشیات (مال وجائیداد) میں حرام سے بچنا، (۷)۔ دعوت وجہاد: دعوت دین اور اسلام اور ملک وملت کے دفاع کیلئے اسلامی حکومت کی کال پر جہاد کیلئے تیار رہنا۔ **دو بنیادی نتائج:** حقیقی ہدایت کے نتیجے میں دین کے مذکورہ تمام عنوانات کے ساتھ ساتھ دو بنیادی نتائج ہیں جو لازماً نکلیں گے: (۱)۔ شرک سے شدید نفرت اور بچنے کی فکر اور نورِ توحید سے منور ہونے کا شوق، اور (۲)۔ قرآنِ حکیم کی رہنمائی سے آگاہی کی فکر۔ اگر کسی میں یہ دو چیزیں پیدا نہیں ہوئیں تو پھر ابھی وہ قبولیت سے بہت دور ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (ہدایت)

(2)۔ ہدایت کس کو ملے گی؟

کوشش تو انسان نے ہی کرنی ہے، لیکن ہدایت مِن جانب اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کچھ شرائط وضوابط اور اصولوں کی بنیاد پر انسان کے لئے ہدایت کی گرہ کھولنے یا نہ کھولنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس ضمن میں دو بنیادی شرائط ہیں اور دو ثانوی: **بنیادی شرائط:** نمبر۔۱: اخلاص وسچائی، اور نمبر۔۲: طلب وجستجو۔ **ثانوی شرائط:** نمبر۔۱: تمسّک بالقرآن، اور نمبر۔۲: عقل ودانش کا استعمال۔ مذکورہ دو بنیادی شرائط اگر پوری ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ خود ہی اگلی شرائط کی طرف

مائل کر دیتا ہے۔ جب تک یہ چار شرائط پوری نہ ہوں، حقیقی ہدایت ملنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ ان شرائط کی مختصر وضاحت ملاحظہ کریں: نمبر۔۱: اخلاص وسچائی: شیطان نے ساری انسانیت کو اغوا کر لینے، اُچک لینے اور ذرّیتِ آدم کی جڑ کاٹ دینے کا دعویٰ کیا ہے مگر سوائے مخلص لوگوں کے۔ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ مقصد: اللہ کی رضا کا حصول یا اُخروی فلاح یعنی دوزخ کی آگ سے بچنا اور جنت کے حصول کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ اور اخلاص نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقصد: (i)۔ مقام ومرتبہ اور عزت وشہرت ہو، (ii)۔ دولت ودیگر دنیاوی مفادات ہو، اور (iii)۔ اسلام کی فکر کی بجائے اپنے گروہ، مسالک اور فرقوں کی آبیاری اور رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کی بجائے اپنی اپنی پسندیدہ شخصیات کی پیروی کی فکر ہونا۔ (۲)۔ طلب وجستجو: ہدایت صرف اُسے ملے گی جس میں سچائی جاننے کی شدید پیاس اور تڑپ ہوگی، جو سچائی جاننے کیلئے بے تاب ہو نہ کہ اُسے جو مسلک پرستی میں جکڑا آنکھوں پر پٹی بندھی ہو۔ جیسے ہی یہ دو بنیادی شرائط پوری ہو جائیں گی، اِس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ انسان کو اگلی شرائط پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب کر دے گا۔ یعنی پروردگار انسان کو ہدایت کے اصل منبع یعنی ''قرآن حکیم'' کی طرف لے آئے گا جس کے بغیر اندھیروں سے نکل کر روشنی کو پانا ممکن نہیں۔ پھر پروردگار چوتھی شرط یعنی: جمود، تعصب وتنگ نظری، جہالت اور اندھا دھند جامد تقلید..... کی بجائے عقل ودانش کے نور کی طرف لے آئے گا۔ یوں اِن چار شرائط کی تکمیل پر خوش نصیب انسان گمراہی کی زَد سے بچ کر حقیقی سعادت کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔

(3)۔ گمراہی کی تین بنیادی وجوہات

وہ تین بنیادی وجوہات جن کی موجودگی میں ہدایت کے دروازے بند، جبکہ گمراہی کے دروازے انسان پر کھول دیئے جاتے ہیں، اُنہیں خالق نے یوں بیان فرمایا:

ترجمہ: ''میں ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اپنی آیات (کے حقیقی فہم) سے برگشتہ ہی رکھوں گا۔ اور اگر وہ دیکھ لیں ساری نشانیاں (یعنی آیات) تب بھی نہ مان سکیں، اور اگر وہ دیکھیں سیدھا راستہ تو اُسے اپنا راستہ نہ بنائیں۔ اور اگر وہ دیکھیں گمراہی کا راستہ تو اُسے فوراً اختیار کر لیں۔ اُن کے ساتھ یہ (معاملہ) اس وجہ سے ہوا ہے کہ اُنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور آیات کے ساتھ غفلت برتتے رہے۔'' (سورۃ الاعراف:146)

اِس آیت کریمہ میں ہلاکت کی تین وجوہات بیان ہوئی ہیں: نمبر۔۱: ناحق تکبر کرنا، نمبر۔۲: آیات کی تکذیب کرنا یعنی اُنہیں جھٹلانا، اور نمبر۔۳: آیات سے غفلت ولاپرواہی برتنا۔ اِنکی مختصر وضاحت ملاحظہ فرمائیں: نمبر۔۱: تکبر کرنا: تکبر کیا ہے، اِسکی بابت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''تکبر سے مراد، حق بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے''۔ (صحیح مُسلم رقم:265)۔

یعنی حق بات سامنے آنے پر اِسے تسلیم نہ کرنا تکبر کا پہلا بڑا درجہ، جبکہ لوگوں کو حقیر جاننا دوسرا درجہ ہے۔ فی زمانہ فرقہ واریت کی آڑ میں اپنے اپنے پسندیدہ مسالک وذہن کے خلاف آنے والی حق بات سے اعراض

وتکبر مسلمانوں کا وطیرہ بن چکا ہے۔ نمبر۔۲: آیات کی تکذیب: یعنی اپنے مسلک وذہن کے خلاف آنے والی آیات سے صاف انکار کر دینا جو کہ کفار کی روش ہے۔ نمبر۔۳: آیات سے غفلت ولاپرواہی: سچائی یعنی قرآن کو جاننے کیلئے بیتاب ہونے کی بجائے خود ساختہ نظریات پر قائم رہتے ہوئے قرآنِ حکیم سے لاپرواہی کی راہ اختیار کرنا۔ یہ بھی مسلمانوں کا طرزِ عمل بن چکا ہے۔ اللہ ہمیں غلط روش سے فوراً تائب ہو کر حقیقت کو تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(4)۔ ہدایت (علم اور اخلاص)

ہدایت سب سے قیمتی متاع ہے۔ یہ عظیم دولت سرِ راہ نہیں ملتی، بلکہ یہ قیمتی خزانہ اُنہیں کو نصیب ہوتا ہے جنہیں اِسکی شدید طلب ہو، تڑپ ہو، پیاس ہو۔ عام طور پر علم کو ہدایت کی اولین بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ علم بھی ہدایت تک رسائی کا انتہائی اہم جزو ہے۔ لیکن حقیقی ہدایت تک رسائی کیلئے علم سے قبل اخلاص کی ضرورت ہے۔ اگر انسان میں اخلاص، سچائی اور دیانتداری نہ ہو تو علم فائدے کی بجائے اُلٹا نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ جو انسان سچائی کو ماننا ہی نہ چاہے، تو علم اُسے کیا فائدہ دے سکے گا......؟ فرقہ واریت، تعصب وتنگ نظری، جمود اور ریا کاری سچائی کو تسلیم کرنے کے مابین بہت مضبوط آڑ بن جاتی ہے۔ یوں بڑی بڑی ڈگریاں، تجربہ، لائبریریاں اور کتابوں کے ڈھیر...... کسی کام نہیں آپاتے۔ بلکہ اس صورت حال میں علم جتنا زیادہ ہوگا، قرآن وسنت کی غلط تاویل وتحریف سے اُتنی بڑی گمراہی کا باعث بنتا جائے گا۔ جبکہ اخلاص کی بدولت کم علم بھی نجات کا باعث بن جاتا ہے۔ حقیقی ہدایت کو پانے والے خوش نصیبوں کے متعلق پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ: ''اور جنہوں نے کوشش کی ہمارے لئے، ان پر ضرور کھولیں گے ہم اپنی راہیں اور یقیناً اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔'' (عنکبوت: آیت: 69)۔

یعنی (وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوا) جو کوئی بھی ہدایت کیلئے کوشش کرے گا، ہاتھ پاؤں مارے گا، جس میں طلب وجستجو، پیاس وتڑپ ہوگی اور اُسکی کوشش صرف (فِيْنَا) یعنی اللہ کیلئے ہوگی یعنی کوشش کا مقصد: دنیا کا حصول، مسلک پرستی، فرقہ واریت، عزت وشہرت ..... نہیں بلکہ اللہ کو پانا ہوگا تو اُس پر ہدایت کی راہیں کھلنا شروع ہو جائیں گی۔ جس پر اللہ نے بشارت دی (لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا) ہم اس پر اپنی ہدایت کی راہیں ضرور کھولیں گے۔ لیکن خدانخواستہ اخلاص نہ ہوا تو گمراہی سے بچنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

(5)۔فرقہ واریت اور ہدایت

فی زمانہ امتِ مسلمہ ٹکڑوں میں بٹ چکی ہے۔اسلام کی جگہ فرقوں نے لے لی ہے۔مسلمان اپنی حیثیت اور مقام کو بھول کر اتحاد اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کا موجب بن چکے ہیں۔حقیقی ہدایت تک رسائی کیلئے فرقہ واریت کی نحوست سے دامن پاک کرنا ناگزیر ہے۔فرقہ پرستی کی بیماری کی موجودگی میں حقیقی ہدایت کا سمجھ آنا اور اِسے تسلیم کرنا ناممکن ہے۔لہٰذا اِس ضمن میں ضروری آگاہی پیشِ خدمت ہے تاکہ طالبینِ حق بیماری کو پہچان کر بچنے کی سبیل پیدا کرسکیں۔

فرقہ واریت پسندیدہ یا ممنوع؟ سب سے پہلے یہ جانا جائے کہ فرقہ واریت یعنی مسلمانوں کا باہم متحد ہونے کی بجائے ٹکڑوں میں تقسیم ہونا اسلام میں پسندیدہ ہے یا ممنوع؟ چنانچہ اس ضمن میں ہمارے خالق نے بڑے واضح انداز میں فرقہ واریت سے باز رہنے کا حکم دیا،ارشاد فرمایا:

ترجمہ:"اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور باہم پھوٹ نہ ڈالو"۔

(آل عمران:آیت:103)

اگر ہمیں خالق کی بات کا لحاظ ہو تو فرقہ واریت کی نحوست سے بچنے کے لئے مذکورہ ایک آیت ہی کافی ہے۔

فرقہ واریت کا انجام آگ: اس قباحت سے بچانے کیلئے انتہائی سخت تنبیہ یوں کی گئی:

ترجمہ: "تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو فرقہ واریت کا شکار ہوگئے اور اختلاف کیا اسکے باوجود کہ اُنکے پاس روشن دلیلیں آگئیں تھیں۔ایسے لوگوں کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔"

(آل عمران:آیت:105)

اگر ہم بات ماننا چاہیں تو بات ہر پہلو سے کھول کر واضح کردی گئی ہے،لہٰذا آگ میں کودنے سے بچیں! اِس ضمن میں انسانیت کو مزید تنبیہ یوں کی گئی،ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "بے شک جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ہوگئے گروہ گروہ (اے نبی) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔بس اُنکا معاملہ اللہ کے سپرد ہے،وہی ان کو بتلائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔"(سورہ انعام:آیت:159)

لہٰذا اگر بچنا چاہتے ہیں تو اِن حقائق کے پیشِ نظر فرقہ پرستی سے اپنا دامن بچانے کا پختہ فیصلہ کریں۔مزید آگاہی کیلئے اگلے لیکچر کا انتظار کریں۔

(6)۔فرقہ واریت کیا ہے؟

'فرقہ' فرق سے ہے جسکا معنیٰ مختلف یا الگ کرنے یا تمیز کرنے کے ہوتے ہیں،فرقہ کی ضِد جمع یا جماعۃ ہے۔مسلمان ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ اسلام کے نام لیوا سب ایک ہوں نہ کہ متفرق۔سورہ آل عمران: آیات: 103 تا 105 پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ: تعلیمات وحی کو مضبوطی سے نہ تھامنا، اللہ کی طرف سے نازل کردہ واضح تعلیمات کی موجودگی میں بھی اِنہیں رہنما نہ بنانا اور رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کی بجائے اندھا دھند اپنے اپنے مَن پسند اکابرین کو معیار بنانا فرقہ واریت ہے۔عمومی طور پر تو قرآن وسنت سے انحراف فرقہ واریت میں داخل ہے،لیکن خصوصاً شرک کا ارتکاب کرنا یا توحیدِ باری تعالیٰ کو مرکزی اہمیت نہ دینا الگ فرقہ بنانا ہے۔چنانچہ جب یہودیوں اور عیسائیوں نے شرک کی بنا پر تفریق کی اور اپنے اپنے راستے کو نجات یافتہ قرار دیا تو پروردگار نے فرمایا: ترجمہ: "اور کہتے ہیں ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے،فرمادیجئے نہیں، بلکہ (ہدایت پر وہ جو اپنائے) طریقہ ابراہیم کا جو یکسو (سب سے رخ پھیر کر ایک اللہ کے) ہو گئے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔" (البقرہ: آیت: 135)۔یہاں خصوصیت کے ساتھ شرک سے بچنے اور توحید کو اپنانے کو نجات یافتہ راہ قرار دیا گیا ہے جو کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا امتیازی وصف تھا۔مزید دیکھئے: (سورہ یونس: آیت: 105)۔اسلام سے مراد؟: اسلام مشتمل ہے: "اللہ تعالیٰ، اسکا پیارا رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ،قرآن،سنت اور اجماعِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) پر۔ ہر فعل کو اِن پانچ کے تابع رکھنے کا نام اسلام ہے جو کہ انتہائی مشکل کام ہے۔مزید آگاہی کیلئے اگلے لیکچر کا انتظار کریں۔

(7)۔فرقہ واریت سے نجات کے ثمرات

فرقہ واریت کی نحوست سے نجات پر درج ذیل یقینی ثمرات حاصل ہوتے ہیں: نمبر۔۱: اخلاص کی عظیم دولت کا نصیب ہونا، نمبر۔۲: سچائی کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق کا ملنا، نمبر۔۳: باہم اتحاد ویکجہتی، نمبر۔۴: اپنے فرقے کی مَن پسند بات ماننے کی بجائے دین کی ساری تعلیمات کو تسلیم کرنے کی توفیق نصیب ہونا، نمبر۔۵: قرآن وسنت کی غلط تاویل وتحریف کی لعنت سے نجات پانا، نمبر۔۶: امن وایمان اور قلبی اطمینان کا نصیب ہونا، اور نمبر۔۷: رب کی رضا اور اُخروی نجات کا حصول۔

فرقہ واریت سے نجات؟ فرقہ واریت سے نجات پانے کیلئے درج ذیل چار لوازم کو ملحوظ رکھنا ناگزیر ہے: نمبر۔۱: تعصب وتنگ نظری اور جمود کا شکار ہونے سے بچنا، نمبر۔۲: صرف اور صرف اپنے فرقے تک محدود رہنے کی بجائے دوسروں کی بات بھی سننا، نمبر۔۳: بلا دلیل اندھا دھند پیروی کی بجائے عقل ودانش کا استعمال اور دلیل یعنی قرآن وسنت کی پیروی کرنا، اور نمبر۔۴: دین کو کلی طور پر علماء کے سپرد کرنے کے بجائے خود بھی سمجھنے کی کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعصّبات سے بچا کر مسالک اور فرقوں کو بالائے طاق رکھ کر اسلام کے دامن میں آکر حقیقی معنوں میں قرآن وسنت کی طرف لپکنے، اِسے ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور اِسے منّ وعن ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر (مجموعہ تحاریر، باب: ۲۳ اور ۲۴)

(8)۔ یہود ونصاریٰ کی پیروی (خطرناک پیشین گوئی)

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کی بابت یہ انتہائی خطرناک پیشین گوئی فرمائی ہے کہ میری اُمت من وعن یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر چل پڑے گی، فرمایا:

''یقیناً تم بھی پہلے لوگوں کے طریقوں کے پیچھے چل پڑو گے جس طرح بالشت، بالشت کے ساتھ اور ہاتھ، ہاتھ کے ساتھ (برابر ہوتا ہے) حتیٰ کہ اگر پہلے لوگوں نے کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہونے کا کام کیا تو تم بھی اُن کے پیچھے چلو گے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ اُن پہلے لوگوں سے مراد کیا یہودی اور نصرانی (عیسائی) ہیں؟ تو فرمایا: (اگر وہ مراد نہیں) تو اور کون مراد ہیں۔۔ ؟'' (بُخاری: 3456)

اسی لئے خالق نے امت مسلمہ کو اس ہلاکت سے بچانے کیلئے قرآن حکیم کی ابتدائی صورتوں بالخصوص سورۃ البقرہ میں یہود ونصاریٰ کی خرابیوں کو واضح کیا ہے۔ اُنکی چند ایک بنیادی خرابیوں سے آگاہ ہو کر بچنے کی فکر کریں:

(۱)۔ شرک سے محبت اور توحید سے نفرت: شرک کی ہر شکل انکے لئے مرغوب تھی، جبکہ توحید سے شدید بیزاری تھی۔ اس ضمن میں قرآن حکیم میں کثرت سے آیات موجود ہیں۔

(۲)۔ نبی کریم ﷺ سے عداوت: رسول اللہ ﷺ اور اسلام سے بُغض وعداوت اور آپ ﷺ کی عفت کو پامال کرنے کے درپے رہنا، دیکھئے: (البقرہ: آیت: 104)

(۳)۔ کتمان حق: علماء کا کتاب اللہ میں نازل کردہ وہ ہدایت جو اُنکے ذہن سے مطابقت نہ رکھتی ہو، اُسے عام لوگوں سے چھپانا۔ جس پر ان پر بڑی لعنت کی گئی، دیکھئے: (البقرہ: آیات: 159-160)

(۴)۔ تحریف کلام اللہ: یہود کے علماء جب لوگوں کو کلام اللہ سے نصیحت کرتے تو: حق اور باطل کو گڈمڈ (Mix) کرتے، دیکھئے: (البقرہ: 42)، کلام اللہ کی باطل تاویلوں سے تحریف کر کے معنی ومفہوم کو بدل کر اصل معنی سے ہٹا دیتے، دیکھئے: (البقرہ:: ۷۵)، (حم السجدہ: 40)

فرقوں اور خود ساختہ نظریات کے تحفظ میں کیا مسلمان بھی یہی کام نہیں کر رہے؟ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے واضح کیا:

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر ‏ ‏ ‏ تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پازند

(۵)۔ افتراق: تعلیماتِ وحی کو من وعن نا ماننے کی وجہ سے باہم تفریق پیدا کرنا، ٹکروں میں تقسیم ہو کر اتحاد ویکجہتی کو پارہ پارہ کر دینا۔ (البقرہ: 113,111)

(۶)۔ شفاعت پر بھروسہ: بے جا بخشش وشفاعت کی غلط امید کی دلدل میں پھنس جانا۔ (البقرہ: 111,80)

(۷)۔ بغیر دلیل اندھا دھند پیروی: دلیل کی پیروی کی بجائے خود ساختہ نظریات کی اندھا دھند پیروی کرنا، دیکھئے: (البقرہ: 111)۔ علماء اور درویشوں کی اندھا دھند پیروی میں اُنہیں رب کے درجے پر فائز کرنا، دیکھئے: (التوبہ: 31)

(۸)۔ حرام خوری: باطل طریقوں: یعنی رشوت لے کر غلط فیصلہ کرنا، تعویذ گنڈوں، بدعات، دنیوی مفادات کی خاطر آیات کو چند داموں بیچنا.... دیکھئے: (التوبہ: 34)

(۹)۔ دنیا پرستی: آخرت کو پسِ پشت ڈال کر دنیا کا حریص بن جانا، دیکھئے: (البقرہ: 96)

کیا کوئی فرق رہ گیا ہے؟ اللہ ہمیں بروقت سمجھ عطا فرما کر من وعن قرآن وسنت کے ساتھ وابستہ فرمائے۔ (آمین)

(7)۔توحید

(1)۔سب سے اہم تقاضا!......111
(2)۔ انبیاءعلیہم السلام کی دعوت کی بنیاد......111
(3)۔ ملّتِ ابراہیمی......112
(4)۔صراطِ مستقیم کا بنیادی وصف......113
(5)۔توحید سے محرومی پر شدید تنبیہات (حصہ اول)......114
(5)۔توحید سے محرومی پر شدید تنبیہات (حصہ دوم)......114
(6)۔دعوتِ توحید پر قوموں کا ردعمل......115
(7)۔سب سے اہم تقاضا اور ابلیس کی چالیں......116
(8)۔توحید کی تفہیم......117
(9)۔توحید کی اقسام......118
(10)۔توحیدِ الوہیت......118
(11)۔الٰہ کی صفات......119
(12)۔ الٰہ کے مفہوم کا خلاصہ......119
(13)۔اُلوہیت کا دوسرا تقاضا: عبادت......120
(14)۔اُلوہیت کا تیسرا تقاضا: کارساز......120
(15)۔توحید کے نتائج (محبت ووابستگی)......121
(16)۔توحید کے نتائج (توکل وتفویض)......122
(17)۔توحید کے ثمرات......123
(18)۔دائمی سہارہ (حصہ اول)......124
(19)۔دائمی سہارہ (حصہ دوم)......124
(20)۔واحد پناہ گاہ......125
(21)۔سب سے بڑی بے وقوفی......126
(22)۔کوئی پریشانی نہیں!......127
(23)۔وقت کی واپسی (Time Reversing)......128
(24)۔دعا اور اُسکی قبولیت کی مختلف صورتیں......129

(1)۔سب سے اہم تقاضا!

دین کی اولین بنیاد اور سب سے اہم تقاضا ''اللہ کی توحید'' یعنی (لا الٰہ الاّ اللہ) ہے۔جس کا مطلب ہے: (ا)۔اللہ کے سوا کسی اور کو معبود کے درجے پر فائز نہ کرنا، اور (۲)۔اللہ کے سوا کسی اور کی پوجا و پرستش اور عبادت کرنے سے بچنا ہے۔لہٰذا انسان کی تخلیق کی بنیادی غایت بھی یہی ہے، جیسا کہ فرمایا گیا: ترجمہ: ''اور نہیں ہے جنوں اور انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد سوائے اِسکے (کوئی اور) کہ وہ میری بندگی کریں''۔(الذاریٰت: آیت:56)۔اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی بنیادی غایت بھی یہی بیان کی گئی، جیسا کہ فرمایا گیا: ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا کہ (لوگو) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (یعنی سرکش شیطان کی اطاعت و پرستش) سے اجتناب کرو۔'' (نحل: آیت:36)۔مزید یہ کہ انسان کے سر پر خلافت کا تاج رکھ کر بارِ امانت یعنی امانت کی پاسداری کے بوجھ کا جو تقاضا کیا کِیا گیا ہے، اُسکا بنیادی ہدف بھی نفاق اور شرک کی غلاظت سے بچ کر خالص توحید پر آنا ہی بیان ہوا ہے، دیکھئے: (الاحزاب: آیت:73)۔اِسی طرح نزولِ قرآن کا عمومی مقصد تو دین کے سارے احکامات کا تبیّن ہے، لیکن خصوصی مقصد اللہ کی وحدانیت ہی ہے، جیسا کہ پروردگار نے فرمایا: ترجمہ: ''اِس قرآن کا لوگوں کی طرف پہنچا دیا جانا ہے، تاکہ لوگ اِسکے ذریعے سے متنبہ کر دیئے جائیں اور لوگ اس حقیقت کو جان لیں کہ وہ معبود صرف ایک ہی معبود ہے، تاکہ عقلمند لوگ عبرت و نصیحت پکڑ لیں۔'' (سورہ ابراہیم: آیت:52)۔اِس آیت کریمہ پر جتنا بھی سوچیں کم ہے۔یہاں یہ بات بالکل واضح کر دی گئی ہے کہ قرآن لوگوں کی طرف اِس خصوصی اور سب سے بڑے مقصد کے تحت اتارا گیا ہے کہ لوگ (لا الٰہ الا اللہ) کی حقیقت کو جان کر اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا لیں۔لیکن افسوس کہ ہم کسی اور ہی طرف رختِ سفر ہیں۔!

(2)۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی بنیاد

وہ بنیادی نقطہ جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی بنیاد تھی۔وہ ''توحید'' ہی تھا، جیسا کہ: حضرت نوح علیہ السلام نے درج ذیل الفاظ میں دعوتِ توحید قوم کے سامنے پیش کی، فرمایا:

''اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔'' (الاعراف، آیت:59)

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کا ذکر یوں آیا:

''اور عاد کی طرف ہم نے انکے بھائی ہود کو بھیجا۔اس نے کہا، اے برادرانِ قوم! اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں۔'' (سورۃ الاعراف، آیت:65)

اِسی طرح انہیں الفاظ میں دعوت دی: حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت یوسف، اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سمیت دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے، تفصیل کیلئے دیکھئے:

(الاعراف۔73،85)، (سورہ یوسف: آیت:40)، (زخرف، آیت۔64)۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو ایک آیت کریمہ میں یوں واضح کر دیا گیا:

ترجمہ: ''ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے، اُسے یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی بندگی کرو'' (سورۃ الانبیاء، آیت:25)۔

لیکن افسوس کہ الا ماشاءاللہ ہماری تقاریر، تحاریر.... کی بنیاد اس اصل موضوع پر نہیں۔!

(3)۔ ملّتِ ابراہیمی

ہمارا دین، دینِ ابراہیمی ہے۔ ہر نبی کی کچھ امتیازی صفات ہوتی ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا امتیازی وصف ہر نوع کے شرک سے سخت اجتناب اور اللہ کی توحید پر جم جانا، اللہ کی طرف مکمل یکسو ہو جانا بیان ہوا ہے۔ اِسی امتیازی صفت کی بنا پر پروردگار نے ہمارے پیارے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کا حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''پھر ہم نے وحی کی آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملتِ ابراہیم کی، جو یکسو تھے اللہ کی طرف اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔'' (النحل: آیت: 123)

''حنیفا'' کا مطلب ہے: کسی کی طرف یکسو ہو جانا، اپنے آپ کو اُسکے حوالے کر دینا، اُسی کی طرف متوجہ ہو جانا، اُسے اپنا کارساز بنالینا۔ یہ تھی امتیازی صفت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی۔ نبی کریم ﷺ سے یہ دوٹوک اعلان کروادیا گیا کہ:

ترجمہ: ''اے رسول! فرما دیجئے، میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھادی ہے یعنی راست دین (جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں) جو طریقہ ہے ابراہیم کا جو یکسو (ایک اللہ کی طرف متوجہ) ہو گئے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے'' (الانعام: آیت: 161)

اِسی امتیازی صفت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پوری امت کے برابر قرار دیا، فرمایا:

ترجمہ: ''واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات میں ایک پوری امت تھے، اللہ کے مطیع وفرمانبردار، یکسو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' (النحل: آیت: 120)

پروردگار نے اِس ملتِ ابراہیمی سے منہ پھیرنے والے کو بے وقوف قرار دیا ہے، فرمایا:

ترجمہ: ''ابراہیم کی ملت (یعنی طرزِ دین) سے تو وہی بے رغبتی کرے گا، جو (محض) بے وقوف ہو۔'' (البقرہ: آیت: 130)

اللہ ہمیں سمجھ عطا فرمائے، اِلّا ماشاءَ اللہ اکثریت اِسی بے وقوفی کی راہ پر گامزن ہو چکی ہے۔! حالانکہ یہی انسانیت کی عظمت اور معراج تھی جو انسان سے مطلوب تھی، جیسا کہ ہمارے رب نے فرمایا:

ترجمہ: ''اور کس کا دین اُس سے بہتر؟ جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دیا ہو اور وہ نیکو کار بھی ہو اور یکسو ہو کر پیروی کر رہا ہو ابراہیم کے طریقے کی اور ابراہیم کو اللہ نے اپنا خلیل چُن لیا تھا۔'' (النساء: آیت: 125)

یہ ہے سمجھنے والی عظیم رفعت وبلندی کی اصل بات مگر کوئی سچائی کا طالب ہو تو بات سمجھ آئے!

(4)۔صراطِ مستقیم کا بنیادی وصف

اسلام کی تعلیمات کے سارے عنوانات یعنی: ایمانیات، عبادات، اخلاقیات و معاملات، وغیرہ کو فرقہ واریت کی نحوست سے بچتے ہوئے، اخلاص وسچائی اور دیانتداری سے اللہ کی کتاب اور پیارے رسول ﷺ کی سنت کے تحت من وعن سمجھنا، تسلیم کرنا اور عمل پیرا ہونا ہی درحقیقت ''صراط مستقیم'' ہے جو کہ بہت مشکل کام ہے۔لیکن ان تمام عنوانات میں سے ''توحید'' کو صراطِ مستقیم کا بنیادی وصف اور مرکزی اہمیت دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں صراط مستقیم کی اصطلاح کا اطلاق درج ذیل امور پر کیا گیا ہے: (۱)۔عمومی لحاظ سے قرآن حکیم کی تعلیمات کو سب سے سیدھا راستہ قرار دیا گیا ہے دیکھئے:(بنی اسرائیل: آیت:۹) ۔(۲)۔پھر سیدنا ابراہیمؑ کے طریقے کو (جسکا بنیادی وصف شرک سے بیزاری تھی) اسے صراط مستقیم کہا گیا ہے، دیکھئے: (الانعام: آیت: 161)۔(۳)۔پھر سورۃ الانعام آیات (152-154) کے تحت اولین درجہ میں شرک سے بچنے اور بنیادی اخلاقی تعلیمات کو اپنانے کو صراطِ مستقیم قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ سے یوں اعلان کروایا گیا:

ترجمہ: ''اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اِسی کی پیروی کرو اور مت پیروی کرو دیگر (خود ساختہ) راہوں کی کہ وہ (خودساختہ) راہیں تمہیں اللہ کی راہ سے کاٹ دیں گی۔ یہ ہے وہ بات جس کی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ'' (سورہ انعام: آیت:153)

مزید یہ کہ درج ذیل مقامات پر تخصیص کے ساتھ صراط مستقیم کے مفہوم کو قطعیت کے ساتھ یوں واضح کیا گیا، ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، پس اُسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ (یعنی صراط مستقیم) ہے۔'' (آل عمران: آیت:51)

مزید فرمایا:

ترجمہ: ''اور بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، پس اُسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ (یعنی صراط مستقیم) ہے۔'' (سورہ مریم: آیت:36)۔

پس! معلوم ہوگیا کہ: صراط مستقیم کی بنیادی خصوصیت اپنے خالق کے ساتھ تعلق جوڑنا ہے جسکا اولین تقاضا اللہ کی وحدانیت پر جم جانا اور شراکت کی پلیدگی کی ہر شکل سے اپنا دامن بچانا ہے۔اللہ ہمیں حقیقی سمجھ عطا فرمائے۔(آمین)

(5)۔توحید سے محرومی پر شدید تنبیہات (حصہ اول)

جیسا کہ ہم جان چکے کہ دین کا سب سے اہم تقاضا: لا الہ الاّ اللہ ہے۔ جو اِس حقیقت کو پانے میں ناکام ہوگیا، وہ بازی ہار گیا۔ وہ سب کچھ پا کر بھی سب کچھ کھو بیٹھا۔ اس ضمن میں پروردگار نے انسانیت کو شدید تنبیہ کردی، فرمایا:

☆ ترجمہ: ’’(اے انسان یاد رکھ!) مت بنانا اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود، ورنہ جھونک دیا جائے گا تجھے جہنم میں ملامت زدہ اور دھتکارہ ہوا بنا کر۔‘‘ (بنی اسرائیل: آیت: 39)

☆ ترجمہ: ’’(اے نبی) فرما دیجئے کہ مجھے تو حکم دیا گیا ہے صرف اللہ کی بندگی کا اور منع کیا گیا ہے کہ اُس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھراؤں۔ اُسی کی طرف میں دعوت دیتا ہوں اور اُسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔‘‘ (سورہ رعد: آیت: 38)

☆ ترجمہ: ’’(اے نبی) فرما دیجئے کہ میری طرف تو یہی وحی کی گئی ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، تو کیا تم اس حقیقت کو تسلیم کرنے والے ہو؟‘‘ (الانبیاء: آیت: 108)۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو اسی کلمے کو بنیاد بنانے کی تلقین کرتے، جیسا کہ سیدنا معاذؓ کو گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا:

’’پہلی چیز جس کی طرف تُو ان کو دعوت دے وہ اللہ کی توحید ہونی چاہئے۔‘‘ (بخاری: 7372)

لیکن قرآن گواہ ہے کہ سابقہ اقوام نبیوں کی ہر بات ماننے کیلئے راضی ہوجاتیں، لیکن ایک معبود ماننے پر آمادہ نہ ہوتیں۔ بلکہ اِس تقاضے پر انبیاء علیہم السلام جیسی عظیم ہستیوں کو بُرا بھلا یہاں تک کہ قتل کرنے تک پہنچ جاتیں۔ شکر ہے کہ ہم نے زبان سے تو اِس کلمے کا اقرار کرلیا ہے، لیکن اکثریت اِس کلمے کی تفہیم سے غافل ہے۔ سب سے بڑھ کر اِس کلمے کی تفہیم کی فکر نہ ہونا اور اِسے سب سے زیادہ اہمیت نہ دینا مکار ابلیس کے فریب کا شکار ہونا ہے۔ لہٰذا بچنا چاہتے ہیں تو فوراً اِس عظیم کلمے کو سمجھنے کا پختہ عزم کریں۔ مزید معلومات کیلئے اس سے اگلے لیکچرز اور ہماری تحریر: (توحید: لا الٰہ الا اللہ) کا مطالعہ کریں۔

(5)۔توحید سے محرومی پر شدید تنبیہات (حصہ دوم)

لا الٰہ (شرک کی نفی) اور الا اللہ (توحید) کا اثبات ہے۔ پس توحید سے محرومی کا مطلب شرک کی غلاظت میں آلودہ ہونا ہے۔ لہٰذا شرک کی قباحت پر بھی آگاہی ضروری ہے۔ چند آیات ملاحظہ کرکے بچنے کی فکر کریں:

<u>شرک ناقابل معافی جرم:</u> اہل عقل کیلئے شرک کی سنگینی پر صرف اتنی بات ہی کافی ہے کہ بروزِ قیامت یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ یعنی اگر کوئی اس حالت میں فوت ہوا کہ اُس کے نامۂ اعمال میں شرک کا جرم بھی موجود

رہا تو بروزِ قیامت اُسکے لئے معافی کو کوئی گنجائش نہیں ہوگی، جیسا کہ پروردگار نے انسانیت کو متنبہ کر دیا:

ترجمہ: ''یقیناً اللہ شرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا اور اِسکے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرمادے گا اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے اُس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا''۔(النساء: آیت:48)

دعائے مغفرت سے روک دیا گیا: حضور اقدس ﷺ اور ایمان والوں کو شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے مغفرت کی دُعا کرنے سے بھی روک دیا گیا چنانچہ ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہوں اِس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں''۔

(سورہ توبہ: آیت:13)۔

شفاعت سے محرومی: جو شرک کی حالت میں مرے گا اُسکی شفاعت نہیں ہوگی، چنانچہ رسول اُللہ ﷺ نے فرمایا:... میری وہ (شفاعت کی) دُعا اُمت کے ہر اس شخص کو نصیب ہوگی: جو اِس حالت میں مرا کہ اُس نے اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں بنایا ہوگا''

(صحیح بُخاری: رقم:6304، صحیح مُسلم)۔

آپ ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جانے والے کی شفاعت کون کرے گا؟

مزید یہ کہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) کو دس باتوں کی تاکید فرمائی جن میں سے پہلی بات یہ تھی کہ: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، خواہ تمھیں قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے۔''(مُسند احمد: رقم:2157)

یعنی قتل ہونا اور آگ میں جلنا منظور کر لینا لیکن شرک کرنا برداشت نہ کرنا۔ چنانچہ اِس شدید خطرے کے پیشِ نظر غلاظتِ شرک کو سمجھنا اور اِس سے اپنا دامن بچانا زندگی موت کا مسئلہ ہونا چاہئے تھا، لیکن افسوس کہ ابلیس نے اَن گنت دھوکوں کی بنا پر لوگوں کو گہری نیند سلا کر بچنے سے غافل کر دیا ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

(ظلمِ عظیم پر جامع رہنمائی)

(6)۔ دعوتِ توحید پر قوموں کا ردعمل

قرآن مجید گواہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ توحید کو چند لوگوں کے سوا کسی نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، جیسا کہ سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا:

ترجمہ: ''وہ بولے اے شعیب! جو باتیں تم ہمیں کہتے ہو اِن میں سے اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں

آتیں اور بلاشبہ ہم دیکھتے ہیں کہ تُو ہم میں بہت کمزور ہے اور اگر تمھارے کنبہ کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم نے تمھیں سنگسار کردیا ہوتا اور تم ہم پر غالب نہیں۔'' (سورہ ھود: آیت :91)۔

اسی طرح حضرت ھود علیہ السلام کی دعوت پر لوگوں نے کہا جو باتیں تم کرتے ہو اُسکی وجہ یہ ہے کہ تمھیں ہمارے کسی معبود کی بددعا لگ چکی ہے:

ترجمہ: ''انہوں نے کہا اے ھود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں، بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تمھیں ہمارے کسی معبود نے خرابی میں مبتلا کردیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تو اللہ کے سوا اِن سب سے بیزار ہوں جنھیں تم شریک بناتے ہو۔'' (سورہ ھود: آیات: 54-53)

نبی کریم ﷺ نے جب قریش کو دعوتِ توحید دی تو شیطان نے قریش کو آپ ﷺ کے خلاف یوں آگ بگولہ کیا:

ترجمہ: ''اورانہوں نے تعجب کیا کہ اُن کے پاس اُنہیں میں سے ڈرانے والا آیا اور (ان) کافروں نے کہا یہ تو جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔ اِس نے تو سب معبودوں کا ایک ہی معبود بنا ڈالا، بلاشبہ یہ بڑی عجیب بات ہے۔'' (سورہ ص: آیات: 5-4)

اِلّا ماشاءَ اللہ آج بھی حالات کوئی زیادہ مختلف نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق قربِ قیامت دین اجنبی ہو جائے گا اور بچنے کیلئے واپس حجاز میں پناہ لے گا، جس طرح سانپ جان بچانے کیلئے واپس بل میں جاتا ہے۔ آج بھی اس موضوع کو الا ماشاءاللہ عجیب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہم کسی کا نہیں اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ یہاں تو خوش فہمیاں ہیں، لیکن بوقت موت طوطے اڑ جائیں گئے ۔ اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔ (آمین)

(7)۔ سب سے اہم تقاضا اور ابلیس کی چالیں

جیسا کہ ہم سابقہ لیکچرز سے اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ دین کا سب سے اہم تقاضا: (لاالٰہ الا اللہ) ہے، جسے اولین فرصت میں جلد از جلد سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ لیکن اسکے باوجود بھی اکثریت اس کلمے کی تفہیم سے غافل ہے۔ جس کی بنیادی وجہ مکار ابلیس ہے، جس نے ساری انسانیت کی جڑ کاٹ دینے اور اِسے اغوا کرلینے کا فیصلہ کیا ہے، مگر سوائے گنے چنے چند لوگوں کے۔ جیسا کہ پروردگار نے واضح کیا:

ترجمہ: ''(شیطان ازراہِ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی ہے وہ (انسان) جسے تُو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تُو مجھ کو مہلت دے قیامت کے دن تک تو میں اولادِ (آدم) کی جڑ کاٹ کر رکھ دوں گا، سوائے چند لوگوں کے۔'' (بنی اسرائیل: آیت :62)

توحید کی مذکورہ حقیقت سے دور کرنے کیلئے ابلیس درج ذیل انتہائی طاقتور چالوں کے ذریعے انسان کواُچک لیتا ہے: (۱)۔غیر سنجیدہ طرزِ عمل پرلانا یعنی شدید ترین قرآنی تنبیہات کو ہلکا جاننا، (۲)۔توحید و شرک کی اصطلاحات کولوگوں کی نظروں میں بُرا بنا کر توحید و شرک کی تفہیم سے بہکا دینا، (۳)۔سُلا دینا: کلمہ گوشرک کا ارتکاب کر ہی نہیں سکتا اسلیئے فکر کی کوئی ضرورت نہیں، (۴)۔خالق کو پس پشت کر دینا اور مخلوق میں گم کر دینا، (۵)۔اصل اور جواز: دین کے اصل تقاضوں کو نظرانداز کرا دینا جبکہ جواز کو اصل بنا لینا، (۶)۔بے جا خوش فہمیاں: اصلاح وتقویٰ کے بغیر رحمت الٰہی کی بے جا امیدیں اور خوش فہمیاں پیدا کرنا، اور (۷)۔فہم قرآن سے دوری۔بغیر سمجھے محض رسمی تلاوت پر اکتفا کرانا۔

پس! اپنا محاسبہ کریں کہ کہیں آپ اس مکار کے جال میں تو نہیں پھنس چکے۔ان چالوں سے تفصیلی آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (توحید کا جامع تصور)

(8)۔توحید کی تفہیم

اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ توحید سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔سب سے پہلے ہم یہ جانتے ہیں کہ توحید دین کی اولین بنیاد کیوں ہے؟ اسکی درج ذیل پانچ بنیادی وجوہات ہیں: (۱)۔کائنات سمیت ہمارا وجود خالق کی عنایت ہے، (۲)۔زندگی کی سب رونقیں اور کائنات کا قائم ودائم ہونا خدائے واحد کی بدولت ہے، (۳)۔موت کے بعدنئی زندگی اور جنت کی اُخروی راحتیں پروردگار کی ہی بدولت ہیں، (۴)۔توحید آوازِ فطرت ہے، (۵)۔توحید ہی امن وسلامتی کی ضامن ہے۔توحید پر بنیادی معلومات کے بعد اب توحید کی تفہیم، اِسکی مختلف شکلیں اور اِنکی وضاحت پیشِ خدمت ہے تاکہ اصل جوہر کی پہچان کر کے اِسے زندگی کا حصہ بنایا جاسکے۔توحید کیا ہے؟

> ''توحید اللہ تعالیٰ کو ایک اور یکتا ماننا ہے،توحید لغوی طور پر ایک بنانا یا اکائی پر اصرار کرنا ہے۔یہ عربی لفظ 'وحدٗ' سے لیا گیا ہے جسکا معنی ایک کرنا، اکیلا اور بے مثال ہونا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور حقوق کو ہر طرح کی دوئی اور شرک سے پاک تسلیم کرنا توحید ہے۔توحید کی ضِد شرک ہے ۔شرک کی جملہ آلائشوں سے اپنا دامن بچا لینا توحید کی راہ ہے۔'جو ابلیسی دھوکوں میں آ کر کہ کلمہ گو شرک کر ہی نہیں سکتا اور وہ توحید کو سمجھنے اور شرک سے بچنے سے غافل ہو گیا وہ سب کچھ کھو بیٹھا۔''

توحید کے حوالے سے قرآن وسنت میں درج ذیل بنیادی شکلوں کا بیان آیا ہے۔(1) توحید ذات (2) توحید ربوبیت (3) توحید الوہیت (جو کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکز ومحور تھا)، اور (4) توحید اسماء وصفات۔

انکی مختصر آگاہی کیلئے اگلے لیکچرز کا انتظار کریں اور تفصیلی آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

(توحید کا جامع تصور)

(9)۔توحید کی اقسام

اختصار کی خاطر اِس لیکچر میں پہلے ہم توحید کی تین اقسام: توحیدِ ذات، توحید ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات کی مختصر تعریف بیان کرنے کے بعد اگلے لیکچرز میں توحیدِ الوہیت جو کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکز ومحور تھی اُسے قدرے تفصیل سے بیان کریں گے۔ توحید ذات: اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات میں واحد اور بے مثل ماننا کہ نہ اُس کی بیوی ہے، نہ اولاد، نہ ماں ہے نہ باپ۔ وہ خالق ہے اُس کے سوا ہر چیز مخلوق ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا یعنی ازلی، ابدی ہے باقی سب چیزیں مخلوق ہیں یعنی اُسی کی پیدا کردہ ہیں۔ توحید کی مذکورہ شکل کا مفصل بیان سورہ اخلاص میں ہوا ہے۔

توحید ربوبیت: قرآن حکیم کی آیات کی روشنی میں ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ:

(۱)۔خالق یعنی ہر شے کو پیدا کرنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں، (۲)۔حقیقی مالک صرف اللہ ہی ہے باقی سب کی ملکیتیں اُسکی عطا کردہ اور عارضی ہیں، (۳)۔حقیقی رازق صرف وہی ہے، باقی سب عارضی طور پر خالق کے عطا کردہ رزق کی تقسیم کرنے والے ہیں۔ (۴)۔ ماتحت الاسباب میں اپنے اپنے دائرہ کار میں ہر کوئی مدبر ہوسکتا ہے، لیکن مدبرِ کائنات اللہ کے سوا اور کوئی نہیں۔

توحیدِ اسماء وصفات: اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفات میں اُسے واحد اور بے مثل ماننا۔ اُسکی صفات کو بعینہٖ مخلوق میں ماننا شراکت تصور ہوگا۔ اِس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم اور صفتِ اختیار واقتدار میں ابلیس نے لوگوں کو شراکت پر اُکسایا ہے جسکی نشاندہی ہم ان شاء اللہ توحیدِ الوہیت میں کریں گے۔

(10)۔توحیدِ الوہیت

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا محور 'توحید الوہیت' ہی تھا۔ نجات کی راہ میں یہ انسانیت پر سب سے بڑا امتحان ہے۔ جو اس امتحان کو پاس کر گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور جو ناکام ہو گیا وہ سب کچھ کھو بیٹھا۔ کلمے کا پہلا حصہ (لاالٰہ الا اللہ) توحیدِ الوہیت پر مبنی ہے۔ انسان اِسی توحید کے اقرار کی بدولت کفر سے اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ یہ عظیم کلمہ زبان سے ادا کرنے کے لحاظ سے تو بہت آسان ہے۔ لیکن اِسے حقیقی طور پر سمجھنا اور اسے عمل میں لے کر آنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ اگر اسے تسلیم کرنا آسان ہوتا تو لوگ اس کلمہ پر انبیاءؑ کے دشمن بن کر اُن کی جانوں کے درپے نہ ہوتے۔ ہم عجمی تو چونکہ اِس کلمہ کی حقیقت سے نا آشنا ہیں، اسلئے زبان سے اسکا ورد بھی کرتے جاتے ہیں اور عملاً اس کلمہ کی دھجیاں بھی اڑاتے جاتے ہیں۔ توحیدِ الوہیت بڑی مشکل گھاٹی ہے۔ کوئی خوش نصیب ہی اسے سر کرے گا۔

توحید الوہیت: ''لاالٰہ الا اللہ '' ہے جسکا آسان سا معنی ہے ''نہیں کوئی **معبود** سوائے اللہ کے''۔ کلمے کے پہلے حصے (لاالٰہ) میں شرک کی نفی ہے یعنی کلمہ گو اپنی زبان سے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اللہ کی الوہیت میں کسی کو شریک نہیں کرے گا۔ اور دوسرے حصے (الا اللہ) میں توحید کا اثبات ہے کہ معبود اللہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ کلمے کے سارے الفاظ بہت آسان اور عام فہم ہیں سوائے ایک لفظ یعنی **معبود** کے۔ ظالم شیطان نہ تو اِس لفظ کو سمجھنے دے گا، اگر سمجھ آ گیا تو عمل پیرا نہ ہونے دے گا، سوائے چند خوش نصیبوں کے۔ الوہیت کے اِس اہم ترین امتحان کے تناظر میں درج ذیل تین بنیادی چیزوں کو سمجھنا ضروری ہے: (1)۔الٰہ کی صفات کا معنی ومفہوم؟، اور (2)۔عبادت کا معنی ومفہوم، اور (3)۔کارساز کا ادراک۔ مزید آگاہی کیلئے اگلے لیکچر کا انتظار فرمائیں۔

(11)۔ الٰہ کی صفات

الٰہ کا مطلب ہے ''معبود'' یعنی وہ ذات جس کی عبادت کی جائے۔ توحیدِ الوہیت یہ ہے کہ: ''اللہ کے سوا کسی اور کو معبود کے درجے پر فائز نہ کیا جائے۔ یعنی اللہ کے سوا کسی اور کی پوجا و پرستش نہ کی جائے۔ پوجا و پرستش کی تمام شکلیں صرف اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کیلئے مختص ہوں''۔

الٰہ کی صفات: الٰہ کی صفات کے بیان پر قرآنِ حکیم میں کثرت سے آیات موجود ہیں۔ قرآنی آیات کی روشنی میں الٰہ کی درج ذیل تین بنیادی صفات سامنے آتی ہیں جو صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں جن کا مخلوق پر اطلاق کرنا مخلوق کو درجہ الوہیت پر فائز کرنا تصور ہوگا: (۱)۔ خالق: یعنی ہر شے کو امر کن سے تخلیق کرنے والا، زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو نکالنے والا، زندگی عطا کرنے والا، موت دینے والا اور موت کے بعد زندگی کا دوبارہ سے اعادہ کرنے والا۔ (۲)۔ عالم الغیب (ما کان و ما یکون): یعنی جو کچھ تھا اور جو کچھ ہونا تھا، کائنات کی ہر غیب اور پوشیدہ اشیاء کا تفصیلی و کلی علم رکھنے والا۔ جو تمام مخلوقات کے احوال سے ہر وقت مکمل آگاہ ہو، مخلوقات ہر لحہ جس کی نظروں میں ہوں۔ (۳)۔ مختارِ کل: یعنی ساری کائنات کا مالک و مختار، ہر شے پر تصرف و اختیار اور کامل قدرت رکھنے ہر قسم کے حالات کو تبدیل کرنے والا صرف اور صرف اللہ ہے، اُسکے سوا کوئی اور نہیں۔ کسی بھی معاملے میں اِس پر کسی کی کوئی زور زبردستی نہیں چل سکتی۔ اسکے علاوہ دیگر صفات: (۱)۔ مالکِ حقیقی، رازقِ حقیقی، (۲)۔ مدبر کائنات (کائنات کے تمام امور کی تدبیر فرمانے والا)، (۳)۔ ازلی ابدی (خود سے زندہ، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اُسے کبھی موت نہیں آئے گی)، (۴)۔ نہ نیند نہ اونگھ، نہ تھکن نہ تھکاوٹ، نہ کھانے پینے کی حاجت۔ سبحان اللہ! ایسی عظیم صفات کی حامل ہستی واقعتاً 'معبود' ہونے کے لائق ہے۔ انسان کی عظمت اور خوش بختی ہے کہ ایسی عظیم ہستی کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔ آیات کے حوالہ جات کی روشنی میں ان صفات کی تفہیم کیلئے دیکھئے ہماری تحریر (توحید کا جامع تصور)۔

(12)۔ الٰہ کے مفہوم کا خلاصہ

صفت ''الٰہ'' کا تعلق اتھارٹی (Aauthority) کے ساتھ ہے۔ یعنی ایسی ہستی جو:

''سُپر پاور ہو، جو مختارِ کُل ہو، قادرِ مطلق ہو۔ جس کا کامل علم، تصرف، اختیار و اقتدار، قبضہ و قدرت کائنات کی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ جو سب پر غالب ہو۔ جس پر کوئی غالب نہ آسکتا ہو۔ جس کے فیصلوں کو کوئی ٹال نہ سکے، جس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ بن سکے۔ جو حقیقی مشکل کشا، حاجت روا، لجپال اور دستگیر ہو۔ جسے مخلوقات اپنا کارساز، اپنا پناہ دہندہ اور حتمی سہارہ سمجھیں اور اُسکے دامن سے وابستہ ہو کر، اُسے مسجود بنا کر، زندگی اُسکے قانون کے تابع کر کے، اُسکی عبادت اختیار کر کے دنیا و آخرت کے ہر خوف و اندیشے سے آزاد ہو کر قابلِ رشک بن جائیں۔ مذکورہ صلاحیتوں کی حامل ہستی کیلئے کامل علم (عالم الغیب) اور کامل اختیار (مختارِ کُل) ہونا ناگزیر ہے''

اسی حقیقت کا اقرار بندہ (لا الٰہ الا اللہ) کے الفاظ کے ساتھ کرتا ہے کہ اِن صفات کا حامل وہ اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں سمجھے گا۔ لہٰذا وہ اُس کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں جھکے گا، اس کے سوا کسی اور کی عبادت، پوجا و پرستش نہیں کرے گا۔ یوں اللہ اپنے بندے کیلئے جو بہتر سمجھے اُسکے لئے فیصلہ کرے۔ اگر وہ بہتر سمجھے تو دشمنوں سے بچالے یا قربانی قبول کر کے جلد ابدی راحتوں سے سرفراز فرمادے۔ دونوں کا نتیجہ خیر ہی خیر ہے۔ لہٰذا ابلیس سے بچیں، آگے بڑھیں اور اِس سب سے اہم عنوان ''الٰہ'' کو اولین فرصت میں سمجھنے کا پختہ عزم کریں۔ مزید معلومات کیلئے اس سے اگلا لیکچر اور تفصیل کیلئے ہماری تحریر: (توحید کا جامع تصور) کا مطالعہ کریں۔

(13)۔اُلوہیت کا دوسرا تقاضا: عبادت

جیسا کہ ہم جان چکے کہ کلمے کے پہلے حصے (لا الٰہ الا اللہ) کے دو بنیادی تقاضے ہیں: (۱)۔اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، (۲)۔اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں۔الٰہ پر آگاہی کے بعد اب ہم عبادت کو سمجھیں گے۔جن وانس کو تخلیق کرنے کی بنیادی غایت ہی عبادت ہے، دیکھئے (سورہ ذاریات:56)

عبادت دو چیزوں پر مشتمل ہے: ایک اِسکا ظاہر یعنی "جسد" ہے اور دوسری اسکی اصل یعنی اسکی "روح" ہے۔عبادت کا جسد مراسمِ عبودیت یعنی: دست بستا قیام، سجدہ ورکوع، طواف...وغیرہ ہے۔یعنی ہمہ تن جھکاؤ، اطاعت وغلامی کرنا۔وہ چیز جو اس اطاعت کو عبادت بنا کر خالق کے سامنے رام کر دیتی ہے، وہ اسکی اصل حقیقت، روح اور نیت ہے، یعنی:

"جذبہ خشیت ومحبت سے سرشار ہو کر اِس عقیدہ ونظریہ کے ساتھ کہ: اللہ میرے سیاہ وسفید پر مکمل قدرت واختیار رکھنے والا ہے، فائدہ ونقصان اُسی کے ہاتھ میں ہے۔وہ سب پر غالب ہے، کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا۔لہٰذا، اللہ کا مطیع وفرمانبردار ہوجانا، اُسکے لئے انتہاء درجے کی عاجزی وپستی اختیار کرلینا، اُس پر مکمل بھروسہ کرنا، اُسے اپنا کارساز بنالینا......عبادت ہے۔"

یہ طرزِ عمل صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے۔نماز میں ہم اسی حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ (التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات)۔یعنی ہر قسم کی قولی، فعلی (بدنی) اور مالی عبادت صرف اللہ ہی کیلئے خاص ہے۔یعنی ہماری زبان (قول)، ہمارا فعل (بدن) اور مال واسباب، اللہ کے حکم، اُسکی حدود سے باہر استعمال نہیں ہوں گے۔عبادت کے جسد کی درج ذیل شکلیں ہیں:

(۱)۔نماز، (۲)۔روزہ، (۳)۔زکوٰۃ، (۴)۔حج، طواف، (۵)۔قربانی، (۶)۔نذرونیاز، (۷)۔دعا یعنی بلااسباب مصائب وآلام میں پکارنا، (۸)۔نفس پرستی اور دنیا پرستی سے بچنا: یعنی حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا نفس کی عبادت تصور ہوگا۔دین پر قائم رہتے ہوئے، حالات کی رو میں جہالت سے اللہ کی نافرمانی ہوجانا گناہ کہلاتا ہے، جبکہ کسی بھی نافرمانی کو دیدہ دلیری سے دانستہ طور پر اختیار کرلینا نفس وشیطان کی عبادت کرنا ہے جس سے ہر ممکن بچنا ہے۔

(14)۔اُلوہیت کا تیسرا تقاضا: کارساز

توحیدِ الوہیت کے تین بنیادی تقاضوں: "الٰہ، عبادت اور کارساز" میں سے الٰہ اور عبادت پر آگاہی کے بعد اب ہم "کارساز" کے تصور کو سمجھیں گے۔

کارساز: کارساز کا مطلب ہے: وکیل، ذمے دار، بگڑی بنانے والا، سنبھالنے والا، پناہ دہندہ.... جس پر کامل بھروسہ کیا جاسکے۔پروردگار نے فرمایا:

﴿اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا o﴾ (بنی اسرائیل: آیت:2)

''کہ تم میرے سوا ہرگز کسی اور کو کارساز نہ بنانا۔''

قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں کارساز کے ضمن میں نکات کا خلاصہ یوں ہے:

(۱)۔حرف آخر صرف اللہ کو سمجھنا اُس سے اوپر کوئی اور نہیں۔ وہ اگر کسی کو کوئی فائدہ ونقصان دینا چاہے تو کوئی اُسکی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا،(۲)۔دنیاوی خطرات اور اندیشوں کی بنا پر دین پر عمل پیرا ہونے، اللہ کے حکم کی بجا آوری سے گریز کرنا نفس وشیطان کو کارساز بنانا تصور ہوگا،(۳)۔اللہ کو حقیقی کارساز سمجھتے ہوئے صرف جائز اسباب تک محدود رہنا ہے۔جبکہ فائدے ونقصان کی خاطر ناجائز اسباب کو اختیار کرنا نفس وشیطان کو کارساز بنانا قرار پائے گا۔ مزید یہ کہ: جائز اسباب سے مستفید ہوتے ہوئے بہت حریص ہوجانا،لوگوں سے بار بار سوال کرنا،لوگوں کے پیچھے پڑ جانا توکل کے منافی ہے،(۴)۔قانون وقاعدے کے تحت:عزت ووقار کو قائم رکھتے ہوئے لوگوں کی طرف جھکاؤ،اُن کی عزت،انکا احترام درست ہے،لیکن حد درجہ ذلت وپستی،خشوع،رکوع وسجود کرنا،انہیں کارساز بنانا قرار پائے گا،(۵)۔ماتحت الاسباب کی طرح مافوق (عقل کو عاجز کرنے والے) امور پر مخلوق کو قابض جاننا کہ جیسے چاہے انسان اس میں دسترس کرے اور بلا اسباب مخلوق کو حاجات کیلئے پکارنا،ان سے فریاد رسی کرنا.... .... مخلوق کو الٰہ اور کارساز بنانا تصور ہوگا۔اسی لئے انبیاء علیہم السلام سمیت اہل ایمان کا یہی وردر ہا کہ:﴿حسبنا اللہ ونعم الوکیل o﴾۔''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا خوب کارساز ہے۔''

پس اللہ ہی کو کارساز بنا کر،نتائج اُسکی سپرد کرکے،قابلِ رشک ہوجائیں۔

(15)۔توحید کے نتائج (محبت ووابستگی)

شرک کی نجاست سے دامن کے بچنے اور نورِ توحید کی عظیم دولت نصیب ہونے سے اللہ سے حقیقی تعلق نصیب ہوجاتا ہے جس کی درج ذیل بنیادیں ہیں: (۱)۔محبت ووابستگی، (۲)۔توکل وتفویض

(۱)۔محبت ووابستگی (Attachement): حقیقی ایمان کی بدولت خالق کے ساتھ مضبوط تعلق، دلی وابستگی اور شدید محبت نصیب ہوجاتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾(البقرہ:آیت:165)

''اور وہ لوگ جو ایمان والے ہیں،اُنکی اللہ کے ساتھ محبت بہت شدید ہوتی ہے۔''

اور پروردگار سے یہ شدید محبت ووابستگی کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اِسکے لئے پہلی بنیادی شرط ایمان لانے کے بعد اپنے دامن کو شرک کی نجاست سے پاک کرنے کے بعد اللہ کے احکامات اور اُسکی حدود کی سختی سے پاسداری کرنا ہے،جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ o﴾(الحج:آیت:78)

”پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمھارا مولیٰ (جگری دوست) ہے، تو وہ کتنا خوب دوست ہے اور کتنا خوب مددگار۔“

اسی ضمن میں مزید فرمایا:

﴿وَ مَنۡ یُّسۡلِمۡ وَجۡهَهٗۤ اِلَی اللّٰهِ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰی﴾ (سورہ لقمٰن: آیت: 22)

”اور جس نے اپنا چہرہ جھکا دیا اللہ کے رُبرو اور وہ نیکوکار بھی ہو، تو اُس نے تھام لیا ایک مضبوط سہارہ۔“۔

یعنی نجاستِ شرک سے بچ کر زیورِ توحید سے آراستہ ہو کر پروردگار کا مطیع و فرمانبردار بن جانا ہی انسان کی سلامتی کا ضامن ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (توحید کا جامع تصور)۔

(16)۔ توحید کے نتائج (توکل و تفویض)

سابقہ لیکچر میں محبت وابستگی پر رہنمائی کے بعد اب ہم توکل و تفویض پر آگاہی حاصل کریں گے۔

توکل (بھروسہ): جائز ذرائع کے استعمال میں نظر مسبب الاسباب پر رکھنا اور درست راہ پر گامزن رہ کر نتائج میں خوف و خدشات کی پروانہ کرنا توکل کہلاتا ہے۔ اس ضمن میں پروردگار نے فرمایا:

☆ ﴿وَتَوَکَّلۡ عَلَی الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا یَمُوۡتُ﴾ (فرقان: آیت: 58)

”اور بھروسہ کرو اُس ذات پر جسے موت نہیں آئے گی۔“

☆ ﴿ وَ عَلَی اللّٰهِ فَتَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ o﴾ (مائدہ: آیت: 23)

”اور اللہ ہی پر توکل اختیار کرو اگر تم واقعتاً مومن ہو۔“

☆ ﴿وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ﴾ (الطلاق: آیات: 2-3)

”اور جو اللہ پر بھروسہ اختیار کرتا ہے تو وہ اللہ اُسکے لئے کافی ہو جاتا ہے۔“

تفویض: ”تفویض“ کا مطلب ہے جائز کوشش کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر کے ہر قسم کے خوف و خطر اور اندیشوں سے آزاد ہو جانا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿ وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ o﴾ (المومن: 44)

”اور میں اپنا معاملہ اللہ کی سپرد کرتا ہوں یقیناً اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔“

انبیاء علیہم السلام سمیت اہل ایمان کا وردیہی ہے کہ: ﴿حسبنا اللہ ونعم الوکیل o﴾۔ ”ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا خوب کارساز ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کا اللہ پر بھروسہ کیسا تھا؟ ملاحظہ کیجئے:

”اے اللہ میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا۔ میں تجھ پر ایمان لایا۔ میں نے تجھ پر ہی بھروسہ

کیا۔تیری ہی طرف میں نے رجوع کیا اور تیری وجہ سے ہی میں نے (دین کے دشمنوں) سے جھگڑا کیا۔اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔تیرے غلبے کے ذریعے سے میں پناہ مانگتا ہوں،اس بات سے کہ تو مجھے سیدھے راستے سے بھٹکا دے۔تو زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی جبکہ تمام جن و انس مر جائیں گے۔'' (بخاری و مسلم)

یہ محض الفاظ نہیں، بلکہ یہ یقین و عمل کی عظیم داستان ہے۔سوال تو یہ ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

(17)۔توحید کے ثمرات

توحید محض کسی عقیدے یا اصطلاح کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی کی وہ سب سے بڑی حقیقت ہے جو انسان کو اپنے خالق سے شرک سے پاک حقیقی تعلق استوار کر کے عملی زندگی پر ایسے عظیم اثرات مرتب کرتی ہے جس سے انسان قابل رشک بن جاتا ہے۔توحید کی عظیم سعادت سے انسان کو اپنے پالنہار کے ساتھ شدید محبت و وابستگی، خالق کی ہمہ تن بندگی و یاد نصیب ہو جاتی ہے، جو انسان کو مخلوق کی غلامی و پرستش سے نجات دلا کر اللہ کو اپنا حقیقی کارساز، مشکل کشا، داتا، حاجت روا اور لجپال بنانے کی عظیم سعادت سے بہرہ مند کر کے اللہ پر توکل و تفویض کی دولت سے مالا مال کرنے کا باعث بنتی ہے۔توحید کے زیور سے آراستہ خوش نصیب اپنے پروردگار کی ہمہ تن بندگی و یاد سے قلبی اطمینان و سکون کی بہاریں پاتا ہے۔زیورِ توحید سے آراستہ ہونے پر توحیدِ عملی کے درج ذیل یقینی نتائج و ثمرات نصیب ہوتے ہیں جو دنیا و آخرت کی کل متاع ہیں:

(1)۔کمر توڑ دنیاوی صدمات میں عظیم سہارہ و حوصلہ اور مخلوق کی غلامی سے نجات، (2)۔ایمان و عمل کی مضبوطی کی فولادی قوت اور قرب الٰہی کی بہاریں، (3)۔یکسوئی (حنیفا) والی زندگی کا نصیب ہونا جس میں ایک انسان کروڑوں عام لوگوں پر بھاری ہو جاتا ہے، (4)۔منعمِ حقیقی کی شکر گزاری کی توفیق ملنا، اور (5)۔عظیم لا فانی اخروی فلاح کی نوید۔

یہی دنیا و آخرت کی سب سے بڑی بلکہ کل متاع ہے۔ان عظیم ثمرات کو پانے کیلئے شرک سے دامن بچانے اور پختہ توحید کو اپنانے کا امتحان پاس کرنا ہے، جس کا مطلب ہے:

(۱)۔اللہ کے سوا کسی کو معبود کی صفات کا حامل ٹھرانے سے بچنا، (۲)۔اللہ پر توکل و تفویض اختیار کرنا، (۳)۔اللہ کے کارساز ہونے کا صحیح تصور ہونا، (۴)۔ہمہ تن اُسکی یاد اور بندگی اختیار کرنا، اور (۵)۔اللہ سے شدید محبت و وابستگی ہونا۔

پس اِس عظیم سعادت کو پا کر قابلِ رشک بن جائیں۔

(18)۔دائمی سہارہ (حصہ اول)

دنیا اسباب کے تحت چلائی گئی ایک امتحان گاہ ہے۔یہاں جینے کیلئے خالق نے بہت سے عارضی سہارے بنائے ہیں جیسے: والدین (عظیم نعمت)،بہن بھائی،بیوی بچے،رشتے دار اور دوست احباب..... جوزندگی تک ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔لیکن زندگی میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہی یہ سہارے کمزور پڑتے جاتے ہیں۔بچپن میں سب سے زیادہ الفت والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ،جوانی کے بعد الا ماشاء اللہ اکثریت کو صرف اور صرف اپنے ذاتی مفاد کی ہی فکر گھیر لیتی ہے۔پھر خدائی قانون کے تحت شادی کے بعد اگلی نسل کی کفالت کا تقاضا کھڑا ہو جاتا ہے۔اب چارو ناچار انسان کی توجہ کا مرکز اُسکی بیوی اور بچے بن جاتے ہیں۔گردشِ ایام کی چکی میں انسان یوں پستا ہے کہ الا ماشاء اللہ بیوی بچوں کے سوا دیگر رشتوں سے تعلق رسمی سارہ جاتا ہے،بلکہ کئی لوگوں کی تو رشتے داروں سے بول چال بھی ختم ہو جاتی ہے۔یونہی اِس دنیا دار انسان کے اپنے بچے جب جوان ہوتے ہیں،تو وہ بھی ماں باپ،بہن بھائیوں.... کو بوجھ سمجھتے ہوئے اُن سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔مزید یہ کہ یہ باہمی سہارے بھی ہر وقت میسر نہیں رہتے۔گردش ایام ،زندگی کے تقاضے: روٹی روزی کی فکر انسان کو گھر بے گھر کر دیتی ہے۔تاہم زندگی تک تو یہ عارضی سہارے کسی حد تک انسان کے کام آتے ہی رہتے ہیں،لیکن زندگی کا تو کوئی بھروسہ نہیں۔اجل نہ بچہ دیکھتی ہے نہ بوڑھا،نہ بیمار نہ تندرست.... مہلت پوری ہونے پر اجل ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر کام تمام کر کے ابدی انجام کیلئے ہمیشہ زندہ رہنے والے خالق کے روبرو پیش کر دیتی ہے۔

پھر زندگی کی مہلت ختم ہوتے ہی جلد از جلد قبر کے حوالے کر کے لوگ بوجھ اتار کر کچھ ہی دنوں بعد معمول کی زندگی پر آجاتے ہیں۔چند ماہ یا سال گزرنے کے بعد مردہ ایک افسانہ بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ لوگ اِس کا نام بھی بھول جاتے ہیں۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قبر کا نشان بھی مٹ جاتا ہے،پھر اگلی نسلیں اِسی جگہ پر نئے مردے دفن کر دیتی ہیں۔یہ ہے انسان کی <u>کُل کہانی</u> جو دنیا کیلئے جیا اور دنیا کیلئے مرا۔!لیکن مر کر یہ کہانی ختم نہیں ہوئی،بلکہ دنیاوی زندگی کے محاسبے اور اخروی انجام کیلئے انسان خالق کے روبرو ابدی زندگی کے انجام کیلئے پیش ہو گیا ہے۔!(جاری ہے)۔

(19)۔دائمی سہارہ (حصہ دوم)

سابقہ لیکچر سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ: قابل ترس وہ نہیں جسے اسباب کی فراوانی میسر نہیں بلکہ اصل بدنصیب اور قابل ترس وہ ہے جو: مقصد حیات کو نہ جان سکا،اپنے دائمی سہارے کو نہ پہچان سکا اور اُسکے ساتھ تعلق و دوستی نہ بنا سکا،اُس کی توحید پر نہ آسکا،اُسے اپنا وکیل،اپنا کارساز،پناہ دہندہ،اپنا حتمی سہارہ نہ بنا سکا۔آخرت تو بعد میں آئے گی ایسے لوگوں کو تو دنیا میں بھی چین نصیب نہیں ہو پاتا۔دنیاوی اسباب ،دنیاوی سہاروں کی کمی اِن سے برداشت نہیں ہو پاتی۔خوف و خطرات،اندیشے،محرومیاں.... چین نصیب

نہیں ہونے دیتیں۔اسباب کی نفی تو نہیں کی جاسکتی،لیکن وہ خوش نصیب جو قرآن سے: حقیقی مقصدِ حیات کا سراغ پا گیا، اپنے پیدا کرنے والے کی معرفت حاصل کر گیا، مسبب الاسباب تک پہنچ گیا، اُسکی توحید پر ڈٹ گیا، اُسکی بندگی کو اختیار کر گیا، اُسے اپنا وکیل، ذمے دار، اپنا کارساز اور اپنا حتمی سہارہ بنالیا وہ عافیت، امن وآتشی اور سکون واطمینان پا گیا۔آئیں اِس دائمی سہارے سے لو لگا کر، اِس کے دامن رحمت میں پناہ لے کر دنیا وآخرت کے رنج وغم سے نجات پا کر قابل رشک بن جائیں۔

اگر آپ واقعتاً اس عظیم سعادت کو پانا چاہتے ہیں تو پھر جلد از جلد ''الٰہ، عبادت اور کارساز'' کی حقیقت سے آگاہی کیلئے درج ذیل تحریر سے استفادہ کریں: (توحید کا جامع تصور)

(20)۔واحد پناہ گاہ

تنہائی میں: بیٹھ کر کبھی انسان سوچے کہ اگر اُسے اکیلے تن تنہا زندگی بسر کرنا پڑ جائے، جہاں نہ کوئی رشتے دار ہو، نہ پڑوسی، نہ دوست اور نہ ہی کوئی اور انسان..... تو اُسکا کیا بنے گا؟ یقیناً خوف دہشت ہوگی، بلکہ یہ تصور ہی ہلاک کر دینے کیلئے کافی ہوگا۔ تو پھر یاد رکھیں: مرنے پر یہ وقت آنے والا ہے۔دنیا کے چندروزہ امتحان کیلئے خالق نے عارضی سہارے دیئے تھے تاکہ اِس امتحانی وقفہ سے گزرا جاسکے، جو صرف دنیا تک ساتھ رہتے ہیں، بلکہ یہ سہارے وقت کے ساتھ ساتھ ہی کمزور پڑتے جاتے اور ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں۔ سب ساتھ چھوڑ گئے: اجل آتے ہی بے حد محبت کرنے والے اقربا کو تدفین کی فکر پڑ جاتی ہے اور ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر مٹی کے حوالے کر کے یہ عارضی سہارے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔اب تو صرف انسان کے اعمال نے ساتھ جانا ہے۔پھر جب قبروں سے اٹھایا جائے گا تو نفسا نفسی کا عالم ہوگا: بھائی بھائی سے، ماں بیٹے سے اور بیٹا ماں سے.. بھاگے گا، سب رشتے داریاں ٹوٹ جائیں گی دیکھئے: (المومنون: آیت: 101)۔اب تو مکمل طور پر انسان اللہ کے حوالے ہو گیا، بروز قیامت اللہ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی، جیسا کہ پروردگار نے متنبہ کیا:

> ترجمہ: ''کہے گا اُس دن انسان کہ آج میں کہاں بھاگ جاؤں (ہے کوئی جائے پناہ؟) ہرگز نہیں، (اب تو صرف) اپنے رب کے ہاں ہی ٹھرنا ہوگا، بتا دیا جائے گا اُس دن انسان کو اُسکا اگلا پچھلا کیا کرایا، بلکہ خود ہی انسان اپنے اوپر آپ خود حجت ہے اگرچہ وہ کتنی ہی پیش کرے معذرتیں۔'' (القیامہ: آیات: 10-14)

بھلا دیا جائے گا: وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے احکامات سے غفلت اختیار کی، خواہشاتِ نفس کی تکمیل کو ہی زندگی سمجھتے رہے اور اِسی پر اتراتے رہے، بروز قیامت اللہ کے واحد سہارے سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، ارشاد ہوگا: ﴿ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ﴾۔''تو جس طرح یہ لوگ اِس دن کی ملاقات کو بھولے رہے، آج ہم بھی اِنہیں بھلا دیں گے'' (الاعراف: آیت: 51)۔پس فوراً اللہ کے ساتھ وابستہ ہو کر، شرک سے نجات پا کر، اُسکی توحید

کواپنا کر اپنے آپ کو بچالیں جسکے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

(21)۔سب سے بڑی بے وقوفی!

جیسا کہ پروردگار نے انسانیت کو مختلف انداز سے خبردار کر دیا ہے کہ بروزِ قیامت ہر گناہ کی معافی کا امکان موجود ہے، لیکن شرک پر معافی کی بالکل بھی کوئی گنجائش موجود نہیں۔لہٰذا نجاستِ شرک کی جملہ اشکال کو سمجھنے ،اُن سے اپنا دامن بچانے کی شدید تڑپ نہ ہونا اور زیورِ توحید سے آراستہ ہونے کا شدید شوق وجذبہ نہ ہونا درحقیقت سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔اَن گنت شیطانی چالوں میں جکڑے جانے کی وجہ سے دنیا میں اِس ضمن میں انسان کے کان پر جوں نہیں رینگتی اور وہ اِسے سمجھنے اور بچنے کی طرف آمادہ نہیں ہوتا۔لیکن بوقت موت ہوش اُڑ جائیں گے۔اِس ضمن میں پروردگار نے سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) جن کا امتیازی وصف قرآنِ حکیم نے ''شرک'' سے شدید نفرت بیان فرمایا ہے اور اِسی امتیازی وصف کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے رسول ﷺ کو بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''پھر ہم نے وحی کی تمہاری طرف کہ پیروی کرو ملتِ ابراہیم کی، جو یکسو تھا اللہ کی طرف اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔'' (النحل:123)

پھر پروردگار نے اِس ملتِ ابراہیمی سے منہ پھیرنے والوں کو بے وقوف قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَ مَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ﴾ (البقرہ:130)

''ابراہیم کی ملت (یعنی طرزِ دین) سے تو وہی بے رغبتی کرے گا، جو (محض) بے وقوف ہو۔''

اللہ ہماری اصلاح فرمائے، الا ماشاء اللہ اکثریت اِسی بے وقوفی کی راہ پر گامزن ہو کر اپنی آخرت داؤ پر لگا چکی ہے۔لہٰذا ابھی مہلت موجود ہے، قرآن کے بیان کردہ اِن حقائق کو سنجیدہ لے کر، بے جا خوش فہمیوں کی بنا پر اپنی آخرت کا سودا کرنے سے اپنے آپ کو بچالیں۔

ا

(22)۔کوئی پریشانی نہیں!

خوف وحُزن کے سیاہ بادل انسان کوچین سے جینے نہیں دیتے۔مادی ذرائع کے تحت ہرکوئی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اِن سے چھٹکارے کیلئے کوشاں ہے،لیکن جان نہیں چھٹتی۔یادرکھیں! اپنے خالق کی پناہ میں آنے (اس سے مضبوط تعلق) کے سواذلت سے نجات کا کوئی اورراستہ نہیں،پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ:''آگاہ ہوجاوٗ اللہ کے دوستوں پرنہ کوئی اندیشہ ہےاورنہ وہ حُزن کا شکارہوں گے۔''(سورہ یونس:آیت:62)۔

خوف یعنی مستقبل میں آنے والے خطرات: جان ومال چھن جانے کا ڈر...، اور حزن:گزشتہ زندگی پر خدشات...سب سے نجات مل گئی۔اس مقام کوپانے کیلئے دوہی شرائط ہیں:حقیقی ایمان اورتقویٰ،جیسا کہ فرمایا گیا:

ترجمہ:''یہ(اولیاءاللہ) وہ لوگ ہیں جوایمان لائے اورتقویٰ اختیارکیا۔''(سورہ یونس:آیت:63)

پس!اگراللہ ساتھ ہےتو کوئی پریشانی نہیں۔خواہ کوئی بھی حالت ہو:تنگی ہویاخوشحالی...اُس کےدامنِ کرم میں آئے بغیرکوئی زندگی نہیں۔اگراللہ ساتھ ہےتو کچھ نہ ہوتے ہوئےبھی سب کچھ موجود ہے،اوراگراللہ ساتھ نہیں توسب کچھ پاکربھی سب کچھ کھوگئے۔اسی لئے دنیامیں آنے والےتمام نبیوں (علیہم السلام) کی محنت کا اولین ہدف لوگوں کوخالق کےساتھ جوڑناہی ہوتاتھا۔یہی تقاضا تھا نبی کریم ﷺ کی دعوت کابھی،ارشادہوا:

ترجمہ:''یقیناًیہ قرآن توایک نصیحت ہے،پس تم میں سے جو چاہے(اس نصیحت کواپنا کر)اپنے رب کی طرف راہ پکڑلے۔''(سورہ مزمل:آیت:19)

مزیدفرمایا:ترجمہ:''میں تم سے اس (محنت ودعوت)پرکوئی صلہ نہیں مانگتا،مگرتم میں سے جو چاہے(اس محنت کی بناپر)اپنے رب کی طرف راہ پکڑلے۔''(سورہ فرقان:آیت:57)

اس ضمن میں قرآن کی درجنوں آیات کا نچوڑدرج ذیل عظیم حدیثِ قدسی میں بیان کیا گیاہے: ''اےابن آدم تو میری عبادت کیلئے فارغ ہوجامیں تیرے قلب کوتونگری(قناعت)سےبھردوں گا،تیری فقیری ختم کردوں گااور اگرتُو ایسے نہیں کرے گا تو میں تمہیں کاموں میں مصروف کردوں گااور تیرافقرختم نہیں کروں گا۔''(ابن ماجہ:4107،مسنداحمد)۔ عبادت کیلئے فارغ ہونے سے مراداللہ کےتقاضوں کوزندگی کی پہلی ترجیح پرلانااوردنیا کواسکے تابع کرنا ہے۔پس!ذلت سے بچ کرعزت سے جینےاورقابلِ رشک زندگی پانے کیلئے اپنے خالق سے شرک سے پاک مضبوط تعلق بناکرایمان وتقویٰ پرکاربندہوجائیں۔خوف وحزن سےنجات کیلئے دوسری اہم چیز: دنیا کی حقیقت کوجانتا اورملی ہوئی مہلت کی بھرپورقدرکرتے ہوئے زندگی ایک دن پرلانا ہے۔زندگی شروع ہی اُس دن ہوگی جب موجودہ وقت کی قدرپرآکرزندگی ایک دن پرلائیں گے۔پس فیصلہ اب آپ نے کرنا ہے!

(23)۔وقت کی واپسی(Time Reversing)

وقت کا تیز دھارا کلہاڑی کی طرح ہماری زندگی کے درخت کو بہت تیزی سے کاٹتا جا رہا ہے۔ہم بہت تیزی سے زوال پذیر ہوتے جارہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے: بچپن:جوانی میں،جوانی:بڑھاپے میں،بڑھاپا:لاغری....اور بالآخر اجل زندگی کا قصہ تمام کر دیتی ہے۔بچپن،جوانی تو سب کو بے حد پسندیدہ ہے،لیکن بڑھاپے کی ذلت سے تو ہر کوئی پناہ مانگتا ہے۔بڑھاپے میں جوانی پر شدید حسرت ہوتی ہے کہ کیا کبھی وقت الٹا چل سکے گا؟ کہ کاش ہمارا:

☆ بڑھاپا اور لاغری پھر سے طاقت وتوانائی اور خوبصورت شباب میں تبدیل ہو جائے!

☆ ہمارے مریل سفید بال پھر سے سیاہی اور چمک دمک پکڑ جائیں!

☆ ہمارا حسن،ہماری رنگ ورعنائی،چمک دمک پھر سے واپس لوٹ آئے!

☆ ہماری مرجھائی ہوئی جلد پھر سے تروتازگی پکڑ لے!

☆ ہماری موت،پھر سے زندگی میں تبدیل ہو کر ہمیں جلا بخش دے!

☆ اجل کے ہاتھوں ہمارے ابدی بچھڑے ہوئے عزیز پھر سے ہمیں مل سکیں!

کیا یہ سب کچھ ممکن ہو سکے گا؟ کبھی ہم نے سوچا،وہ کون ہے جو وقت کو الٹا(Reverse)چلا کر،ناممکن کو ممکن بنا کر پھر سے ہمیں جلا بخشے گا؟ جی ہاں یقیناً یہ سب کچھ ہو گا۔وہ واحد ہستی جس نے یہ سب کچھ کرنا ہے،وہ خالق ہے،رب العالمین اور اللہ احکم الحاکمین ہے۔اُسکے سوا اِن ناممکنات کو ممکنات میں کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔اگر آپ یہ سب کچھ پانا چاہتے ہیں،تو پھر اُس عظیم ذات سے غافل کیوں ہیں؟ پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ:"تم کیسے اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو،حالانکہ تم محض بے جان تھے پھر اُس نے تمہیں زندگی بخشی،وہی پھر تمہیں موت دے گا،پھر زندہ کرے گا،پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔وہی تو ہے جس نے تخلیق کیا تمہارے لئے وہ سب کا سب جو زمین میں ہے،پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف، سو درست بنا دیئے سات آسمان اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے"(البقرہ:آیت: 28-29)

مزید فرمایا:ترجمہ: "اے انسان آخر کس چیز نے تجھے اپنے ربِ کریم سے فریب ودھوکے میں مبتلا کر دیا؟ وہ ذات جس نے تجھے پیدا کیا،پھر تمہارے نوک پلک سنوارے،پھر تمہیں درست اور ہموار کیا،پھر جس صورت میں چاہا تمہیں جوڑ دیا۔"(الانفطار:آیت:6-8)

اِن آیات پر جتنا بھی غور کریں کم ہے۔انہیں بار بار پڑھیں،سوچیں،عبرت پکڑیں اور شیطان،نفس اور دنیا پرستی کے دھوکے سے بچ کر اپنے خالق سے شرک سے پاک مضبوط تعلق بنا اپنے آپ کو بچا لیں!

(24)۔دعا اور اُسکی قبولیت کی مختلف صورتیں

خالق سے عرض ونیاز، اُس کی تائید ونصرت، مدد ورحمت... کے حصول کیلئے "دعا" اُسکی بارگاہ عالی میں عرض ودستک ہے۔زہے نصیب کہ خالق نے ہم ناچیزوں کو دعا کے ذریعے اپنے ساتھ بات کرنے کا شرف بخشا ہے، بلکہ خالق نے اپنے بندوں سے تقاضا کیا ہے کہ وہ بار بار اُس سے مانگیں، ارشاد ہوا:

"اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔"(سورہ مومن: آیت:60)۔مزید فرمایا: "(اے نبی) جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو (اُنہیں بتلا دو کہ) بلاشبہ میں اُنکے قریب ہوں۔دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اُسکی دعا کو قبول کرتا ہوں۔تو چاہیئے کہ وہ بھی میرا کہنا مانیں (یعنی دعا کی قبولیت کیلئے اللہ کی فرمانبرداری کریں) اور مجھ پر ایمان برقرار رکھیں تا کہ وہ کامیابی پا جائیں۔"(البقرہ: آیت:186)

لیکن عموماً بظاہر تو فوراً دعائیں قبول ہوتی نظر نہیں آتیں تو پھر معاملہ کیا ہے؟ یاد رکھیں! صاحبِ ایمان کی دعا ہر حالت میں قبول ہوتی ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں حقائق کا خلاصہ کچھ یوں ہے؟

(۱)۔انسان جلد باز ہے وہ فوراً نتیجہ چاہتا ہے، جبکہ اللہ کے ہاں عموماً حکمت ومشیت کے تحت نتیجے میں وقت لگتا ہے۔انبیاءعلیہم السلام کی زندگیوں میں بھی اِسکی کئی مثالیں موجود ہیں جیسے: حکمت ومشیت کے تحت حضرت یوسف علیہ السلام کی کنویں سے نکلنے کی دعا فوراً قبول ہو جاتی تو اُنکے بھائی شاید انہیں قتل کر دیتے۔عزیزِ مصر کی بیوی کی طرف سے لگے الزامات اگر فوری دھو دیئے جاتے تو وہ جیل نہ جاتے، بلکہ شاید غلام ہی رہتے۔اگر جیل سے فوراً رہائی مل جاتی تو بادشاہ سے ملنے کا موقع نہ ملتا۔پھر ساقی کا اُن کی رہائی کیلئے بادشاہ سے اُنکی قید کا ذکر کرنا بھول جانا....اِن سب میں بہت حکمتیں ہیں جو اُنہیں بالآخر مصر کی حکمرانی تک لے جانے کا سبب بنیں۔(۲)۔جو مانگا جاتا ہے، اگر بندے کیلئے بہتر ہو تو فوراً دے دیا جاتا ہے۔یا فوری کی بجائے حکمت کے تحت اُس میں تاخیر کی جاتی ہے، (۳)۔بعض اوقات مانگی ہوئی چیز کی بجائے اُسکا نعم البدل دے دیا جاتا ہے جو نتیجے کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہوتا ہے، (۴)۔یا دعا کی بدولت مستقبل میں آنے والی بڑی مصیبتوں کو ٹال دیا جاتا ہے، (۵)۔بعض اوقات مزید اصلاح ورغبت کی خاطر انسان کو اُسی مشکل حالت میں قلبی طور پر مطمئن کر دیا جاتا ہے۔یوں مسئلہ تو حل ہو گیا اگرچہ مشکل ساتھ ہی ہو، (۶)۔دنیا میں اگر کچھ بھی نہ دیا جائے تو اُسکی دعاؤں کو اُخروی بدلہ کیلئے سنبھال دیا جاتا ہے جسے اگلی زندگی میں دیکھ کر انسان خوش ہو جائے گا اور شکر بجالائے گا کہ اُسکی دعا ابدی فائدے کا باعث بن گئی۔

<u>دعا کی قبولیت کیلئے:</u> یہ ضروری ہے کہ: (۱)۔اللہ کی فرمانبرداری اختیار کی جائے، (۲)۔گڑگڑا کر اہتمام سے قلب کو حاضر کر کے، رب کے ساتھ تعلق کے احساس کے ساتھ دعا کی جائے، (۳)۔رزقِ حرام سے بچا جائے اور (۴)۔ایمان پر قائم رہا جائے۔

(8)۔رسالت

(1)۔نبوت ورسالت.. 131

(2)۔عظمت وفضیلت (حصہ اول)................................... 131

(3)۔عظمت وفضیلت (حصہ دوم)................................... 132

(4)۔عظمت وفضیلت (حصہ سوم)................................... 133

(5)۔عظمت وفضیلت (حصہ چہارم)................................. 134

(6)۔سیرت وعظمت.. 135

(7)۔نبی کریم ﷺ سے تعلق کی ضروری بنیادیں........................ 136

(8)۔تعلق کی دوسری بنیاد (عزت وتوقیر).............................. 137

(9)۔رسالت اورنقطہ اعتدال.................................... 138

(10)۔تعلق کی تیسری بنیاد (اطاعت واتباع)........................... 139

(11)۔تعلق کی اگلی بنیاد (غلو سے اجتناب)........................... 140

(12)۔تعلق کی اگلی بنیاد (درود وسلام)............................. 141

(13)۔سنت کا جامع مفہوم (حصہ اول)................................ 142

(14)۔سنت کا جامع مفہوم (حصہ دوم)................................ 143

(15)۔راہِ رسالت میں رکاوٹیں (آبا پرستی)........................... 144

(16)۔راہِ رسالت میں رکاوٹیں (سنت کی ضد بدعت)....................... 145

(17)۔راہِ رسالت میں رکاوٹیں (ضعیف وموضوع روایات)................... 146

(1)۔نبوت ورسالت

خالق نے ہماری ہدایت ورہنمائی کیلیئے دین وشریعت کے تفصیلی احکامات کے ابلاغ کیلیئے اپنے خاص نمائندے انبیاء ورسل (علیہم السلام) کو چُنا ہے جن کے ''منصب'' کو ''نبوت ورسالت'' کہا جاتا ہے، اور ہمارے پیارے نبی جنابِ حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) پر تا قیامت آخری پیغام ''قرآنِ مجید'' کی شکل میں نازل کر کے اِس سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا ہے۔ خالق نے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ ''جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔'' (سورہ نساء: آیت: 80)

انبیاء علیہم السلام پر ایمان اور انہیں رہنما بنائے بغیر دین وشریعت پر عمل پیرا ہونا ممکن نہیں۔ اسی لئے ہر نبی کی دعوت کا وہ کلمہ جو کفر سے ایمان میں داخلے کی بنیاد تھا اُس کا پہلا حصہ توحید (لا الٰہ الا اللہ) جبکہ دوسرا حصہ زمانے کے نبی کی نبوت ورسالت کے اقرار پر مبنی ہوتا تھا۔ جیسے ہمارے لئے (محمد الرسول اللہ) ہے۔ رسالت کی ضِد ''آبا پرستی'' ہے۔ رسالت وہ مینارہ نور ہے جو توحید اور آخرت سمیت پورے دین کیلیئے خالص اور شفاف روشنی فراہم کرتا ہے۔ یہی اُسوہ کامل ہے جو صراطِ مستقیم کی طرف حقیقی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ 'رسالت' کو کما حقہ سمجھے، اسے تسلیم کئے اور اس پر عمل پیرا ہوئے بغیر دین وشریعت پر عمل پیرا ہونا ممکن نہیں۔ گویا 'رسالت' کے ذریعے سے ہی صراطِ مستقیم کی تکمیل ہوتی ہے۔ توحید کی طرح زبان سے رسالت کا اقرار کر لینا بھی بہت آسان ہے، لیکن حقیقی معنوں میں اِسے تسلیم کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ بالخصوص، مسلک پرستی اور فرقہ واریت کے تناظر میں رسالت کو صحیح معنوں میں کون مانتا ہے؟ ابلیس نے الا ماشاء اللہ اکثریت کو رسالت کے غلط تصور پر ایسا اغوا کیا ہے کہ صحیح بات سننے کی طرف اکثریت آمادہ ہی نہیں ہو پاتی۔ رسالت کے باب میں ہم انشاءاللہ درج ذیل اہم ٹاپک پر آگاہی پیش کریں گے: (۱)۔ فضیلت اور شان وعظمت، (۲)۔ رسالت کے تقاضے (تعلق کی بنیادیں)، (۳)۔ سنت کی تفہیم، اور (۴)۔ راہِ رسالت میں رکاوٹیں۔

(2)۔عظمت وفضیلت (حصہ اول)

اللہ تعالیٰ بڑا قدردان ہے، جو اللّٰہ کے ہو جائیں، اللّٰہ اُن کی قدر کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کے لئے جو قربانیاں دیں اُنکی مثال نہیں ملتی۔ اللہ رب العزت نے جو قرب آپ ﷺ کو عطا فرمایا اُس کی بھی مثال نہیں ملتی۔ سلسلہ نبوت کو کائنات کی افضل ترین ہستی، سید الاولین والآخرین، محبوبِ خدا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر ختم کیا اور آپ ﷺ پر نازل کردہ نورِ ہدایت کو قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو آنحضور ﷺ کے اُمّتی بنے۔ آنحضور ﷺ کی سیرت وعظمت کا ہر پہلو بے مثل ہے، آپ ﷺ کی ذات گرامی پر خود خالقِ کائنات صلوٰۃ وسلام کی صورت میں رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ آپ ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین آپ کو راضی کرتا ہے، آپ ﷺ کے اخلاق سراپا قرآن ہیں۔ آپ ﷺ انبیاء ورسل (علیہم السلام) کے قائد اور اولین و آخرین کے امام ہیں۔ آپ ﷺ کو نبی تسلیم کرنے سے انسان کفر سے اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا ذکرِ خیر پروردگارِ عالم نے کلمہ، نماز، اذان اور دیگر عبادات میں شامل کیا ہے، بروزِ قیامت آپ ﷺ کا جھنڈا ہر نبی کے جھنڈے سے بلند ہوگا، آپ ﷺ پر شفاعت کا دروازہ کھلے گا۔ قرآن وسنت میں آپ ﷺ کے خصائص اور سیرت وعظمت کا بھرپور بیان موجود ہے۔ قرآنِ حکیم کی روشنی میں اِن میں سے چند اگلے لیکچرز میں پیش کئے جائیں گے۔ مزید آگاہی کیلیئے دیکھیئے ہماری تحریر (رسالت کا حقیقی تصور)

(3)۔ عظمت وفضیلت (حصہ دوم)

قرآن حکیم کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کی عظمت وفضیلت کے چند پہلو ملاحظہ فرمائیں:

تا قیامت ساری انسانیت کے رسول: دیگر انبیاء ورسل علیہم السلام کسی خاص قوم، قبیلے کی طرف رسول بنا کر بھیجے جاتے تھے، جبکہ ہمارے پیارے رسول ﷺ تا قیامت ساری انسانیت کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''(اے نبی) اعلان فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، اُس ذات کی طرف سے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اُس کے سوا کوئی الہٰ نہیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔''(الاعراف آیت:158)

مزید فرمایا:

ترجمہ: ''اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر سارے لوگوں کیلئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''(سورہ سبا، آیت:28)

خُلقِ عظیم: آپ ﷺ کو اخلاق کے سب سے بلند مقام پر فائز کیا گیا:

﴿ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍo﴾۔ ''اور یقیناً آپ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔'' (القلم: آیت:4)

سراپاءِ رحمت: آپ ﷺ کو تمام جہانوں کیلئے سراپاءِ رحمت بنا کر بھیجا گیا:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَo ﴾۔

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر۔''(الانبیاء: آیت:107)

یہ آپ ﷺ کی تخصیص ہے کہ آپ ﷺ سرتاپا سب کیلئے: اہل ایمان، کفار، حیوانات وجمادات.... سب مخلوقات کے خیرخواہ، دعا کرنے والے، سب کا بھلا چاہنے والے، معاف کرنے والے، احسان کرنے والے اور دوسروں کو رنج وتکالیف سے بچانے والے تھے۔

مزید آگاہی کیلئے اگلے لیکچر کا انتظار کریں۔

(4)۔عظمت وفضیلت (حصہ سوم)

سابقہ لیکچر کے تسلسل میں قرآن حکیم کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کی عظمت وفضیلت کے چند مزید پہلو ملاحظہ فرمائیں: امت کیلئے حریص: ہم تو صرف اپنی اپنی ذات کیلئے حریص ہیں، لیکن پیارے رسول ﷺ اپنی امت کی خیر خواہی کے بہت حریص رہتے تھے اور امت کی پریشانیاں اور تکالیف آپ ﷺ پر نہایت گراں گزرتی تھیں، جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''یقیناً آ گیا تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول۔ جس پر تمہاری تکالیف گراں گزرتی ہیں، وہ تمہارے فائدے کیلئے بہت حریص ہے، اہل ایمان کیلئے بہت شفیق اور مہربان ہے۔'' (سورہ توبہ: آیت:128)

نرم مزاجی: نبی کریم ﷺ کو پروردگار نے انتہائی نرم مزاج سیرت سے نوازا تھا، ارشاد ہوا

: ترجمہ: ''اللہ کی رحمت کے باعث آپ اِن پر نرم دل ہیں اور اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔'' (آل عمران: آیت:159)

ذکر کی بلندی: کفار کا یہ کہنا کہ اِس نبی (ﷺ) کے پیروکار بے نام ہو جائیں گے اور اِس دعوت کو کوئی قبول نہیں کرے گا، تو پروردگار نے آپ ﷺ کی تقویت اور حوصلہ افزائی کیلئے فرمایا:

﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ (الانشراح، آیت:4)

''اور ہم نے آپ کے لئے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔''

یوں آپ ﷺ کی دعوت اور آپ ﷺ کے نامِ نامی اسم گرامی کا چرچا عرب وعجم میں پھیل گیا۔ قرآن، اذان، نماز میں آپ ﷺ کی گواہی کائنات کے کونے کونے تک پہنچ گئی۔ یوں آپ ﷺ کی دعوت وذکر کو مٹانے والے خود بے نام ونشان ہو گئے، جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ o﴾ (الکوثر، آیت:3)

''یقیناً تیرا دشمن ہی لاوارث اور بے نام ونشان ہوگا۔''

خیر کثیر: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خیرِ کثیر (فتوحات، حوض کوثر، رفع ودوام ذکر اور عظیم اخروی نعمتیں) عطا فرمائیں، جن کا تذکرہ اشارتاً یوں کیا گیا: ﴿اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ o﴾ (الکوثر، آیت:3)

''یقیناً ہم نے تمھیں کوثر عطا کیا۔'' مزید آگاہی کیلئے اگلا لیکچر دیکھئے۔

(5)۔عظمت وفضیلت (حصہ چہارم)

سابقہ لیکچر کے تسلسل میں قرآنِ حکیم کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کی عظمت وفضیلت کے چند مزید پہلو ملاحظہ فرمائیں:

خالق نے آپ ﷺ کے مولد ومسکن اور عمر مبارک کی قسم کھائی ہے جس سے آنحضور ﷺ کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ :

﴿لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ o وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ o﴾۔(البلد،آیت،1تا2)

''میں اس شہرِ(مکہ) کی قسم کھاتا ہوں،اور آپ اس شہر میں مقیم ہو''

☆ خالقِ کائنات نے آپ ﷺ کو نمازِ تہجد کے لئے اُٹھنے کی دعوت نہایت پیارے انداز میں یوں دی

﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا o﴾ (المزمل،آیت:1-2)

''اے کپڑے(چادر) میں لپٹنے والے،رات کے وقت نماز میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم''

☆ مقامِ محمود: پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ: ''(اے نبی!) رات کے کچھ حصے میں نمازِ تہجد پڑھو، یہ اضافہ ہے تمہارے لئے۔عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا۔''(بنی اسرائیل:آیت:79)

مقامِ محمود یعنی سراہا گیا،تعریف کیا گیا،قابلِ تعریف،قابلِ ستائش مقام۔یہ وہ قابلِ تعریف مقام ہے جس پر بروزِ قیامت ہمارے پیارے رسول ﷺ کو فائز کیا جائے گا۔جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب شروع ہوگا۔

بشارت کا انتہائی پیارا انداز: پروردگار نے آپ ﷺ کو دین ودنیا اور اخروی نعمتوں کے انتہائی شاندار مستقبل کی خوشخبری نہایت منفرد انداز سے یوں دی:

﴿وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی o﴾(الضحٰی،آیت:5)

''اور جلد آپ کا رب آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔''

سبحان اللہ یہ ہے ہمارے پیارے رسول ﷺ کی شان وعظمت کی جھلک ہے۔مزید آگاہی کیلئے اگلے لیکچر کا انتظار کیجئے۔

(6)۔سیرت وعظمت

سابقہ لیکچر کے تسلسل میں قرآن حکیم کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کی عظمت وفضیلت سے آگاہی کے بعد اب ہم احادیث کی روشنی میں آپ ﷺ کی عظیم سیرت وعظمت کے چند پہلوؤں سے روشناس ہوتے ہیں:

(۱): حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے دس سال نبی ﷺ کی خدمت کی لیکن آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا، اور نہ ہی یہ کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور وہ کام کیوں نہیں کیا۔ (بخاری، کتاب الادب)

(۲): حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کبھی ایسے نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا ہو۔ (بخاری، کتاب الادب)

(۳): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، جب آپ کوئی ایسی چیز دیکھتے جو آپ ﷺ کو نا گوار گزرتی تو ہم اسے آپ ﷺ کے چہرے مبارک سے پہچان لیتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب لادب)

(۴): ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، رسول ﷺ نے اللہ کی راہ میں جہاد کے علاوہ اپنے ہاتھ سے کسی چیز کو مارا نہ کسی خادم کو اور نہ ہی کسی عورت کو، اور اگر آپ ﷺ کو کسی کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ ﷺ اس تکلیف پہنچانے والے سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ آپ ﷺ صرف اُسی صورت میں انتقام لیتے تھے جب اللہ کی حدود پامال ہوتی ہوں اور وہ انتقام بھی محض اللہ کی رضا کی خاطر ہی لیتے تھے۔

(مسلم، کتاب الفضائل)

(۵): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب آدمی سے مصافحہ فرماتے تھے تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے حتّٰی کہ وہ آدمی خود اپنا ہاتھ چھڑا لیتا تھا۔ آپ ﷺ اپنا چہرہ مبارک (توجہ) اس شخص سے نہیں ہٹاتے تھے حتیٰ کہ وہ شخص خود اپنا چہرہ آپ کے چہرۂ مبارک سے ہٹا لیتا (کسی اور طرف متوجہ کر لیتا) اور آپ ﷺ کو مجلس میں اپنے ہم نشین سے آگے گھٹنے نکال کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(ترمذی، کتاب صفۃ القیامہ الرقائق)

(۶): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت تھی جس کی عقل کچھ کم تھی، اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! مجھے آپ سے کچھ کام ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُمّ فلاں! دیکھو! جس گلی میں تم چاہو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں تاکہ تمہارا کام پورا کرسکوں، آپ ﷺ ایک راستے میں اُس کے ساتھ گئے حتیٰ کہ اُس کا کام ہو گیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

(۷): صبر واستقلال اور عفو ودرگزر کی عظیم مثال: ایک موقع پر ایک اعرابی نے بدتمیزی سے آپ کے جسم مبارک پر موجود موٹے کنارے والی نجرانی چادر کو اتنے زور سے کھینچا کہ چادر کے کنارے کے نشانات کندھے مبارک پر پڑ گئے۔ پھر اُس نے کہا: محمد (ﷺ) اللہ کا مال جو آپ کے پاس ہے اِس میں سے میرے لئے بھی حکم فرمائیے، رسول اللہ ﷺ نے اُس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیئے، پھر اُسے کچھ دینے کا حکم فرمایا'' دیکھئے: (بخاری، کتاب فرض الخمس)

سبحان اللہ! فداک اُمّی واَبی، سیرت واخلاق کی یہ عظیم داستان آپ ﷺ کا ہی خاصہ ہے۔ تاہم ہمیں بھی اِس اُسوہ مبارک سے سبق لینے اور اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔!

(7)۔ نبی کریم ﷺ سے تعلق کی ضروری بنیادیں

ایمان لانے کے بعد نبی کریم ﷺ کے ساتھ تعلق کی ضروری بنیادیں پانچ ہیں:

(۱)۔محبت، (۲)۔عزت وتوقیر، (۳)۔اطاعت واتباع، (۴)۔غلو سے اجتناب اور (۵)۔درود وسلام۔

جب تک یہ بنیادیں اصل معیار پر نہیں آجاتیں، آپ ﷺ سے ہمارا تعلق قابلِ قبول نہیں۔اِن پر مختصر آگاہی پیشِ خدمت ہے:

(۱)۔محبت: محبت ایمان کی شرط ہے۔دل وجان سے آپ ﷺ سے محبت کرنا، مخلوقات میں سے سب سے زیادہ آپ ﷺ کو محبوب رکھنا، حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھنا کامل ایمان کا تقاضا ہے۔

محبت کی اقسام: (i)۔اضطراری محبت: یہ وہ فطری محبت ہے جو خود بخود ہو جاتی ہے جیسے: والدین، اولاد.... مال ودولت، ثمرات، خواہشات..... وغیرہ سے۔ (ii)۔اختیاری محبت: یہ محبت کی وہ شکل ہے جسے کسی تقاضے کے تحت اختیار کرنا پڑتا ہے۔عموماً اپنی طبع کے خلاف جا کر بھی حکم کی بنا پر اِسے اختیار کیا جاتا ہے جیسے: دین کے احکامات پر عمل پیرا ہونا عموماً ہماری طبع کے خلاف ہے۔فجر کیلئے بستر اور نیند کو ترک کرنا، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا، روزہ رکھنا، انفاق کرنا، عبادت کرنا، حرام سے بچنا، خواہشات کو قابو کرنا، جہاد کرنا...اور سب سے مشکل یہ کہ اپنے ذہن ومسلک کے خلاف اللہ ورسول ﷺ کی تعلیمات کو تسلیم کرنا۔لہٰذا جس محبت کا آپ ﷺ کے ساتھ تقاضا کیا گیا ہے، اُس میں اختیاری محبت کا پہلو غالب ہے۔اِسکے برعکس ایسی جذباتی عقیدت ومحبت جس میں اختیاری پہلو یعنی دینی تقاضوں کا لحاظ نہ رکھا جائے محض ایک دھوکہ ہے۔برصغیر پاک وہند میں زیادہ تر صورت حال کچھ ایسی ہی ہے۔آپ ﷺ سے محبت کو یوں متعین کیا گیا:

ترجمہ: ''نبی کی ذات اہل ایمان کیلئے اُنکی اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز (مقدم) ہے اور پیغمبر کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں۔'' (الاحزاب: آیت: 6)

ایک حقیقی مومن اپنی جان سے بھی زیادہ آپ ﷺ سے محبت رکھنے والا ہوتا ہے۔یعنی آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی اور آپ ﷺ کی سنت (یعنی دینی) تقاضے جان سے بھی زیادہ مقدم ہوں۔جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُسے اُس کے والد، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الایمان)

خالق سے محبت کی نوعیت: اس ضمن میں ارشاد ہوا: ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ: 165)

''اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت شدید ہوتے ہیں''

یعنی اللہ سے محبت تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہو اور مزید یہ کہ نبی کریم ﷺ سمیت دیگر تمام مخلوقات سے محبت اللہ کی وجہ سے ہونی چاہیے، اللہ ہی کی وجہ سے دوستی اور اللہ کی ہی وجہ سے دشمنی (الحب لله، والبغض لله)۔رسالت پر تفصیلی آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (رسالت کا حقیقی تصور)

(8)۔ تعلق کی دوسری بنیاد (عزت وتوقیر)

ایمان لانے کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ تعلق کی پانچ بنیادوں میں سے پہلی بنیاد ''محبت'' کے بیان کے بعد، اگلا تقاضا یعنی ''عزت وتوقیر'' پر آگاہی پیشِ خدمت ہے: قرآن وسنت کے معیار پر دل وجان سے آپ ﷺ کی عزت وتکریم، ادب واحترام کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اِس ضمن میں جہاں بعض لوگوں نے توقیر وتعظیم میں حد سے تجاوز کیا ہے، وہیں کچھ نے 'توحید' میں غلو کرتے ہوئے بے احتیاطی بھی کی ہے، جو کہ فائدے کی بجائے خسارہ ہے۔ افراط وتفریط سے بچتے ہوئے ہر چیز کو قرآن وسنت کے دائرہ کے تحت اپنی اپنی جگہ پر رکھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ بڑا قدردان ہے، وہ اپنے خاص بندوں کی بڑی قدر کرتا ہے، جیسا کہ فرمایا گیا:

☆ ترجمہ: ''اور عزت تو صرف اللہ کے لئے، اسکے رسول ﷺ کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے، مگر منافقوں کو اِسکا علم نہیں۔'' (المنافقون: آیت:8)

☆ ترجمہ: ''' اور ہم نے تجھے گواہی دینے والا، بشارت دینے اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم لوگ اللہ ورسول پر ایمان لاؤ، اُنکی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کے نام کی تسبیح بیان کرو۔''

(الفتح: آیات:8۔9)

قرآن حکیم سے دو واقعات: اس ضمن میں قرآنِ حکیم سے دو واقعات پیشِ خدمت ہیں:

(۱)۔ صحابہ کرامؓ آنحضور ﷺ کو ''راعنا'' یعنی ہمارا لحاظ یا خیال کیجیئے کے لفظ کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ یہودی اپنے بغض وعناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر نعوذ باللہ ''راعینا'' (ہمارے چرواہے) کہتے جس کی بنا پر پروردگار نے اِس لفظ کو ہی تبدیل کروادیا، ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''' اے اہلِ ایمان! تم (نبی) کو 'راعنا' نہ کہا کرو بلکہ ''اُنظرنا'' کہو اور بات توجہ سے سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (البقرہ: آیت:104)

یوں راعنا کی جگہ ''اُنظُرنَا'' (ہماری طرف نظر فرمایئے) سے تحقیر کے اندیشے کا خاتمہ کردیا گیا۔

(۲)۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی بارگاہ میں تشریف فرما تھے کہ کسی معاملہ میں آپس میں گفتگو کے دوران اُنکی آواز آپ ﷺ کی آواز سے بلند ہوگئی، جس پر یوں تنبیہ فرمائی گئی: ترجمہ: ''اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ اُن سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔'' (الحجرات: آیت:2)

پس آپ ﷺ کی حکم عدولی کرنا یا دینی رائے کو پسِ پشت ڈال کر دیگر غیر نبی کی بات کو ترجیح دینا تو بڑی دور کی بات ہے۔ محض یہ سوئے ادب کہ آواز کو بلند کرنے پر اتنی سخت تنبیہ کردی گئی ہے۔!

(9)۔ عظمت وفضیلت اور نقطہ اعتدال

دین اعتدال کا متقاضی ہے اور ابلیس افراط وتفریط کا شکار کر کے یا تو افراط کے ذریعے حد سے تجاوز پر اُکساتا ہے یا تفریط کے ذریعے تحقیر پر۔ اِن دونوں رویوں سے بچ کر نقطہ اعتدال پر قائم رہنے میں نجات ہے۔ لہٰذا انبیاءؑ و رسل (علیہم السلام) کی عظمت وفضیلت اور تعظیم وتوقیر کے ضمن میں اعتدال کی روشنی میں درج ذیل تین پہلو ملحوظ رکھنے ضروری ہیں:

(۱)۔ قرآنِ حکیم میں بعض مقامات پر ضرورت وحکمت کے تحت لوگوں کو حد سے تجاوز اور شرک سمیت دیگر غلط نظریات سے بچانے کیلئے نبی کریم ﷺ کے حوالے سے بعض مقامات پر سخت آیات بھی نازل کی گئی ہیں۔ ایسے مقامات سے رہنمائی لیتے ہوئے بھی ہماری نیت درست ہونی چاہئے۔ ایسے مقامات سے مثبت نیت سے جو صحیح نتیجہ نکلتا ہو اُسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کسی غلط نیت سے تحقیر کے پہلو کی طرف جانے سے ہر ممکن گریز کرنا چاہئے۔ دوسری طرف یہ موقف کہ ایسی آیات کو بطورِ رہنمائی دلیل ہی نہ بنانا اور صرف بغیر سمجھے تلاوت تک محدود رہنا، اس سے بھی بچنا ہے۔ کیونکہ خالق نے جو کچھ بھی نازل کیا ہے، ہدایت کیلئے وہ سب ضروری ہے۔ اُس میں سے کسی چیز کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا حسنِ نیت کے ساتھ قرآن کی ساری تعلیمات سے مستفید ہوا جائے۔ بس ایک تو یہ کہ ہماری نیت مثبت ہونی چاہئے اور دوسرا ضرورت کے تحت ایسی آیات سے استفادہ کرنا ہے نہ کہ ہر وقت موضوعِ سُخن ہی اِس قسم کی آیات کو بناتے رہنا ہے۔ مزید یہ کہ: بعض لوگوں نے قرآن وسنت میں مستعمل کئی اصطلاحات کو اپنی سوچ کے تحت بُرا خیال کرتے ہوئے خود ساختہ نئی اصطلاحات مروج کر لی ہیں، جبکہ حسنِ نیت کے ساتھ اللہ ورسول ﷺ کی بیان کردہ اصطلاحات کو ہی ترجیح دینی چاہئے۔

(۲)۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ فرقہ واریت کے تناظر میں مذہبی تعصب کی بنا پر انتقام لینے کی غرض سے لوگوں (بالخصوص علماء حضرات) کے جملے پکڑ کر اُن پر گستاخی اور توہینِ مذہب کے فتوے لگا کر اُنہیں واجب القتل قرار دیا جاتا ہے۔ الفاظ کے چناؤ میں تو بلاشبہ ہمیں بہت احتیاط کرنی چاہیئے، لیکن انسان کی زبان سلپ ہو سکتی ہے۔ لہٰذا معیار سے ہٹ کر خدانخواستہ اگر کوئی جملہ سرزد ہو جائے اور انسان اُس پر تائب ہو جائے، تو اُس پر کوئی ملامت نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن ایسے لوگوں کی زندگیوں کے پیاسے، آخر بروزِ قیامت اللہ کی پکڑ اور پیارے رسول ﷺ (فداک اُمّی وابی) کی ناراضگی کا سامنا کیسے کریں گے؟ گستاخ تو وہ ہو گا جو دانستہ، دیدہ دلیری سے گستاخی کی نیت سے جسارت کرے اور پھر اُس پر قائم رہے تو ایسے لوگ یقیناً قابلِ مواخذہ ہیں۔

(۳)۔ نبی کریم ﷺ کے خصائص سے آپ ﷺ کی عظمت وفضیلت پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ منعمِ حقیقی جس نے آپ ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی تخلیق کی اور اُنہیں شرف وفضیلت اور محاسن سے نوازا۔ کائنات بنائی اور اُس میں اَن گنت نعمتیں پیدا کیں ...... اُسے ہمہ تن یاد رکھنا درحقیقت انبیاء علیہم السلام کا ہی مبارک اُسوہ ہے اور اِسی اسوہ میں نجات ہے۔ یعنی ہر تعلق ہر خوبی خالق کی نسبت سے بیان ہو۔ اِسکے برعکس خالق کو پسِ پشت ڈال کر ہمہ تن مخلوقات میں گم کر کے خالق کی یاد اور اُس سے شدید محبت ووابستگی سے محروم کرنا ہی تو درحقیقت ابلیس کا ہدف ہے۔

پروردگار ہمیں مذکورہ تینوں نکات کو کماحقہ ملحوظ رکھ نقطہ اعتدال پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(10)۔تعلق کی تیسری بنیاد(اطاعت واتباع)

آپ ﷺ کے ساتھ تعلق کی پانچ بنیادوں میں سے دو بنیادوں کے بیان کے بعد، اگلے تقاضے یعنی ''اطاعت واتباع'' پر آگاہی پیش خدمت ہے: تمام تقاضوں میں سے یہ سب سے بڑا تقاضا ہے جس پر کثرت سے آیات نازل کی گئی ہیں۔رسالت کے دیگر تمام تقاضوں کی بنیادی غایت یہی ہے کہ آپ ﷺ کی حقیقی معنوں میں پیروی (یعنی اطاعت واتباع)اختیار کی جائے۔تمام مخلوقات حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھنے کا حکم اِسی بنیادی تقاضے کی بنا پر ہے کہ اپنے من پسند ذہن و مسلک اپنی خواہشِ نفس، گروہ، فرقے، شخصیات، امام، پیر حضرات سب کو آپ ﷺ کے تابع کر دیا جائے، جو کہ نہیں ہیں (الا ماشاء اللہ)۔اگر اطاعت واتباع کا حقیقی جذبہ موجود نہیں تو پھر سب دھوکہ ہے۔اِسی لئے آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد قرآن مجید میں تکرار کے ساتھ سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا گیا ہے، وہ آپ ﷺ کی اطاعت واتباع ہی ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ:''(اَے نبی لوگوں کو) بتلا دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا۔'' (آل عمران: آیت:31)۔

یہاں زبانی دعویٰ محبت کو آپ ﷺ کی اتباع (یعنی شوق وجذبے اور محبت سے پیروی) کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ،یعنی اگر محبت ہے تو اُسکی تصدیق اتباع سے ہوگی، اگر اتباع نہیں تو محبت بھی قابلِ قبول نہیں۔اگلی آیت میں بات کو مزید واضح کر دیا گیا، فرمایا: ترجمہ:''(اے نبی) اِنکو فرماؤ کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اُسکے رسول کی، پھر اگر وہ (اطاعت سے) منہ موڑیں، تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔'' (آل عمران: آیت:32) معلوم ہوا کہ اللہ اور اُسکے رسول ﷺ کی اطاعت سے روگردانی مسلمانوں کی صفت نہیں بلکہ کفار کی صفت ہے۔آپ ﷺ کی اطاعت سے روگردانی سے تو ایمان جانے کا خطرہ ہے، کہاں عشقِ رسول ﷺ کے بلند و بانگ دعوے اور کہاں ذہن و مسلک کے خلاف فرامین رسول ﷺ سے روگردانی ؟ اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔بطورِ عبرت درج ذیل قرآنی تنبیہ پر غور فرمائیں، ارشاد ہوا: ترجمہ:''تیرے رب کی قسم لوگ اُس وقت تک ایمان والے نہیں ہو سکتے، جب تک اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کر لیں، پھر آپ کے فیصلوں پر دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ اِنہیں سر بسر تسلیم کر لیں۔'' (النساء: آیت:65)۔حقیقی اہلِ ایمان تو وہی ہیں جو باہمی تنازعات سمیت تمام عقائد و افعال کو بخوشی آپ ﷺ کی تعلیمات (یعنی قرآن وسنت) کے تحت من وعن مان لیں اور اصلاح کیلئے ہر لمحہ آمادہ رہیں۔آپ ﷺ کے فیصلوں کو بلا چون و چراں فوراً قبول کر لیں۔لیکن اِلاّ ماشاءَ اللہ مسلک پرستی اور فرقہ واریت کی موجودگی میں کون رجوع کرتا ہے؟ اطاعت کے ضمن میں سنت کی تفہیم اور راہِ اطاعت میں حائل رکاوٹوں کو جاننا ضروری ہے جو کہ ان شاء اللہ اگلے لیکچرز میں بیان کی جائیں گی۔تفصیلی آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (رسالت کا حقیقی تصور)۔

(11)۔تعلق کی اگلی بنیاد(غلو سے اجتناب)

آپ ﷺ کے ساتھ تعلق کی پانچ بنیادوں میں سے تین بنیادوں کے بیان کے بعد، اگلے تقاضے یعنی ''غلو(حد سے تجاوز) سے اجتناب'' پر آگاہی پیشِ خدمت ہے۔ابلیس اللہ و رسول ﷺ اور تمام نسلِ انسانی کا کھلا دشمن ہے۔مذکورہ حوالے سے وہ انسان کی ہلاکت کیلئے دو ہتھیار استعمال کرتا ہے: (۱)۔تحقیر و بے ادبی پر اُکسانا (جس کی بابت ضروری آگاہی عزت و توقیر کے تحت بیان کی جا چکی ہے) اور (۲)۔غلو یعنی شان و عظمت میں قانون کے دائرے میں رہنے کی بجائے حد سے تجاوز کروا کر شرک کی دلدل میں دھکیلنا۔سابقہ اُمتوں کو بھی غلو سے ہلاک و برباد کیا جیسا کہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی شان و عظمت میں حد سے تجاوز کراتے ہوئے رفتہ رفتہ اُنھیں الوہیت کے درجے پر فائز کرا کے لوگوں کو ابدی لعنتوں کا مستحق ٹھرایا۔اِسی لئے پروردگار نے لوگوں کو نہایت سخت تنبیہ یوں فرمائی:

ترجمہ: ''(اَے نبی!) فرما دیجئے: اَے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور اُن لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں۔اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کر چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ چکے ہیں۔'' (المائدہ: آیت: 77)

چونکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ سب سے بڑھ کر فضیلت والے ہیں۔اِسلئے آپ ﷺ کی بابت لوگوں کو غلو میں مبتلا کرنا ابلیس کیلئے نہایت آسان ہے۔اِسی لئے آنحضور ﷺ نے اپنی اُمت کو ابلیس سے بچنے کی سخت تلقین فرمائی، صرف دو فرامین ملاحظہ کریں، آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو، جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے سلسلہ میں غلو سے کام لیا، میں اللہ کا بندہ ہوں، اس لیے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔'' (بخاری: 3445)

مزید یہ کہ: ''سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا: اے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے اور اے ہم میں سب سے بہتر و افضل اور سب سے بہتر کے فرزند! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم اِس قسم کی بات کہہ سکتے ہو مگر کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں اور اللہ کا رسول ہوں، اللہ کی قسم میں اِس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے میرے اِس مقام و مرتبہ سے بڑھا دو جس پر اللہ نے مجھے فائز کیا ہے''۔ (مُسند احمد: 241/3)

پس! بچت کی واحد صورت یہی ہے کہ قرآن و سنت کو رہنما بنایا جائے۔جو چیزیں شان و عظمت کے اعتبار سے دلیل سے ثابت ہیں نہ اُن میں ذرہ بھر کمی کی جائے اور نہ اُن میں اپنی مرضی سے اضافہ کر کے حد سے تجاوز کیا جائے، کیونکہ ابلیس بڑا مکار دشمن ہے۔اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔(آمین)

(12)۔تعلق کی اگلی بنیاد (درود وسلام)

ایمان لانے کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ تعلق کی پانچ بنیادوں میں سے چار بنیادوں کے بیان کے بعد، اب اگلے تقاضے یعنی ''درود وسلام'' پر آگاہی پیش خدمت ہے: درود وسلام: درود، آپ ﷺ کیلئے اللہ سے رحمت وعنایات کی دعا ہے، جبکہ سلام، سلامتی کی دعا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے امت کی خاطر جو تکالیف اٹھائیں، قربانیاں کیں، اُنہیں یاد رکھتے ہوئے، دل وجان سے محبت کے ساتھ درود وسلام کے ذریعے آپ ﷺ کو یاد رکھنا ہم پر آپ ﷺ کا حق بھی ہے اور قرب کا باعث بھی۔ پروردگار نے یہ تقاضا نہایت خوبصورت انداز سے یوں کیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

''یقیناً اللہ اور اُسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر، اے اہل ایمان تم بھی آپ پر درود بھیجو اور خوب سلام بھی بھیجتے رہا کرو۔'' (الاحزاب: آیت:56)

سبحان اللہ! یہ آنحضور ﷺ کی رفعت وشان کا اظہار ہے کہ خود خالق کائنات اور اُسکے فرشتے آپ ﷺ پر درود وسلام کی صورت میں رحمتیں نچھاور کرتے ہیں اور اہل ایمان کو بھی اِسکا حکم دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے امت پر بے انتہاء احسانات کا یہ تقاضا ہے کہ اطاعت واتباع کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے ساتھ دل وجان سے محبت کی جائے اور خوب درود وسلام کے ذریعے اپنے تعلق کو تروتازہ رکھا جائے۔ اس ضمن میں روایات میں بھی کثرت سے فضائل بیان ہوئے ہیں، صرف دو روایات کا مفہوم ملاحظہ کریں، جن میں آپ ﷺ نے فرمایا:

☆ ''جو شخص ایک مرتبہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اُس پر 10 رحمتیں نازل فرمائے گا، 10 گناہ معاف فرمائے گا اور 10 درجات بلند کرے گا۔'' (نسائی:1283)

☆ ''اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے'' (ترمذی:3545)

معلوم ہوا جب بھی آپ ﷺ کا نامِ نامی اسمِ گرامی لیا جائے تو آپ ﷺ پر درود بھیجنا از حد ضروری ہے۔ باقی اوقات میں جتنا بھی کوئی پڑھ سکے اُسکے لئے اتنا ہی فائدہ مند ہے۔ وہ کم سے کم تعداد جسے ہر کلمہ گو کو ضرور پابندی سے پورا کرنا چاہیے اُسے درج ذیل حدیث میں یوں بیان کیا گیا:

''آنحضور ﷺ نے فرمایا! جو شخص صبح اور شام کے وقت 10 مرتبہ درود پڑھے بروز قیامت وہ میری شفاعت کا حق دار ہوگا'' (صحیح الجامع، حدیث نمبر 6357)

پس! محبت سے نبی کریم ﷺ کو درود وسلام کے ذریعے یاد رکھ کر آپ ﷺ کے ساتھ اپنا تعلق تروتازہ رکھنا بھی اہل ایمان پر آپ ﷺ کا حق ہے۔ یاد رہے، آپ ﷺ کو ہمارے درود کی حاجت نہیں بلکہ یہ تو ہمارے اپنے فائدے کیلئے ہے۔

(13)۔سنت کا جامع مفہوم (حصہ اول)

''سنت'' کا صحیح مفہوم جاننا ازحد ضروری ہے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس پر عمل پیرا ہونا ہے۔رسالت کی ضِد تو آبا پرستی (یعنی مسالک ،فرقوں ،اکابرین کی اندھا دھند پیروی) ہے،جبکہ سنت کی ضِد 'بدعت'' ہے۔

سنت کا اصطلاحی معنی: شرعی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو سنت کہتے ہیں جسے وہ بطورِ دین جاری فرمادیں۔'سنت' سے مراد شرعی امور کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا طریقہ، راستہ، اسوہ، سیرت اور خُلق مبارک ہے۔گویا سنت درحقیقت پورے دین کا نام ہے۔ **سنت عوام کی نظر میں:** عوام (بالخصوص برصغیر پاک و ہند) کی نظر میں سنت سے مراد: ''وضو نماز کی سنتیں، مسواک کی سنتیں، کھانے پینے، سونے جاگنے، مسجد یا گھر سے نکلنے داخل ہونے، ملنے جلنے، سفر کرنے، کپڑا، ٹوپی، امامہ پہننے میں... آپ ﷺ کے طریقے پر عمل کرنا ہے۔'' بلاشبہ یہ بھی پیارے رسول ﷺ کی سنتیں ہی ہیں جن کا بڑا حصہ درحقیقت زندگی کے حفاظتی اقدامات (Safety Measures) پر مشتمل ہے جو اجر کے ساتھ ساتھ انسان کی صحت و زندگی کی بہترین حفاظت کا ذریعہ بھی ہیں۔لیکن یہ سنت کا پورا مفہوم نہیں بلکہ اِسکا کچھ حصہ ہے۔ **سنت کا ماخذ:** آپ ﷺ کی سنت (یعنی طریقے) کا ماخذ: قرآن ،ذخیرہ احادیث اور اجماع و تواتر ہے،یعنی جس کام پر تمام امت مسلمہ متفق ہو۔لہٰذا سنت کی صحیح تفہیم کیلئے اِن تینوں بنیادوں (قرآن حکیم، احادیثِ (صحیحہ) اور عملی تواتر و اجماع) کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

فقہی اصطلاح: فقہی اصطلاح میں فرائض و واجبات سے فرق کرنے کیلئے: نفل، سنت اور مستحب کی اصطلاحات مروج کی گئی ہیں، لیکن حقیقت میں فرائض و واجبات بھی سنت (یعنی آپ ﷺ کا طریقہ) ہی ہیں جو دین کا ضروری حصہ ہیں اور نجات کا دارومدار اولین درجے میں انہیں پر ہے۔

سنت کے ضمن میں چند ضروری اصطلاحات

(۱)۔اجماع: زمانے کے تمام علماء کا کسی حکمِ شرعی پر متفق ہوجانا اجماع کہلاتا ہے۔کسی مسئلے پر تمام صحابہؓ کا متفق ہونا 'اجماع صحابہؓ' اور ساری امت کا متفق ہونا 'اجماع امت' کہلاتا ہے۔ **(۲)۔تواتر:** کسی بات کو مسلسل کہنا یا کرنا، ہر زمانے میں اتنی تعداد ہو کہ جھوٹ پر اکٹھا ہونا ناممکن ہو۔ **(۳)۔اجتہاد:** وہ مسائل جن کے متعلق قرآن وسنت میں واضح احکامات موجود نہ ہوں ان کے حل کیلئے ماہرین اہل علم (مجتہدین) کی جدو جہد اجتہاد کہلاتی ہے۔جیسے: خون دینا، آنکھوں، گردوں کا عطیہ وغیرہ۔اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔

(۴)۔قیاس: قرآن وسنت کی روشنی میں نئے مسئلوں کے حل کیلئے تجزیاتی موازنہ کرنا، جیسے: شراب تو حرام ہے جس کی علت نشہ ہے۔اسی علت کی بنیاد پر دیگر نشہ آور چیزوں کے متعلق حکم معلوم کرنا۔

مزید آگاہی کیلئے اگلا لیکچر دیکھئے۔

(14)۔سنت کا جامع مفہوم (حصہ دوم)

جیسا کہ ہم سابقہ تحریر میں یہ بات جان چکے کہ قرآن اور حدیث میں فرق کرنے کیلئے احکاماتِ دین کو دو حصوں (قرآن اور سنت) میں تقسیم کیا گیا ہے۔لیکن حقیقی معنوں میں ’سنت‘ سے مراد آنحضور ﷺ کا راستہ ،طریقہ،طرزِ زندگی یا اسوہ مبارک ہے، جو کہ قرآن، حدیث اور اجماع و تواتر پر مشتمل ہے۔گویا آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ، اسوہ مبارک اور خُلق ہی درحقیقت ’سنت‘ ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

((کان خلقه القرآن))۔’’آپ ﷺ کا خُلق قرآن تھا۔‘‘ (مُسند احمد:24601)

یعنی آپ ﷺ کا طرزِ عمل، طرز زندگی (Way of Life) قرآن کے مطابق تھا۔گویا حضور ﷺ قرآن کا کامل عملی نمونہ تھے۔مزید آگاہی کیلئے درج ذیل روایت کے مفہوم پر غور فرمائیں:

’’وہ تین لوگ جنہوں نے اللہ کی محبت میں تین فیصلے کیئے: ایک نے کہا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا ،دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے نکاح نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا.....میں روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے (پس یہ سارے کام میری سنت) ہیں اور (فمن رغب عن سنتی فلیس منی)، جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں۔‘‘ (صحیح بخاری:5063)

یہاں آپ ﷺ نے نماز، روزہ، نکاح سمیت پورے دین کو اپنی سنت قرار دیا ہے جس سے سنت کا جامع مفہوم واضح ہو گیا کہ سنت سے مراد آنحضور ﷺ کی پوری طرزِ زندگی ہے۔پس دین ’سنت رسول ﷺ‘ کا نام ہے۔’سنت‘ سے مراد شرعی امور کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا طریقہ، راستہ، اُسوہ، سیرت اور خُلق مبارک ہے جو درج ذیل باتوں کو محیط ہے:

(۱)۔فرائض و واجبات جو کہ دین یعنی سنت کا لازمی حصہ ہیں، (۲)۔سنتِ موکدہ جسکا درجہ فرائض و واجبات کے بعد ہے، (۳)۔نوافل و مستحبات جو کہ ضروری نہیں ہیں، کوئی عمل کرے گا تو اجر پائے گا نہ کرے گا تو گنہگار نہ ہوگا۔یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ: ڈیوٹی سے زائد کام قرب کا باعث بنتا ہے۔لیکن اِسکے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے ڈیوٹی یعنی فرائض و واجبات کو پورا کیا جائے، (۴)۔طبعی امور: کھانے پینے، صحت و تندرستی کے متعلق رہنمائی جو بہترین صحت و تندرستی کی ضامن ہے، (۵)۔دنیاوی امور: زندگی گزارنے کے بہترین عمدہ طریقوں پر رہنمائی۔جو بھی ان پر عمل کرے گا اجر اور فائدہ پائے گا۔اس ضمن میں تفصیلی رہنمائی کیلئے دیکھیئے ہماری تحریر: (رسالت کا حقیقی تصور)

(15)۔راہِ رسالت میں رکاوٹیں (آبا پرستی)

چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں جیسا کہ :دن کا تصور، رات کے ساتھ،روشنی کا اندھیرے کے ساتھ۔خوشی کا غمی کے ساتھ .....اِسی طرح رسالت کی ضِد سے آگاہی، رسالت پر گامزن ہونے میں معاون ہوگی۔قرآن حکیم نے اِس ضمن میں مختلف اصطلاحات استعمال کی ہیں۔بنیادی طور پر رسالت کیضِد پر"آبا پرستی" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے،جیسا کہ فرمایا:"جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُسکی طرف جو نازل کیا اللہ نے اپنے رسول پر،تو کہتے ہیں کافی ہے ہمیں پایا ہے جس ڈگر پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو۔کیا بھلا اِنکے آباؤ اجداد کچھ علم نہ رکھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں تب بھی۔؟"(المائدہ:آیت: 104)۔یعنی بصیرت کی بنا پر آبا کی مشروط پیروی تو درست ہے،لیکن دین میں اِنکی اندھا دھند غیر مشروط پیروی انبیاءعلیہم السلام کی ناقدری ہے،جس پر الا ماشاءاللہ اکثریت کاربند ہے۔اسی لئے نبی کریم ﷺ نے بھی شرک اور گمراہی کے مقابلے میں یہی تعلیم دی کہ:

"جو تمھارے باپ دادا کہتے اور کرتے آرہے ہیں اُسے چھوڑ دو۔"(صحیح بخاری:رقم:7)

مزید یہ کہ:

☆ سورہ:(احزاب:آیت:66) میں رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کے مقابلے میں سردار، لیڈرز، بزرگ حضرات کا ذکر کیا گیا۔

☆ سورہ (فرقان:آیات: 27-30) میں رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کے مقابلے میں دوست احباب کا ذکر آیا۔

☆ سورہ (توبہ:آیت:31) میں رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کے مقابلے میں مذہبی پیشوا: علماء و مشائخ،امام حضرات کا ذکر کیا گیا۔

گویا رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کی ضِد کی جامع اصطلاح "شخصیت پرستی" ہے جو درج ذیل چیزوں کو محیط ہے:

(۱)۔لیڈرز، سردار، باس، حکام، دوست احباب، (۲)۔مذہبی پیشوا: علماء و مشائخ، امام، پیر حضرات، (۳)۔والدین، کنبہ قبیلہ، (۴)۔پیدائشی مسلک، گروہ، فرقہ، جماعتیں، (۵)۔اپنی خواہش نفس کی اندھا دھند پیروی کرنا۔

دینی رہنماؤں سے دشمنی نہیں بلکہ اُن کی قدر کرنی ہے،اُن کا ادب ہے،احترام ہے،محبت ہے.... لیکن اُن کی غیر مشروط اندھا دھند پیروی رسالت کی ضِد ہوگی جس سے بچنا ہے۔اللہ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔(آمین)

(16)۔راہِ رسالت میں رکاوٹیں (سنت کی ضد۔ بدعت)

جیسا کہ ہم جان چکے کہ رسالت کی ضد، آبا پرستی ہے۔اسی طرح سنت کی ضد ''بدعت'' ہے۔بدعت، آنحضورﷺ کی سنت میں تبدیلی کا نام یعنی شریعت سازی ہے،جس پر آپ ﷺ نے بہت سخت تنبیہات نازل فرمائی ہیں،بطورِعبرت چندایک ملاحظہ فرمائیں: ہرخطبہ میں تنبیہ: آپ ﷺ اپنے ہرخطبے کے آغاز میں لوگوں کوان الفاظ میں تنبیہ فرماتے:

''سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب کی ہے،اورسب سے بہترین ہدایت محمد(ﷺ) کی ہدایت ہے اور بدترین کام وہ ہیں جو(دین میں) نئے جاری کئے جائیں(دین میں)ہرنیا کام بدعت ہےاور ہر بدعت گمراہی ہے۔''(ابن ماجہ،مقدمہ:45،مسلم)،مزید فرمایا: ((و کل ضلالة فی النار))''اور ہرگمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔''(نسائی)۔

سب کی لعنت: فرمایا:''جوشخص یہاں(مدینہ میں) کوئی بدعت جاری کرے اُس پر اللہ کی،فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے۔''(متفق علیہ)۔

بدعتی کی تعظیم:فرمایا:''جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تواس نے اسلام گرانے میں مدد کی۔'' (البیہقی:9464)

سب لوگوں کا گناہ: ''جس نے کوئی بدعت جاری کی اوراس پرلوگوں نے عمل کیا توبدعت جاری کرنے والے پر ان تمام لوگوں کا گناہ ہوگا،جواس بدعت پرعمل کریں گے۔''(ترمذی:2677)

جامِ کوثر سے محرومی: اہل بدعت کوحوضِ کوثر کے پانی سے محروم کردیا جائے گا،دیکھئے:(بخاری:رقم:6583)

درود کا اضافہ: حضرت ابنِ عمرؓ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو چھینک آئی تو اُس نے کہا:(الحمدللہ والسلام علی رسولِ اللہ)۔اس پر سیدنا ابن عمرؓ نے فوراً اُسے کہا: کہنے کوتو میں بھی (الحمدللہ والسلام علی رسولِ اللہ) کہہ سکتا ہوں۔لیکن اس طرح کہنا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نہیں سکھلایا،آپ نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم (الحمدللہ علیٰ کل حال) کہیں۔(ترمذی:2738)

محبت کا حقیقی معیار یہی ہے کہ من مرضی کرنے کی بجائے،آپ ﷺ کے طریقے کو ترجیح دی جائے،جو کام جسطرح آپ ﷺ نے سکھلایا ہے اُسے اُسی طرح کیا جائے،نہ کہ من مرضی کی جائے۔ نیکی اور بدی کا تعین کرنا اللہ ورسول ﷺ کا کام ہے۔جبکہ بدعت کا مرتکب اپنی مرضی سے شریعت سازی کرکے اللہ اور رسول ﷺ کی جگہ پر فائز ہونے کی جسارت کرتا ہے۔مزید یہ کہ: بدعت کبیرہ گناہوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ گناہ کو گناہ سمجھ کرکیا جاتا ہے،جس پر توبہ کا امکان ہوتا ہے،جبکہ بدعت کو کارِثواب سمجھ کر،اسلئے توبہ کی توفیق نہیں ملتی، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ کوروک لیا ہے۔''(سلسلہ احادیث صحیحہ،ترقیم البانی،رقم:1620)۔ اس ضمن میں تفصیلی آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (رسالت کا حقیقی تصور،باب:٦)

(17)۔راہِ رسالت میں رکاوٹیں (ضعیف وموضوع روایات)

رسالت کے ضمن میں اگلی اہم ترین سمجھنے والی بات یہ ہے کہ قرآنِ حکیم اور پختہ روایات کی بجائے کمزور (ضعیف وموضوع) روایات کو دین کی بنیاد بنانے اور اِنہیں نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے سے اجتناب کرنا ہے۔اہل یہود، منافقین اور اُن کے پیروکاروں نے اَن گنت روایات گھڑ کر اسلام میں داخل کردی ہیں۔چنانچہ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب ''صحیح مسلم'' کو تصنیف کرنے کی بنیادی وجہ کثرت کے ساتھ ضعیف ومنکر روایات کی موجودگی بیان کی ہے۔دانستہ طور پر بے بنیاد روایات بیان کرنے والے کو جھوٹا قرار دیا گیا ہے اور اِس پر سیدھی سیدھی دوزخ کی وعیدیں ہیں، بلکہ بلا تحقیق سنی سنائی بات کو آگے بیان کرنے والے کو بھی جھوٹا قرار دیا گیا ہے،بطورِ عبرت نبی کریم ﷺ کی چند تنبیہات ملاحظہ فرمائیں،ارشاد فرمایا:

''میری حدیث بیان کرتے ہوئے احتیاط کیا کرو اور صرف وہی بیان کرو جس کے بارے میں تمہیں علم ہو کہ یہ میری حدیث ہے۔پس جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔ (جامع ترمذی:رقم:295)

مزید فرمایا:''اِنسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ (بلاتحقیق) سنی سنائی بات آگے بیان کردے۔''(صحیح مُسلم:رقم:8)

مزید یہ کہ آپ ﷺ نے خوفناک خبر دی ہے کہ میرے بعد امت میں جھوٹی حدیثوں کا فتنہ عام ہوجائے گا،لہٰذا ایسے خطرناک لوگوں سے بچنا،آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''آخری دور میں فریب کار جھوٹے لوگ ہوں گے،وہ تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباء نے،پس اپنے آپ کو اُن سے اور اُنہیں اپنے آپ سے دور رکھیو تاکہ وہ کہیں تمہیں گمراہی اور فتنے میں مبتلا نہ کردیں۔''(صحیح مُسلم:رقم:16)

جب ہر مسئلے پر قرآن مجید سمیت کثرت سے صحیح روایات موجود ہیں،تو آخر بے بنیاد روایات کو بنیاد بنا کر آپ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

<u>موجودہ صورت حال:</u> آپ ﷺ کی مذکورہ پیشین گوئی سو فیصد پوری ہوچکی ہے۔بہت کم لوگ اِس ضمن میں ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔اِن سب تنبیہات کے باوجود،صورت حال یہ ہے کہ اپنے اپنے خودساختہ، من پسند فرقوں کی آبیاری کی خاطر کیا علماء، کیا عوام،الاماشاءاللہ دھڑلے سے بے بنیاد روایات زبانِ زدِ عام ہیں۔بلکہ اس سے بھی آگے،نہ قرآن کا لحاظ ہے،نہ صحیح روایات کا،بلکہ غیرِ نبی اکابرین کے اقوال واشعار کی بنا پر تقاریر اور تحاریر کا بازار گرم ہے اور بچنے کی کوئی سبیل بھی نظر نہیں آتی۔لہٰذا اپنے اوپر ترس کھائیں اور بچنے کی فکر کریں۔

(9)۔ عبادات

(1)۔غایتِ صلوٰۃ (نماز)..148
(2)۔نمازِ باجماعت کا حکم..149
(3)۔نماز کی معراج میں رکاوٹیں..150
(4)۔عجلت اور نماز کا خشوع..151
(5)۔زکوٰۃ: اسلام کا دوسرا بنیادی رکن..152
(6)۔روزہ ایک عظیم نعمت..153
(7)۔حج ایک منفرد عبادت..154
(8)۔جہاد پر اہم نکات کا خلاصہ..155

(1)۔غایتِ صلوٰۃ (نماز)

دین کا نقطہ آغاز ''ایمان ومعرفت'' ہے جس سے قلب میں ''شکر ومحبت'' کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور نماز اس شکر ومحبت کا اولین مظہر اور دین کا سرچشمہ ہے۔سب سے اہم عبادت ''نماز'' ہے جسکے تکرار سے: بندہ اپنے رب کی یاد، تعلق تروتازہ، اپنی روح کی آبیاری اور باطن کی پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور زندہ نماز کے خشوع کی بدولت بندہ مومن مقامِ معراج حاصل کرتا ہے۔جس کی زندگی سے نماز نکل گئی اس کا باطن مردہ ہوگیا۔نماز کیوں فرض کی گئی ہے؟ اِسکے درج ذیل پانچ بنیادی اہداف ہیں جنہیں ہر نماز میں ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے:

(۱)۔بُلاوے پر حاضری/لبیک: یعنی یہ دیکھنا مقصود ہے کہ بُلاوے پر کون مشاغل ومصروفیات کو سمیٹ کر آقا کے حکم کی تعمیل پر لبیک کہتے ہوئے فوراً بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوجاتا ہے اور کون بے حس اور بے سُد دنیا کے مشاغل میں منہمک رہتا ہے۔

(۲)۔اعضائے بدن کو مطیع وفرمانبردار بنانا: دوسرا بڑا مقصد نماز کے مناسک (قیام،سجدہ ورکوع)... کی درست ادائیگی کے ذریعے جسم کو خالق کا طیع وفرمانبردار بنانا ہے۔دست بستا قیام،اٹھنا،بیٹھنا،جھکنا،سجدہ کرنا.... یہ سب اداؤں کی زبان میں بندے کا اپنے رب کے ساتھ قول وقرار ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو اپنے خالق ومالک کے حوالے کردیا ہے اور وہ اپنے رب کے حکم کے تابع ہوگیا ہے۔لہٰذا مسجد اور نماز سے باہر والی چوبیس گھنٹے کی زندگی بھی اب اللہ کے حکم کے تابع رہے گی۔

(۳)۔دعا اوردینی تقاضوں پر قائم رہنا: اگلا بڑا ہدف نماز میں موجود مواد یعنی (تسبیحات تکبیرات،فاتحہ...) کے معنی ومفہوم سے آشنا ہوکر دین وایمان کے بنیادی تقاضوں پر قائم رہنا ہے جو کہ صلوٰۃ کی اصل غایت ہے جو نماز کو سمجھ کر پڑھے بغیر ممکن نہیں۔اسلیئے فوراً نماز کو سمجھنے کا پختہ عہد کریں۔مزید یہ کہ نماز میں دعا کے مقامات (تشہد،سجدہ...) میں دعا کی قبولیت کا بڑا خاص ذریعہ ہیں۔

(۴)۔یادِالٰہی سے قلوب کی گرمائش: نماز اپنے خالق کی یاد، اسکے ساتھ تعلق تروتازہ کرکے اپنی روحانی بیٹری چارج کرنے، ایمان کی تازگی، اطمینان وسکون پانے اور اللہ کی مدد پانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔بالخصوص سجدے کی حالت میں بندہ مومن اللہ کو اپنے بہت قریب محسوس کرکے قلبی تسکین حاصل کرتا ہے جسکا ذکر سورۃ العلق میں کیا گیا۔یہی کیفیت مومن کی معراج یعنی رب کے ساتھ ملاقات ہے۔یہ وہ عالم ہے جو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔وہی خوش نصیب اسکے بارے میں جانے جسے یہ کیفیات نصیب ہوں۔

(۵)۔اتحادویکجہتی: نماز کا اگلا بڑا ہدف باجماعت نماز کے ذریعے اہل ایمان کا وقفے وقفے سے ایک دوسرے سے میل ملاپ ہے، تاکہ باہم حال احوال سے آگاہی سمیت دنیوی مشکلات،اونچ نیچ،بیماری وپریشانی.... میں باہمی رہنمائی اور تعاون کے مواقع، وحدت ویگانگت کے جذبات کا فروغ اور ایک صحت منداور فعال معاشرے کی تعمیر کا قیام ہوسکے۔

(2)۔نمازِ باجماعت کا حکم

اہل اسلام کی اتحادویکجہتی، باہمی مشاورت اور کفار پر رُعب و دبدبے کی خاطر نمازِ باجماعت، ہفتہ وار جمعہ اور عیدین کے مواقع پر اجتماعی اکٹھ کا تقاضا کیا گیا ہے۔ بلا عذر جماعت ترک کرنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، چند حقائق ملاحظہ کریں:

نمازِ باجماعت کا حکم ربانی: تنہا نماز کی بجائے خالق نے جماعت سے ادائیگی کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ (یعنی جماعت کے ساتھ)۔'' (البقرہ: آیت: 43)

حالت خوف میں باجماعت نماز کا حکم: سورۃ النساء آیت: ۱۰۲ میں عین جنگ کی حالت میں بھی اپنے بچاؤ کا خیال کرتے ہوئے (مخصوص انداز سے) انفرادی نماز کی بجائے، باجماعت نماز کا تقاضا کیا گیا ہے اور آنحضور ﷺ نے اِس شدید مشکل حالت میں بھی جماعت سے نماز پڑھائی ہے۔ تو عام حالات میں بلا عذر تنہا نماز کیسے ہوگی؟

رینگ کر جماعت میں شمولیت: آپ ﷺ نے فرمایا: ''عشاء اور فجر میں جو کچھ (اجر و ثواب) ہے، اگر لوگوں کو علم ہو جائے، تو وہ اِن دونوں (نمازوں) میں ہاتھوں اور گھٹنوں یا سرین پر گھسٹتے ہوئے (جماعت میں) حاضر ہو جائیں۔'' (صحیح بخاری کتاب الاذان)

بلا عذر بغیر جماعت نماز کا نہ ہونا: آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اذان سنی پھر (جماعت میں) حاضر نہ ہوا تو اُسکی (اکیلے) کوئی نماز نہیں سوائے عذر کے۔'' (ابوداؤد: 547)

جماعت چھوڑنے پر دلوں پر مہر: نبی کریم ﷺ نے امت کو خبردار کیا کہ:

''لوگ ضرور جماعتیں (باجماعت نمازیں) چھوڑنے سے باز آجائیں وگرنہ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے، پھر وہ ضرور غافل لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔'' (ابن ماجہ: 794)

گھروں کو جلانے کا ارادہ: آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً میں نے پختہ ارادہ کیا کہ، میں اپنے جوانوں کو حکم دوں کہ وہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کریں، پھر میں اُن لوگوں کے پاس آؤں جو نماز اپنے گھروں میں پڑھتے ہیں، تو (ان کے گھروں کو) ان پر خوب اچھی طرح جلا دوں۔'' (بخاری: 644، ابوداؤد)

فضیلت: ''باجماعت نماز، منفرد نماز سے ستائیس گنا افضل ہے۔'' (بخاری کتاب الاذان)

پس! بلا عذر جماعت کو ترک کرنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ انہیں تنبیہات کے پیش نظر ائمہ دین نے بھی جماعت کو واجب قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمیں اسکا لحاظ نہیں رہا۔

خواتین: خواتین کا دائرہ کار چونکہ گھریلو زندگی پر مشتمل ہے، اسلئے ان پر مسجد میں باجماعت نماز فرض نہیں کی گئی۔ لیکن انکے لئے بھی ترجیح کے ساتھ ہر نماز ''اول وقت'' میں ادا کرنا ضروری ہے۔

(3)۔نماز کی معراج میں رکاوٹیں

نماز چونکہ ذریعہ نجات اور مومن کی معراج ہے اسلئے یہاں بھی ابلیس پوری قوت سے حملہ ہو کر نماز کو ناقص ومردہ بنا کر منزل کھوٹی کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔اسکی دراندازی کچھ یوں ہے:

نماز سے قبل

(۱)۔نماز سے ہٹانا،نماز پڑھنے سے روکنا۔چنانچہ اکثریت تو یہیں اِسکا لقمہ بن جاتی ہے۔(۲)۔نماز کا ارادہ کرنے والوں کیلئے نماز کو بوجھ بنانا، پہاڑ بنا دینا۔(۳)۔جو نہ رُک سکیں انہیں بروقت باجماعت پر ادائیگی کی بجائے ہر ممکن تاخیر پر اُکسانا۔لیکن خشوع کو پانے والے پختہ اہل ایمان پر یہ داؤ، یہ رکاوٹیں کارگر نہیں ہو پاتیں، دیکھئے:(البقرہ: آیت:45)

نماز کے اندر

ادائیگی کے دوران ابلیس ہر ممکن نماز کو مردہ/ناقص وبے نتیجہ کرنے کی یوں کوشش کرتا ہے:

(۱)۔جلدی ڈالنا،تسلی سے ادئیگی نہ کرنے دینا۔جلد از جلد نماز کو ختم کر کے بھاگنے پر اُکسانا۔اَن گنت کاموں کے تقاضوں کو سامنے لانا۔اگر تسلی سے ادائیگی کا خیال ذہن میں آجائے تو موجودہ نماز کی بجائے آئندہ زندگی میں بہتر ادائیگی کا سبز باغ دکھانا۔(۲)۔سستی بوجھل پن، مریل پن اور بے چینی پیدا کرنا تاکہ فوراً نماز سے جان چھڑائی جاسکے۔(۳)۔الفاظ کے معنی ومفہوم سے توجہ ہٹانا،ان گنت خیالات پیدا کرنا.... تاکہ خشوع وخضوع جاتا رہے۔

حل(Solution)؟

(۱)۔پہلے بول وبراز اور دیگر حاجتوں سے فارغ ہوا جائے۔پھر نماز سے قبل ہی یہ نیت کرلیں کہ میں نے فوراً نماز ختم کرنے کی بجائے اس میں کچھ وقت گزارنا ہے،تاکہ اللہ سے تعلق پیدا ہو اور نماز سے کچھ حاصل ہو۔(۲)۔ذہن کو سمجھائیں کہ اِس وقت مَیں زندگی کا سب سے اہم کام کر رہا ہوں۔لہٰذا اِس کام کو تسلی سے کرنے کے بعد ہی باقی کاموں کی باری ہے۔یوں ان شاء اللہ فوراً شیطان کا زور ٹوٹ جائے گا۔(۳)۔ہر نماز اِس تصور سے ادا کرنا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ زندگی کی آخری نماز ہو اور اِسکے بعد مجھے یہ موقعہ نہ مل سکے۔اِس تصور پر آتے ہی نماز میں دل لگنا شروع ہو جائے گا۔(۴)۔نماز کے الفاظ کے معنی و مفاہیم اچھی طرح سے یاد کرنا اور اِن کی طرف دیہان رکھنا۔الفاظ اور اِسکے معنی ومفاہیم کے ساتھ چمٹ جانے سے نماز میں یکسوئی نصیب ہو جاتی ہے۔

جب حقیقی ایمان کی پختگی نصیب ہو جائے گی تو پھر ان شاء اللہ نماز آنکھوں کی ٹھنڈک بن ہی جائے گی،جیسا کہ پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ:''اور یقیناً نماز بہت بھاری ہے مگر سوائے خاشعین کے۔وہ جنہیں یقین ہے کہ اُن کی رب سے ملاقات ہونے والی ہے اور (بالآخر) اُسی کی طرف پلٹنا ہے۔''(البقرہ: آیات:45-46)

(4)۔عجلت اور نماز کا خشوع

اکثر لوگ بہت عجلت سے نماز پڑھتے ہیں، جبکہ نماز کو قائم کرنے کا تقاضا کیا گیا ہے۔یعنی پورے اہتمام اور خشوع کے ساتھ نماز کی پابندی کرنا، جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ:"یقیناً مراد کو پہنچ گئے وہ اہل ایمان جو اپنی نمازوں میں خشیت اختیار کرنے والے ہیں۔"(المومنون: آیات:1-2)

خشوع وخضوع: اِس سے مراد اللہ کی عظمت کے سامنے محبت وخوف کے جذبات سے عاجز وپست ہوجانا، گڑگڑانا ہے۔نماز میں میں دل کا نرم ہوجانا، دل کا اپنے معبود کے لئے پگھل جانا، اللہ کی عظمت اور اُسکے محاسبے کے خوف اور اُسکی نعمتوں کی شکرگزاری کے جذبے سے آنکھوں کا تر ہوجانا۔الفاظ کے معنی ومفاہیم کے اندر اتر کر اللہ کا مطیع و فرمانبردار ہوجانا۔"اللہ اکبر" کی ادائیگی سے واقعتاً اُسے سب سے بڑا تسلیم کرتے ہوئے باقیوں کے خوف سے نجات پاجانا اور نماز کے تقاضوں کا پوری زندگی پر اثر انداز ہوجانا "خشوع وخضوع" ہے جو کہ نماز کی اصل روح ہے۔

ظاہر اور باطن: یہ خضوع ظاہری ارکان کی تسلی سے ادائیگی اور باطن دونوں میں ضروری ہے۔باطن کا خشوع یہ ہے کہ انسان کی کمر اور سر ہی نہ جھکے بلکہ اُسکا دل بھی رب کے حضور جھک جائے۔باطن کے خشوع کے ساتھ ساتھ نماز کے ظاہری ڈھانچے: قیام، رکوع وسجود وغیرہ کی بھی سنت کے مطابق تسلی سے ادائیگی کس قدر ضروری ہے، ملاحظہ کیجئے:

☆ ایک صحابیؓ کو آپ ﷺ نے تین بار نماز دھرانے کا حکم دیا اور ہر بار فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی...اور چوتھی دفعہ اُس پر اُسکی غلطی واضح کی یعنی: تسلی سے قیام، رکوع، رکوع سے اٹھ کر تسلی سے کھڑا ہونا، تسلی سے سجدہ کرنا اور دوسجدوں کے مابین مناسب وقفہ کرنا۔(بخاری:793)

☆ سیدنا حذیفہ بن یمانؓ نے ایک آدمی جو رکوع سجود پوری طرح نہ کرتا تھا اسے کہا: تم نے نماز نہیں پڑھی، اگر تم (اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے) مرگئے تو تمھاری موت اس طریقے پر نہیں ہوگی جس طریقے پر اللہ تعالیٰ نے (حضرت) محمد (ﷺ) کو پیدا کیا تھا۔(بخاری:791)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدترین چور، نماز کا چور ہے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نماز کی چوری کیسے؟ فرمایا: نماز کا چور وہ ہے جو رکوع سجود پورا نہیں کرتا۔"(مسند احمد، مشکوٰۃ:885)

☆ ہم پر تو رکوع وسجود کی تین تین تسبیحات بھی بھاری ہیں جبکہ: صحابہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے رکوع، سجود، سجدوں کے مابین وقفہ اور رکوع سے کھڑا ہونا سب برابر تھے، اور بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ اپنی انفرادی نماز میں ۲۵۔دفعہ تک بھی تسبیحات پڑھتے تھے۔(بخاری:792)

لہٰذا عجلت سے نماز کو سر سے اتارنے کی بجائے نماز کے ظاہر اور باطن دونوں کو درست کرکے اپنے رب کے ساتھ حقیقی تعلق بنا کر نماز کی معراج حاصل کرکے قابلِ رشک بن جائیں۔

(5)۔زکوٰۃ: اسلام کا دوسرا بنیادی رکن

زکوٰۃ اسلام کا دوسرا بنیادی رکن ہے۔خالق کے نزدیک یہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔قرآن حکیم میں جہاں بھی نماز کا ذکر آیا وہیں ساتھ ہی زکوٰۃ کا تقاضا کیا گیا کہ کہیں اسے نظر انداز نہ کر دیا جائے۔

زور کیوں دیا گیا؟ اسباب کی اس زندگی میں جینے بلکہ دین کیلئے بھی مال واسباب کا ہونا ناگزیر ہے۔دنیا میں نیچے گرنے والوں کو سہارہ دینے کیلئے زکوٰۃ کا تقاضا کیا گیا ہے، جسے ہر صورت پورا کرنا ہے۔جو اِس سے آنکھیں چرا گیا وہ واقعی نامراد ہو گیا۔ایمان بنتا ہی قربانی سے ہے۔حقیقی ایمان اگر نصیب ہو جائے تو انسان انفاق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

زکوٰۃ کا معنی: اسکا معنی پاکیزگی اور بڑھوتری یعنی اضافہ ہے: مال اور اجر میں۔

اہمیت: زکوٰۃ کی ادائیگی اسلام میں داخلے کیلئے شرط ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

☆ ترجمہ: ''پس اگر وہ پلٹ آئیں،نماز قائم کریں،زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔'' (التوبہ: آیت:5)

☆ ترجمہ:''ہلاکت ہے مشرکین کیلئے، وہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے، وہی تو در حقیقت آخرت کے منکر ہیں۔'' (حم سجدہ:6-7)

☆''حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں زکوٰۃ نہ دینے والوں اور بیت المال مین جمع نہ کروانے والوں سے جنگ کی اور فرمایا: اللہ کی قسم میں تو اِن سے ضرور لڑوں گا، جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔'' (بخاری: کتاب الزکوٰۃ)

☆''جو شخص سونے اور چاندی کا مالک ہو اور اسکا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے، تو بروز قیامت اُس سونے اور چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی، پھر انہیں جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر انکے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا...'' (مسلم: کتاب الزکوٰۃ)

زکوٰۃ کن کو دی جائے گی؟ (۱)۔فقراء، (۲)۔مساکین، (۳)۔عاملین: وہ کارکن جو زکوٰۃ کی وصولی کی ڈیوٹی پر فائز ہوں، (۴)۔مولفۃ القلوب: یعنی نو مسلم یا اسلام کی طرف مائل کفار کے تالیفِ قلب کیلئے، (۵)۔غلاموں کی آزادی، (۶)۔مصیبت زدہ، مقروضوں پر، (۷)۔راہ خدا میں (یعنی دین کی اشاعت، جہاد، مدارس وغیرہ)، (۸)۔مسافرین کو ضرورت پڑنے پر۔ دیکھئے: (سورہ توبہ: آیت:60)

جن کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی: نبی کریم ﷺ، آپ ﷺ کی آل، غنی اور تندرست لوگ، والدین، اولاد اور غیر مسلم وغیرہ۔

زکوٰۃ کے مسائل پر تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: ''زکوٰۃ کے احکام ومسائل''۔

(6)۔روزہ ایک عظیم نعمت

روزے کی بنیادی غایت: اس کی بنیادی غایت ''مقصدِ حیات یعنی تقویٰ والی زندگی'' کو پا کر اخروی نجات کا حصول ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا: ترجمہ: ''اے ایمان والو تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی امتوں کے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تا کہ تم متقی بن جاؤ'' (البقرہ: آیت: 183)

تقویٰ؟ اس کا مطلب ڈرنا یا بچنا ہے۔ رب کی نافرمانی سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے خدا خوفی کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ یعنی چوبیس گھنٹے کی زندگی (نظریات، عبادات، اخلاقیات و معاملات) کو فکر مندی کے ساتھ اللہ کے قانون کے تابع گزارنا ''تقویٰ'' ہے جسکے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اس ماہِ مقدس کے آغاز میں شیاطین کو قید کر کے انسان کیلئے اُسکے اصل مقصدِ حیات کے حصول کو آسان کر دیا جاتا ہے۔ اِسی لئے اس ماہِ مقدس کے سایہ فگن ہوتے ہی لوگ خود بخود مساجد کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں، نیکی کا جذبہ اُمڈ آتا ہے۔

روزے کے دیگر مقاصد: (۱)۔ تربیت (ٹریننگ) کے عمل سے گزارنا: یہ ماہ مقدس تقویٰ و تزکیہ کے حصول کیلئے بطورِ تربیت آیا ہے۔ یہ ٹریننگ کا مہینہ ہے تا کہ ایک ماہ کی مشق سے گزرنے کے بعد انسان مقصدِ حیات پر گامزن ہو جائے۔ (۲)۔ بینک بیلنس میں اضافہ: رمضان میں یہ موقع دیا جاتا ہے کہ بھرپور نیکیاں کما کر اپنا بینک بیلنس بڑھایا جا سکے۔ مزید یہ کہ: رمضان میں نیکیوں کا اجر و ثواب بھی بہت بڑھ جاتا ہے، (۳)۔ بخشش کا چانس: یوں پروردگار نے اپنے بندوں کو چانس دیا ہے کہ وہ زندگی اصل ٹریک پر لا کر رب کی بخشش کے ذریعے ابدی زندگی کو بچا لیں۔

جس کا یہ عظیم موقع بھی غفلت و معاصی میں گزر گیا تو پھر بخشش کیلئے اور کون سا موقع ہاتھ آئے گا؟

رمضان کی بہاروں سے مستفید ہونے کے اہداف

اہل ایمان کو رمضان میں پورے اہتمام کے ساتھ درج ذیل اہداف (Goals) سیٹ کرنے ہیں:

(۱)۔ مشاغل و مصروفیات میں تبدیلی، (۲)۔ سارے روزے رکھنا، (۳)۔ گناہوں اور برائیوں سے روزے کی حفاظت کرنا۔ روزے کے ساتھ ساتھ اگر گناہ بھی سرزد ہوتے رہے تو پھر بھوکا پیاسا رہنا کچھ فائدہ نہ دے گا، (۴)۔ قرآن مجید کے ساتھ وابستگی: رمضان کی عظمت کی بنیادی وجہ اس ماہ مقدس میں قرآن کا نزول ہے اور قرآن ہدایت کے لئے اتارا گیا ہے اور ہدایت اِسے سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ لہٰذا رمضان کو غنیمت سمجھتے ہوئے قرآن کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اسے سمجھنے کا پختہ عزم کیا جائے۔ کم از کم چھوٹی سورتوں پر مبنی آخری چار پارے (۲۷ تا ۳۰) ضرور مکمل کر لیں انشاء اللہ زندگی میں انقلاب آ جائے گا، (۵)۔ نمازِ باجماعت کا اہتمام، (۶)۔ رات کا قیام کرنا، (۷)۔ کثرت سے استغفار کرنا، (۸)۔ نماز کی درستگی کی کاوش کرنا، (۹)۔ اہم صورتوں اور دعاؤں کے حفظ میں اضافہ کرنا، اور (۱۰)۔ رمضان میں اپنا محاسبہ کرتے ہوئے اپنی کسی نہ کسی کمزوری: تکبر، بخل، غصہ، غیبت، جھوٹ، بدنظری..... وغیرہ سے نجات کا پختہ عہد کرنا۔

(7)۔حج ایک منفرد عبادت

اس ضمن میں پروردگار نے فرمایا: ترجمہ: ''اور (بیت اللہ کا حج کرنا) لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اُسکے گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔اور جو کوئی انکار کرے تو اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے۔'' (آل عمران:97)

حج زندگی میں صرف ایک دفعہ فرض ہے۔ یہ ایک بہت منفرد عبادت ہے جس میں اطاعت کی بہت سی شکلیں: سفر، ہجرت، انفاق، نماز، طواف، رمی، مجاہدہ، صبر و قربانی... وغیرہ پائی جاتی ہیں۔اسی لئے یہ ''جہاد'' کے قائم مقام بن کر خصوصی انعام اور قرب کا ذریعہ بنتا ہے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ ''حج مبرور کا بدلہ جنت ہے۔'' (بخاری، کتاب العمرہ)

☆ ''جس نے حج کیا اور دوران حج کوئی بیہودہ بات، گناہ نہ کیا تو حج کر کے اس طرح گناہوں سے پاک لوٹے گا، جس طرح اُسکی ماں نے اسے جنا تھا۔'' (بخاری:1521)

حج کا فلسفہ: اِسکا فلسفہ رب کی آخری درجے کی ''اطاعت و فرمانبرداری'' اور ''قربانی'' ہے۔یہ اپنے آپ کو خالق کے حضور مکمل جھکا دینے (Surrender) کا نام ہے۔یہ اللہ کے مقربین: سیدنا ابراہیمؑ، سیدہ ہاجرہؑ اور سیدنا اسماعیلؑ کی اپنے رب کیلئے عظیم قربانیوں کی یاددہانی کیلئے اُنکی رب کیلئے اداؤں پر مشتمل ارکان کا نام ہے۔ارکان کی غایت کچھ یوں ہے:

(۱)۔احرام: اَن سلے دو کپڑے فخر و غرور کے خاتمے اور کفن کی یاد دلاتے ہیں جس میں اس دارِ فانی سے کوچ کرنا ہے، (۲)۔تلبیہ: (لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک، لاشریک لک) ۔اس میں بندہ خالق کے حضور پیشی کا اقرار کرتا ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر اپنے رب کے حضور پیش ہو گیا ہے۔اور خالق کی حمد، شکر اور اُسی کی طرف سے ہر نعمت کی دستیابی کے ساتھ ہر قسم کے شرک سے برائت کا اظہار کرتا ہے، (۳)۔طواف: عبادت کی اِس خاص شکل میں بندہ اِس مقصد کی نمائیندگی کرنا ہے کہ میری زندگی اللہ کو یاد کرنے اور اُسے یاد رکھنے کے گرد گھومتی ہے۔ہر شے اللہ ہی کی طرف سے آ رہی ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جائے گی، (۴)۔سعی: صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگانا سیدہ ہاجرہؑ کی اپنے بیٹے کیلئے پانی کی تلاش میں مامتا کی تڑپ کی عظیم مثال ہے جسکے نتیجے میں آبِ زم زم جیسی عظیم نعمت ملی، (۵)۔رَمی: اِسکی بنیادی غایت شیطان سے نفرت و دشمنی کا اظہار ہے۔لیکن افسوس کہ کنکر تو مارے جاتے ہیں، لیکن اندر سے شیطان سے دوستی کی پینگیں ہیں؟ (۶)۔منیٰ عرفات اور مزدلفہ: ان مقامات کی طرف سفر اور قیام، جہاد کی مشقت اور اجتماعیت کا اظہار ہے۔عرفات میں خطبہ اور دعا باطن کی تبدیلی اور بخشش کا سبب ہے۔مزدلفہ میں اوپن آسمان تلے زمین پر سونا غرور و تکبر کو کچل کر انسان کو اُسکی اصل حقیقت سے آشنا کرنے کا موجب ہے۔اور پھر قربانی ناجائز خواہشات کو اپنے خالق کیلئے قربان کرنے کا سبق دیتی ہے، (۷)۔مدینہ شریف: آپ ﷺ کے در اقدس، مسجد نبوی، جنت البقیع ...میں حاضری آنکھوں کی ٹھنڈک اور ایمان کی حلاوت کا سبب ہے۔

یوں محض رسم کی بجائے ارکان کی غایت کو ملحوظ رکھ کر حج کیا جائے تو انسان واقعتاً تبدیل ہو کر بخشا جاتا ہے۔

جلدی کریں: حج میں تاخیر کرنے سے بچیں۔کچھ معلوم نہیں کونسا عذر لاحق ہو کر رکاوٹ بن جائے۔شوق اور پختہ طلب پیدا کریں، تیاری کی پلاننگ کریں، مالک سب رکاوٹیں دور کر دے گا۔

(8)۔ جہاد پر اہم نکات کا خلاصہ

اسلام کے جتنے بھی تقاضے ہیں اُن میں سے سب سے مشکل تقاضا جہاد یعنی (جنگ) ہے۔اسی لئے امتحان اوراجر کے اعتبار سے بھی یہ سب سے بلند مقام پر ہے۔لیکن کفار کے عمل دخل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی طرف سے علمی وعملی سطح پر کمزوریاں کی بنا پر جہاد کا موضوع ایک متنازعہ اور متروک مسئلہ بن چکا ہے،لہٰذا اس ضمن میں اصل حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔جہاد کا معنی: کوشش کرنا یعنی: گناہوں سے بچنے،نیکیاں کرنے،دعوت واصلاح اور برائی کے خاتمے کی کوشش کرنا جہاد ہے،دیکھئے:(الحج:آیت:78)۔

جہاد کی اقسام: (۱)۔جہاد بالنفس: نفس کی پاکیزگی کی کاوش کرنا اور اِسے معصیت ونافرمانی،سرکشی وبغاوت اور شیطانی اُکساہٹوں سے بچانے کی جدوجہد کرنا جہاد بالنفس ہے دیکھئے(سورہ الشّمس)،(۲)۔ذہنی ودعوتی جہاد: قرآنی احکامات کو سمجھنا،انہیں من وعن تسلیم کرنا اور دوسروں تک بے کم وکاست پہنچانا اورلوگوں کی طرف سے لاحق خطرات کی پروانہ کرنا بہت بڑا جہاد ہے،دیکھئے:(الفرقان:آیت:52)،(۳)۔جہاد باالاعداء/جنگ وقتال: دین حق کے مخالفین اور دشمنوں کا سامنا کرنا اور ہر حال میں دین کو محفوظ اور قائم رکھنا جہاد کی خصوصی شکل ہے جو کفار کے ساتھ جنگ کی صورت میں ہے جو کہ خاص مواقع کیلئے ہے۔

جنگ کی غایت: جہاد فی سبیل اللہ کی روح ظلم وبربریت کا خاتمہ کرنا اور نظام عدل وقسط کو قائم کرنا ہے۔جنگ اِن اہداف کے تحت لڑی جاتی ہے: (۱)۔فتنہ وفساد کا خاتمہ اور دین کی سربلندی، (۲)۔کفار کی طرف سے عہد شکنی اور جنگ کی ابتدا کرنے پر،اور(۳)۔ضعفا کو کفار کے ظلم سے نجات دلانے کیلئے۔

دیگر نکات: (۱)۔جنگ کی تمنا نہ کی جائے: اسلام نے امن کی حالت کو پسند فرمایا ہے اور ہر ممکن جنگ میں صلح جوئی کے انتخاب کا مشورہ دیا ہے،(۲)۔ہر زمانے کا جہاد اُس زمانے کے ہتھیاروں سے ہوتا ہے،اِس زمانے کا ہتھیار ”سائنس وٹیکنالوجی“ ہے جس سے کافر پوری طرح لیس ہیں۔لہٰذا اِس سے بے تعلق رہ کر مسلح جہاد کی پلاننگ کرنا نادانی ہے،دیکھئے:(انفال:آیت:60)،(۳)۔جہاد میں عملاً حصہ نہ لینا صرف اُس وقت جرم قرار پائے گا جب حکام کی طرف سے ”نفیر عام“ ہوجائے،دیکھئے:(النساء :95-96)۔(۴)۔جنگ میں اللہ کی مدد اور فتح کیلئے ضروری چیزیں: (i)۔ایمان واخلاق کی پختگی، (ii)۔صبر واستقامت ،(iii)۔جدید تقاضوں کے تحت دفاعی تیاری،(iv)۔اتحاد ویکجہتی اور(v)۔منصوبہ بندی/حکمت وتدبیر... ہیں۔

جنگ کی شرائط: (۱)۔مسلمان حتی الامکان مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کریں گے،لیکن جب جنگ کرنا ناگزیر ہو تو پھر پیچھے نہیں ہٹیں گے،(۲)۔انفرادی طور پر لڑائی کی بجائے جنگ حکام کی قیادت میں لڑی جائے گی،(۳)۔سول آبادی بالخصوص خواتین،بچوں اور بوڑھوں پر حملہ نہیں کیا جائے گا، (۴)۔لاشوں کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی، (۵)۔ملک میں موجود سفیروں کو نہیں مارا جائے گا،(۶)۔جنگی اسیروں کے ساتھ شفقت سے پیش آیا جائے گا، (۷)۔عبادت گاہوں،فصلوں وغیرہ کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا،(۸)۔جو غیر مسلم جزیہ دیں اُنکی حفاظت کی جائے گی، (۹)۔دشمن اگر واقعتاً امن کا خواہش مند ہو تو جنگ روک دی جائے گی۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ”اسلام کا قانونِ جہاد“

(10)۔دین کی اخلاقی تعلیمات

(1)۔قتلِ ناحق..157
(2)۔مالی جرائم..158
(3)۔چار مروج غلاطتیں (حصہ اول)..................................159
(4)۔چار مروج غلاطتیں (حصہ دوم)..................................160
(5)۔غصہ پر قابو..161
(6)۔زبان پر قابو..162
(7)۔والدین کے حقوق..163
(8)۔اولاد کے حقوق..164
(9)۔خاونداور بیوی کے حقوق..165
(10)۔حقوق العباداور ایک اہم گھاٹی......................................166
(11)۔ اسلام کا قانونِ حیاء: ایک مشکل ترین امتحان......................167
(12)۔قانون حیاء کی پاسداری/بچنے کے ذرائع............................168
(13)۔اسلام کا قانونِ طلاق..169
(14)۔اسراف وتبذیر۔ایک بڑاخسارہ.......................................170
(15)۔نظروں سے اوجھل بے عدلی کی چند شکلیں..........................171
(16)۔تعلقات کی بقاپر ایک اہم حقیقت.....................................172

دین کی اخلاقی تعلیمات

زمین پر امن و عافیت سے رہنے اور آخرت میں نجات پانے کیلئے خالق نے انسان کو عبادات کے ساتھ ساتھ اخلاقی قوانین کا بھی پابند کیا ہے جن کی تفصیل ہم نے اپنی تحاریر: ''حقوق العباد''، ہمارا اخلاقی زوال''، ''پردہ'' اور ''طلاق''... میں پیش کر دی ہے۔ ان میں سے یہاں چند انتہائی ضروری عنوانات کی نشاندہی کی جائے گی۔

(1)۔قتل ناحق

خالق کے حوالے سے سب سے بڑا جرم ''شرک'' جبکہ مخلوق کے حوالے سے سب سے سنگین جرم ''ناحق جان لینا'' ہے۔ جہاں یہ جرم عام ہو جائے وہاں جینا ممکن نہیں رہتا۔ اسی لئے بقائے زندگی کیلئے خالق نے اِس پر انتہائی شدید ترین تنبیہات نازل فرمائی ہیں۔ لیکن افسوس کہ اسکے باوجود بھی مسلمان ایک دوسرے کے جانی دشمن بن چکے ہیں۔ چند ایک تنبیہات کا خلاصہ ملاحظہ کریں:

(۱)۔ایک انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کے قتل کے برابر قرار دیا گیا، دیکھئے: (المائدہ: آیت:32)

(۲)۔کسی اہل ایمان کی ناحق جان لینے پر شدید ترین تنبیہ یوں نازل فرمائی گئی:

ترجمہ: ''اور جو کسی اہل ایمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اُسکی سزا جہنم ہے، وہ اُس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اسکی لعنت ہوئی اور اسکے لئے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (النساء: آیت:93)

یعنی: (۱)۔اسکا بدلہ جہنم ہوگا، (۲)۔جہنم میں وہ جلے گا ہمیشہ ہمیش، (۳)۔وہ بدنصیب اللہ کے غضب کا شکار ہو گیا، (۴)۔اللہ کی لعنت اور پھٹکار اس پر آ پڑی، اور (۵)۔وہ بہت بڑے عذاب میں ڈال دیا گیا۔

(۳)۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (بخاری: رقم:10)۔یعنی جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ نہیں اُسکی مسلمانی کیسی....؟

(۴)۔حجۃ الوداع کے موقع پر حرفِ آخر کے طور پر نبی کریم ﷺ نے امت کو خبردار کر دیا:

مفہوم: ''بے شک تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمھارے اس (10 ذوالحجہ) کے دن کی حرمت، تمھارے اس شہر اور تمھارے اس مہینے میں ہے۔ اور عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے، وہ تم سے تمھارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا۔ خبردار! تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارو! سن لو جو یہاں حاضر ہے، وہ غائب کو یہ باتیں پہنچا دے... پھر آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار کیا میں نے (تمھیں اللہ کا پیغام) پہنچا دیا؟، کیا میں نے (تمھیں پیغام) پہنچا دیا؟۔'' (بخاری:4406)

یوں ہمیں ہوش کے ناخن لیتے ہوئے اِس بدترین جرم سے باز آ جانا چاہئے۔ لیکن افسوس کہ مسلمان مختلف حیلوں بہانوں: مادی اغراض اور مذہبی منافرت... کی آڑ میں ایک دوسرے کی جان لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ: آخر مسلمان کن چیزوں کا ڈھال بنا کر ایسا کرتے ہیں؟ اسکی حقیقی وجوہات سے آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (ہمارا اخلاقی زوال)

(2)۔مالی جرائم

جانی ظلم سے آگاہی کے بعد اب مالی جرائم سے بچنے کیلئے انکی قباحت سے آگاہی پیش خدمت ہے۔مالی جرائم کی مختلف شکلیں: مال وجائیداد ہڑپ کرنا، وراثت ہتھیانہ، ڈاکہ چوری، رشوت ستانی، دھوکہ دہی، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، سود، جادوٹونہ.... وغیرہ ہیں۔

(۱)۔پروردگار نے فرمایا: ترجمہ: ''جولوگ یتیموں کا مال ناجائزطور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اورعنقریب وہ ڈالے جائیں گے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں۔''(النساء: آیت:10)

(۲)۔وراثت سے محروم کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا: ترجمہ: ''اور جواللہ اور اُسکے رسول کی نافرمانی کرے (یعنی وراثت ہڑپ کرے) اور اُسکی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے، اُسے وہ (اللہ) ڈال دے گا جہنم میں، جس میں وہ رہے گا ہمیشہ ہمیش اوراُن کے لئے رسواکن عذاب ہے۔''(النساء: آیت:14)

(۳)۔خالق نے فرمایا: ترجمہ: ''تباہی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کیلئے۔''مزید فرمایا: کیا ذرا بھی خیال نہیں کرتے یہ لوگ کہ بیشک وہ اٹھائے جانے والے ہیں ایک عظیم دن کی (پیشی) کیلئے، وہ دن کہ کھڑے ہوں گے لوگ رب العالمین کے حضور۔ ہرگزنہیں بلاشبہ اعمال نامہ ہوگا بدکاروں کا سجین میں۔'' دیکھئے: (مطففین: آیات:1-7)

(۴)۔جادو سے کسی کونقصان پہنچانے سے انسان دائرہ اسلام سے ہی خارج ہوجاتا ہے۔(البقرہ: آیت:102)

آنحضور ﷺ کی تنبیہات

(۱)۔مال کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ مقروض کی بغیر ادائیگی قرض آپ ﷺ نماز جنازہ نہ پڑھاتے۔(بخاری:2289)

(۲)۔فرمایا: ''جس نے زمین کا ایک بالشت حصہ بھی ظلم سے ہتھیالیا، توبروز قیامت سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔''(بخاری:3198)

(۳)۔''جس نے کسی مسلمان آدمی کا حق (جھوٹی) قسم کے ذریعے سے قطع کرلیا، یقیناً اللہ نے اُس پر جہنم کی آگ واجب اور جنت حرام فرمادی۔ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ چاہے وہ تھوڑی سی چیز ہو؟ فرمایا: اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی ہو۔''(مسلم:137)

(۴)۔''جوشخص وارث کومیراث سے محروم کردے گا، تو اللہ تعالیٰ بروز قیامت اُسکو، جنت کی میراث سے محروم کر دے گا۔''(ابن ماجہ:2703)

(۵)۔رزقِ حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔(مشکوٰۃ:2760،صحیح مسلم)

(۶)۔''جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں (یعنی امتِ مسلمہ سے نہیں)''(صحیح مسلم:101)

(۷)۔ایمان کا تقاضا ہے کہ بوقتِ فروخت چیز میں موجود عیب کولازماً واضح کیا جائے۔(صحیح الجامع الصغیر للبانی:2705)

(۸)۔''(اپنے حق میں ناحق فیصلہ کروانے کیلئے) رشوت لینے اور دینے والا اللہ کی لعنت کا مستحق ہوجاتا ہے''(ابن ماجہ:2313)

یادرکھیں! رزقِ حرام نہ صرف دوسروں کی حق تلفی، اللہ کی نافرمانی ہے، بلکہ یہ ہمارے روحانی وجود پر بھی بہت بُرے اثرات مرتب کرکے معصیت ونافرمانی اورفواحش پر مائل کرنے کا باعث بنتا ہے۔لہٰذا فوراً تائب ہوکر اپنی اصلاح کرکے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچالیں۔

(3)۔چار مروج غلاظتیں (حصہ اول)

اخلاقی زوال کے حوالے سے چار مروج غلاظتیں: ''جھوٹ، بدعہدی، امانت میں خیانت اور غیبت'' ہماری زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔شاذو نادر ہی کوئی اِن سے بچا ہوگا۔ان پر ضروری آ گاہی پیش خدمت ہے:

(ا)۔جھوٹ

سچائی: امن وامان اور پاکیزہ طرزِ زندگی کی ضامن جبکہ جھوٹ: ناانصافی، فتنہ وفساد، خونریزی اور معاشرتی عدم استحکام کا باعث ہے۔فی زمانہ بات بات پر جھوٹ بولنا، قول وفعل میں تضاد مسلمانوں کا وطیرہ بن چکا ہے۔اس قباحت سے بچانے کیلئے سخت احکامات نازل ہوئے ہیں، چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

(ا)۔ترجمہ: ''اے اہل ایمان اللہ سے ڈرو اور بات کرو سیدھی (سچی)۔'' (احزاب: آیت:70)

(۲)۔مفہوم: ''جھوٹوں پر اللہ نے اپنی لعنت کی ہے۔'' دیکھئے: (آل عمران: آیت:61)

(۳)۔منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بولتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے، اور جب اسے امین بنایا جاتا ہے تو امانت میں خیانت کرتا ہے۔(بخاری:6095)

(4)۔مفہوم: فرمایا: مومن بزدل ہوسکتا ہے، بخیل ہوسکتا ہے لیکن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔(موطا امام مالک:1630)

رخصت کی چند شکلیں: ہر ممکن سچ بولنا ہے لیکن بعض انتہائی ناگزیر حالات میں، جائز امور میں کسی کو نقصان پہنچانے کی بجائے فائدے کی خاطر بات کو بدلہ جاسکتا ہے یا ذو معنی بات کی جاسکتی ہے، جیسے: (ا)۔حق کے تحت کسی کی جان بچانے کیلئے، (۲)۔لڑائی جھگڑا ختم کروا کر صلح کرانے کیلئے، (۳)۔دورانِ جنگ، جنگی چال کیلئے، (۴)۔میاں بیوی کے مابین فساد سے بچنے کیلئے (صرف خیر اور جائز امور میں)۔تاہم نجات کیلئے ہر ممکن شفاف تعلقات کا تقاضا ہے۔

(۲)۔بدعہدی

عہد و پیمان کی پاسداری تو وفاداری کی علامت جبکہ بدعہدی، بے وفائی کی علامت ہے۔بدعہدی انفرادی واجتماعی نظم زندگی کو ختم کرکے انسان کو بے بس کرکے رکھ دیتی ہے۔

(ا)۔ پُرسش: ''اور عہد وپیمان کی پاسداری کرو یقیناً عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔'' (الاسراء:34)

(۲)۔اہل ایمان کی صفت: اگر حقیقی ایمان موجود ہو تو امانت داری اور عہد کی پاسداری یقینی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

''وہ (اہل ایمان) اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔'' (معارج:70)

(۳)۔دین کی نفی: ''جس میں عہد وپیمان کی پاسداری نہیں اسکا کوئی دین نہیں۔'' (مسند احمد:12406)

عہد وپیمان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔زبانی قول وقرار سے لے کر خاندانی، سماجی اور ریاستی سطح پر: رشتے ناطے، لین دین، تجارت، ملازمت، نوکری، قوانین کی پابندی... سب درحقیقت معاہدات ہی ہیں۔

بچنے کیلئے: ان قباحتوں سے دامن بچانے کیلئے: (ا)۔بچنے کا پختہ فیصلہ کریں، (۲)۔اِنکے انجام سے آگاہی حاصل کریں، (۳)۔آخرت کا یقین پیدا کریں، (۴)۔انسانیت کو دکھ دینے کی بجائے اُنکے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا کریں، اور (۵)۔اللہ سے گڑگڑا کر ان رذائل سے بچنے کی دعا کریں۔

(4)۔چار مروج غلاظتیں (حصہ دوم)

چار مروج غلاظتوں میں سے جھوٹ اور بدعہدی کو جاننے کے بعد اب ہم خیانت اور غیبت سے آگاہ ہوں گے۔

(۳)۔خیانت

ایمان کا لازمی نتیجہ: اگر ایمان واقعتاً موجود ہو تو انسان خائن نہیں بلکہ امین ہوگا جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''وہ (اہل ایمان) اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں'' (معارج: آیت:70)

مزید فرمایا: ترجمہ: ''یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا اس شخص کو جو خائن گنہگار ہو۔'' (نساء: آیت:107)

ایمان کی نفی: ''جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں۔'' (مسند احمد:12406)

امانت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔یہ اپنے جسم سے لے کر عقائد، اعمال، حقوق اللہ، حقوق العباد، معاملات، کاروبار، حکومت، معیشت و معاشرت، دعوت دین... سب کو محیط ہے کہ ہم ان کے حوالے سے امین ہیں یا خائن؟

(۴)۔غیبت

وہ غلاظت جو انسانیت کو چمٹ گئی ہے، جس نے انسان کو دبوچ لیا ہے وہ غیبت اور جھوٹ ہے۔

کسی کی عدم موجودگی میں اُسکے متعلق ایسی بات (یعنی برائی یا عیب وغیرہ) بیان کرنا جو اس کے سامنے کہی جائے تو وہ اُس پر ناگوار گزرے۔اگر وہ عیب اُس میں موجود ہو تو غیبت ہوگی اور موجود نہ ہو تو پھر بہتان ہوگا جو کہ غیبت سے زیادہ سنگین جرم ہے۔اس قبیح جرم سے بچانے کیلئے نہایت موثر تمثیل سے سخت تنبیہ یوں فرمائی گئی:

ترجمہ: ''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ سو پس گھن آئے گی تمہیں اس سے تو (اس جرم سے توبہ کرو) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔یقیناً اللہ بڑا توبہ قبول فرمانے والا اور دائمی رحم فرمانے والا ہے۔'' (الحجرات: آیت:12)

لیکن افسوس کہ اِلّا ماشاءاللہ ہم خوب اپنے مردہ بھائیوں کا گوشت کھانے میں ہمہ تن مصروف ہیں!

اس ضمن میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''غیبت (یعنی دوسروں کا گوشت کھانے اور انکی عزتوں سے کھیلنے والے) دوزخ میں تانبے کے ناخنوں کے ساتھ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کر زخمی کریں گے'' (ابوداؤد: کتاب الجنائز)

غیبت کی جائز شکلیں: (۱)۔کسی کو ظلم، نقصان یا خطرے سے بچانے کیلئے، (۲)۔بطورِ مشورہ: خیر پر مبنی درست مشورہ دینے کیلئے، (۳)۔حاکمِ وقت کے ظلم سے آگاہی و بچاؤ کیلئے۔

بچ جائیں: (۱)۔آج ہی اس گندگی سے بچنے کا پختہ فیصلہ کرلیں کہ اب آگے سٹاپ ہے، (۲)۔اِسکی قباحتوں سے گاہے بگاہے آگاہی کو تروتازہ رکھیں، (۳)۔اپنی زبان کو سی لیں (بند کرلیں)، (۴)۔دوزخ کی ابدی آگ کو پیش نظر رکھیں، (۵)۔کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ آپکی غیبت ہو؟ مردہ بھائی کا گوشت کھائیں؟ تو پھر دوہرا معیار کیوں؟ (۶)۔ہمت کرکے پیٹھ پیچھے بات کرنے کی بجائے بھائی کے منہ پر بات کرنے کی جرئت پیدا کریں، (۷)۔لوگوں کو دکھ دینے کی بجائے ہمدردی کا جذبہ پیدا کریں، اور (۸)۔اللہ کے حضور گڑگڑا کر بچنے کی دعا کریں۔

کب تک غیبت کریں گے؟ جب آپ فوت ہوجائیں گے تو کیا غیبت کرسکیں گے؟ تو پھر ابھی سے منہ بند کرلیں اسی میں آپکی بہتری ہے۔!

(5)۔غصہ پر قابو

غصہ نارمل سے ہٹ کر ایک خاص کیفیت (Excited state) ہے جس میں انسان کا اپنے اوپر کنٹرول پوری طرح سے نہیں رہتا۔اس ضمن میں اہم نکات نوٹ فرمائیں:

(۱)۔غصہ ختم کرنا مقصود نہیں بلکہ اسے کنٹرول کرنا ہے، (۲)۔بعض مواقع پر کنٹرول غصہ آنا بھی ضروری ہے، جیسے: اللہ کی نافرمانی پر، اولاد وغیرہ کو نقصان دہ/غلط افعال سے بچانے کیلئے....

(۳)۔دو کیفیات سے ہر ممکن بچنا ہے: (i)۔غصہ کی شدت یعنی بے قابو ہونے سے، (ii)۔ہر وقت غصے میں رہنا۔ہر چھوٹی چھوٹی بات پر اوکھا بولنا، عادت بن جانا۔اگر خدانخواستہ ایسا ہے تو پھر سمجھ لیں کہ بہت بڑی بیماری لگ چکی ہے آپ کو جو کہ صحت، ایمان اور روحانیت کیلئے زہر ہے۔

قابو کیسے کیا جائے؟

(۱)۔علمی آگاہی: سب سے پہلے اِس پر علمی آگاہی حاصل کی جائے، اسکی حقیقت اور اسکے مضر اثرات کو جانا جائے۔دیکھا جائے کہ ہمارا خالق اِسکی بابت کیا رہنمائی فرماتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں اور تنگی میں اور پی جانے والے ہیں غصے کو اور معاف کر دینے والے ہیں لوگوں کو تو اللہ ایسے محسنین کے ساتھ محبت کرتا ہے۔'' (آل عمران: آیت:134)

پس اگر اللہ کے ہاں پسندیدہ بننا ہے تو غصے کو ہر صورت میں قابو کرنا ہوگا۔

(۲)۔اِسکے مضر اثرات: قساوتِ قلبی، ایمان کی خرابی، بے سکونی، اضطراب، لوگوں سے تعلقات کا خراب ہونا بلکہ بعض مواقع پر غصے میں بڑا نقصان کر بیٹھنا۔اس حالت میں جسم سے نقصان دہ ہارمونز کا خارج ہو کر بلڈ پریشر ٹینشن اور شوگر جیسی بیماریوں کا موجب بننا۔

(۳)۔پختہ فیصلہ: غصہ کی قباحتوں سے علمی آگاہی کے بعد...اِس سے قبل کہ کوئی بڑا نقصان کر بیٹھیں فوراً اس غلاظت کو زندگی سے نکالنے، اِسے قابو کرنے کا حتمی اور پختہ فیصلہ کر لیں۔

(۴)۔اہم نکتہ: یاد رکھیں! غصہ اُس وقت آتا ہے جب کوئی آپکی توقعات کے خلاف کرتا ہے، نقصان ہوتا نظر آتا ہے، اِسکے لئے: (i)۔یہ ذہن میں رکھیں کہ دنیا میں آپ خالی ہاتھ بلکہ ننگے بدن آئے تھے اور خالی ہاتھ ہی واپس لوٹ جانا ہے، تو اگر میری توقع نہیں بھی پوری ہوئی تو خیر ہے صبر کر لیا جائے، (ii)۔دوسروں سے زیادہ اچھے کی توقعات ہی نہ رکھیں، بلکہ یہی ذہن میں رکھیں کہ دوسروں نے غلط ہی کرنا ہے، آپکی توقع کے خلاف ہی چلنا ہے۔نقصان پر ضبط کرتے ہوئے ہر ممکن اچھا بولنے کی کوشش کریں۔مزید یہ کہ گھر میں ہر کام دوسروں پر ڈالنے کی بجائے اپنی ذمہ داری بھی لیں اور خود کاموں کو درست کرنے میں اپنا حصہ ڈالیں۔

(۵)۔غصے میں شروع کے چند سیکنڈ (دس بیس) زیادہ اہم ہوتے ہیں ان میں منہ بند رکھنے کی پوری کوشش کریں، اعوذ باللہ سے مدد لیں، اپنی حالت تبدیل کریں، وضو کریں وغیرہ، (۶)۔گڑگڑا کر اللہ سے دعا کریں۔

اِن نکات کو ذہن نشین رکھنے سے ان شاءاللہ صبر اور ضبط کے ذریعے غصہ پر قابو کی توفیق مل ہی جائے گی۔فیصلے کے عزم کے تحت غصہ فوراً بھی قابو ہو سکتا ہے اور کچھ وقت بھی لگ سکتا ہے۔کاوش میں لگے رہیں ان شاءاللہ بالآخر بیماری سے جان چھوٹ ہی جائے گی۔

(6)۔زبان پر قابو

انتہائی مشکل امتحان: اخلاقیات ومعاملات کا مشکل امتحان دو شکلوں میں ہوتا ہے یعنی 'زبان' اور 'عمل' سے۔ عمل کو تو قابو کرنا نسبتاً آسان ہے، لیکن زبان کو قابو کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اسلئے اس ضمن میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ زبان کے ذریعے لوگوں کی حق تلفی کی شکلیں: جھوٹ، بدکلامی، گالی گلوچ، غیبت، چغلی، بہتان تراشی، عیب، طعنہ زنی، تمسخر، لعنت کرنا...... وغیرہ ہیں۔

بچت کیلئے بطورِ عبرت قرآن وسنت سے رہنمائی کو ذہن نشین رکھیں، اس ضمن میں پروردگار نے فرمایا:

(۱)۔ترجمہ: ''میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ کہیں ایسی بات جو ہو بہترین۔ بلاشبہ یہ شیطان ہے جو وسوسہ ڈالتا ہے اُنکے مابین۔ یقیناً ہے شیطان انسان کا کھلا دشمن۔'' (بنی اسرائیل: آیت: 53)

پس! جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ: ہمارے خالق کا تقاضا شائستہ گفتگو کا ہے، جبکہ ابلیس جو کہ انسان دشمنی کی بنا پر زبان درازی پر اُکساتا ہے، تو اب اصلاح کا پختہ فیصلہ کرلیا جائے۔

(۲)۔انتہائی جامع تنبیہ: پروردگار نے زبان درازی کے ذریعے دوسروں کو کمتر خیال کرنے اور اُنکی عزت و آبرو کو پامال کرنے پر انتہائی جامع رہنمائی کے ذریعے سختی سے یوں تنبیہ فرمادی:

ترجمہ: ''اے اہل ایمان تم میں سے کوئی قوم دوسری قوم کا تمسخر نہ اُڑائے، کیا عجب کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ اور نہ مذاق اڑائیں عورتیں دوسری عورتوں کا کیا عجب کہ وہ اِن سے بہتر ہوں، اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القاب سے ایک دوسرے کو پکارو، بہت برا ہے نام پیدا کرنا فسق میں ایمان کے بعد اور جو باز نہ آئیں (ان حرکتوں سے) سو پس وہی ظالم ہیں۔'' (الحجرات: آیت: 11)

اس قدر واضح اور شدید تنبیہ کے بعد اب غلط روش / ظلم پر قائم رہنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے...؟

رسول اللہ ﷺ کی تنبیہات

(۱)۔''آدمی کے بُرا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے (یعنی تکبر کرے اور دوسروں کو کمتر سمجھے)۔'' (مسلم: کتاب البر والصلہ)

(۲)۔''جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اُسکے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔'' (بخاری: 6474، مسلم)

(۳)۔مفہوم: ''آدمی جب صبح سو کر اُٹھتا ہے تو اسکے سارے اعضائے بدن زبان سے ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں کہ ہمارے معاملے میں اللہ سے ڈرتی رہنا کہ ہمارا مدار تجھی پر ہے۔ تو سیدھی رہی تو ہم بھی سکون سے رہیں گے۔ اگر تو ہی لڑکھڑا گئی تو ہماری بھی کم بختی ہے۔'' (ترمذی: 2407)

(۴)۔مفہوم: صحابہؓ نے پوچھا: جس زبان کے ذریعے ہم کلام کرتے ہیں اسکے متعلق بھی کیا پوچھ ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ جو دوزخ میں اوندھے منہ گرائے جائیں گے تو وہ اِس زبان کی کاٹی ہوئی کھیتی ہی تو ہوگی۔'' (ابن ماجہ: 3973)

پس! ان حقائق سے آگاہی پر زبان کی ہلاکت سے بچنے اور اِسے کو قابو کرنے کا پختہ فیصلہ کرلیں۔

(7)۔ والدین کے حقوق

خالق اور اُسکے پیارے رسول ﷺ کے بعد بندوں میں سے سب سے مقدم حق والدین کا ہے۔ اسباب کی اس زندگی میں انسانی بقا کیلئے تمام دنیاوی رشتوں میں سے سب سے اہم رشتہ "والدین" کا ہے۔ خالق نے اِسی رشتے کو انسان کے دنیا میں آنے اور یہاں جینے کا اولین ذریعہ بنایا ہے۔ خالق کی عطا کے بعد ہم میں سے ہر کسی کا وجود اُسکے والدین کی وجہ سے ہی ہے۔ ہماری پیدائش، پرورش: خوار شیرگی، بچپن، لڑکپن، جوانی.... پھر ہماری تربیت، ادب آداب یہاں تک کے چلنا پھرنا، بولنا... کس کی بدولت ممکن ہوا؟ ہم جو کچھ بھی ہیں خالق کے کرم کے بعد اپنے والدین کی وجہ سے ہی ہیں۔ لیکن زندگی میں آنے کے بعد عموماً انسان کو یہ حقائق یاد نہیں رہتے۔ یہ سب احسانات اُسے بھول جاتے ہیں۔ دنیا اُسے حقیقت سے بہت دور لے جاتی ہے۔ انسان جب جوان ہوجاتا ہے، دنیا گزارنے کے قابل ہوجاتا ہے، تو دنیا کی بھیڑ میں یوں گم ہوجاتا ہے کہ: کاروبار، کمائی... پھر شادی اور بیوی بچوں ... کے سوا اب اُسے کچھ اور نظر ہی نہیں آتا۔ الا ماشاء اللہ بہت کم لوگ اِس عظیم تعلق کو نبھا پاتے ہیں، اکثریت والدین کو بھول جاتی ہے، جو کہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ نجات کیلئے اخلاص کے ساتھ درج ذیل عائدشدہ ضروری حقوق کو ہر صورت ملحوظ رکھنا ہے:

(۱)۔ حسنِ سلوک: اللہ و رسول ﷺ کے بعد دیگر مخلوقات میں سب سے زیادہ ادب و احترام، عزت اور حسن سلوک کرنا ہے۔ والدہ کا حق والد سے بھی زیادہ ہے۔ والدین اگر کافر و مشرک ہوں تب بھی دنیاوی معاملات میں حسن سلوک ہی کرنا۔ (۲)۔ خبر گیری: اُنکی خبر رکھنا، گاہے بگاہے رابطے میں رہنا، ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھنا، (۳)۔ اُنکی وصیت یا اقرار کو پورا کرنا، وراثت کا حق دینا، اُنکے تعلق والے رشتوں کا لحاظ رکھنا اور اُنکے دوستوں کا احترام کرنا، (۴)۔ اُن کا ہر حکم جو دین کے خلاف نہ ہو حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کرنا، (۵)۔ بڑھاپا: جسطرح بچپن میں آپ بے بس تھے، اب بڑھاپے میں والدین پر وہی وقت آگیا ہے۔ اُنہوں نے تو اپنی ذمہ داری احسن طور پر نبھا کر آپ کو کھڑا کردیا ہے، اب آپ کا امتحان آگیا ہے۔ یقیناً یہ بہت مشکل مرحلہ ہے، لیکن اِسے ہر صورت نبھانے کا عزم کرنا ہے۔ اب خالق کا خصوصی تقاضا ہے کہ: جب والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو خدمت میں شفقت و انکساری سے پیش آنا ہے، نہ جھڑکنا ہے، نہ اُف تک کہنا ہے، بلکہ نرمی سے بات کرنا ہے۔ ناسمجھی کی اس مشکل حالت میں اُنکی طرف سے ہونے والی کمی کوتاہیوں پر بھی درگزر کرنا ہے۔ اب اُنکے لئے اِن الفاظ میں دعا کرنی ہے کہ: ترجمہ: "اے میرے رب اِن دونوں پر رحم فرما جسطرح اُنہوں نے بچپن میں مجھے رحمت و شفقت سے پالا تھا"

(بنی اسرائیل: آیت: 24)

فوت ہونے کے بعد: (۱)۔ خدمت میں کوتاہیوں پر اللہ سے معافی مانگنا، (۲)۔ نیک راہ پر چلنا، اُنکی بخشش کیلئے دعا گو رہنا، اُنکی طرف سے صدقہ و خیرات کرنا، اور (۳)۔ اُنکے رشتوں اور دوستوں کا احترام کرنا۔

افسوس کہ دنیا کی بھیڑ میں گم اکثریت والدین کے حوالے سے اپنی ان ذمہ داریوں کو بھول چکی ہے۔!

(8)۔اولاد کے حقوق

دو اولین حق: اولاد کے حوالے سے والدین پر اولین درجے میں دو حق ہیں: (۱)۔حسبِ استطاعت رزقِ حلال سے کفالت و پرورش کرنا، (۲)۔دینی تربیت (Character Building) کے تحت دیانتداری، تقویٰ و تطہیر کی بہترین سیرت سے آراستہ کر کے دنیا کی ذلت اور ابدی عذاب سے بچانا۔

جہاں تک معاملہ کفالت و پرورش کا ہے تو اپنی اپنی بساط کے تحت کوئی بھی پیچھے نہیں رہتا۔اچھے سے اچھا لباس، رہن سہن، کھانا پینا، تعلیم، روزگار، مصائب و تکالیف سے بچاؤ.... سمیت ہر دنیاوی تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے، بلکہ سر دھڑ کی بازی بھی لگا دی جاتی ہے۔لیکن جس مقصد کیلئے دنیا کی ساری نعمتیں اور اولاد دی گئی ہے اُس سے ہم غافل ہیں، یعنی: خالق کی پہچان، اُس سے مضبوط تعلق، اسکی عبادت، اسکی حدود کی حفاظت، اُسکے احکامات کی پاسداری.... پر لا کر اولاد کو پرسکون دنیا کی نعمت سے نوازنا اور ابدی عذاب سے بچانا، جیسا کہ پروردگار نے حکم دیا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾۔(تحریم: آیت 6)

''اے اہل ایمان بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو آگ سے۔''

لیکن افسوس کہ الا ماشاء اللہ اکثریت اِس مقصد سے غافل ہے۔بچوں پر دنیا کے مصائب: گرمی کی لو، سردی کے تھپیڑے، بیماری، تنگی و تکالیف . . . تو ہمارے لئے قابلِ برداشت نہیں، لیکن ابدی ذلت ورسوائی، آگ... سے بچانے کی ہمیں کوئی خاص فکر نہیں۔حالانکہ: دین کی تعلیمات کے تحت اچھی تربیت اور کردار سازی کرنا، دیانتدار بنانا، دین کی ضروری تعلیمات سے آراستہ کرنا۔صوم و صلوٰۃ کا پابند بنانا۔سات سال کی عمر میں نماز کی تلقین کرنا، دس سال کی عمر میں اگر سستی کریں تو سرزنش کرنا۔یہ سب ہمارا اولین فریضہ ہے جس کی بابت ہمارا محاسبہ ہونا ہے۔نعم و ناز میں پالی گئی تقویٰ سے بے خبر یہی اولاد بروزِ قیامت ہمارا گریبان پکڑے گی کہ اُسے اُسکے اصل حق سے روشناس کیوں نہ کروایا گیا؟ اِسلئے فوراً جاگ جائیں اور اِس اصل ذمہ داری کو نبھانے کا پختہ عہد کریں۔

دیگر حقوق: ان دو بنیادی ذمہ داریوں کے علاوہ والدین پر درج ذیل دیگر حقوق ہیں:

(۱)۔اولاد کے مابین مساوات کو برقرار رکھنا۔تاہم اگر والدین اِسکا خیال نہ بھی رکھ سکیں تو بھی اولاد نے صبر ہی کرنا ہے اور والدین کا ادب و احترام ہر حال میں ملحوظ رکھنا ہے۔(۲)۔کُل مال و جائیداد کا کم از کم دو تہائی اولاد کیلئے ترکہ چھوڑنا اور اولاد کو حقِ وراثت دینا، (۳)۔دنیاوی تعلیم و تربیت، پاؤں پر کھڑا کرنے میں مدد کرنا، شادی و نکاح کیلئے کاوش کرنا، (۴)۔اولاد کی دنیا و آخرت کی بہتری کیلئے دعا گو رہنا۔

پروردگار والدین کا سایہ اولاد پر قائم رکھے اور والدین اور اولاد سب کو اپنی اپنی حقیقی ذمے داریوں کا احساس عطا فرمائے۔(آمین)

(9)۔خاونداور بیوی کے حقوق

نکاح کی بدولت خاوند اور بیوی کے بندھن کی بنیادی غایت ''نسل انسانی کی بقا'' ہے۔خالق نے نئے انسانوں کو دنیا میں لانے اور اُنکی پرورش کا بندوبست اِسی رشتے کے ذریعے کیا ہے۔اسلیئے انسانی بقا کیلیئے میاں بیوی کا رشتہ توازن پر قائم رہنا انتہائی ضروری ہے۔اِس رشتے میں بگاڑ سے خاوند اور بیوی سے زیادہ اولاد متاثر ہوتی ہے، جوکہ خاندانی عدم استحکام اور بالآخر معاشرتی عدم استحکام اور ذلت کا موجب بنتی ہے۔اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اخلاق میں اپنی عورتوں کے حق میں سب سے بہتر ہے۔'' (ترمذی:1162)۔اسی اہمیت کے پیش نظر میاں بیوی دونوں پر حقوق عائد کئے گئے ہیں اور اپنی اپنی ذمہ داریوں کو سختی سے ملحوظ رکھنے کا تقاضا کیا گیا ہے، جسکا اجمالی خاکہ یوں ہے:

خاوند پر بیوی کے حقوق: (۱)۔اندر باہر سے ایک ہونا، باہم فریب ودھوکہ دہی سے بچنا، (۲)۔پہلی فرصت میں حق مہر ادا کرنا، حسب استطاعت نان ونفقہ سمیت دیگر اخراجات کیلیئے معاشی ذمہ داریاں اٹھانا، (۳)۔حکم چلا کر غلام بنانے کی بجائے گھرداری سمیت دیگر امور میں ہر ممکن تعاون کرنا، (۴)۔حتی الامکان برداشت اور عفوودرگزر سے کام لینا، حسن سلوک کرنا، شرعی حدود کی پاسداری کی تلقین کرنا، (۵)۔ناحق ظلم وزیادتی اور طلاق سے گریز کرنا، سرکشی ونافرمانی پر اِسے سمجھانا، بستر الگ کرنا پھر بھی باز نہ آئے تو ہلکی پھلکی سزا دینا اور جب پلٹ آئے تو پھر خواہ مخواہ الزام تراشی سے باز رہنا، دیکھیئے: (نساء: آیت:34)، (۶)۔ بیوی سے اچھا برتاؤ کیا جائے اور محض ناپسند ہونے کی وجہ سے (اُس سے نفرت نہ کی جائے) ممکن ہے اللہ اُس میں (کوئی اور) خیر رکھ دے۔دیکھیئے: (نساء: آیت:19)

بیوی پر خاوند کے حقوق: (۱)۔اندر باہر سے ایک ہونا، باہم فریب ودھوکہ دہی سے بچنا، (۲)۔خاندان کی چھوٹی سی ریاست ہے جسکا سربراہ مرد کو بنایا گیا ہے، مرد کی یہ برتری عورت کو تسلیم کرنا ضروری ہے (نساء: آیت:34)، (۳)۔دین کے تحت خاوند کی اطاعت وفرمانبرداری، وفاداری اور شوہر کو راضی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنا، (۴)۔عفت وعصمت اور شوہر کے رازوں کی حفاظت کرنا (نساء: آیت:34)، گھر کی حفاظت، گھرداری میں تعاون، شوہر کی اجازت کے بغیر کسی غیر محرم کو گھر میں داخل نہ ہونے دینا، (۵)۔خاوند کی خوشی کیلیئے وسائل اور شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے پاکیزگی اور زیب وزینت کا خیال رکھنا، (۶)۔شوہر کی کمائی کو خرچ کرتے ہوئے اُسکی مرضی کا دھیان رکھنا، شکرگزاری کا رویہ اپنانا۔

پس! اللہ کی پکڑ، اُخروی خسارے، اولاد کی بربادی اور غیر مستحکم معاشرے کا موجب بننے سے بچنے کیلیئے دونوں فریقین مذکورہ عائد شدہ حقوق کو ہر ممکن ملحوظ رکھنے کی کوشش کریں۔تعلقات کے دوام کیلیئے دو باتیں انتہائی اہم ہیں: (۱)۔باہم مخلص (Fair) ہونا اور (۲)۔حتی الامکان صبر کرنا، عفوودرگزر سے کام لینا۔

اللہ ہمیں اپنی رضا، اولاد کی بہتری اور باہمی سکون کی خاطر اِس تعلق کی اصل غایت کو سمجھ کر صبر کرنے اور باہم اپنی اپنی حقیقی ذمہ داریاں ہر ممکن ملحوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(10)۔حقوق العباد اور ایک اہم گھاٹی

حقوق العباد میں خالق نے قرابت داری کو تو خاص اہمیت دی ہی ہے۔لیکن قرابت داری کے لحاظ کے ساتھ ساتھ نادار لوگ یعنی یتیم،فقیر اور مسکین وغیرہ جو گردشِ ایّام،حالات کے اُتار چڑھاؤ کی زَد میں آ کر نیچے گر جاتے ہیں اور اپنی بنیادی ضروریات سے محروم ہو جاتے ہیں۔پروردگار نے اُن کا لحاظ رکھنے،اُن پر رحم کرنے کی بہت خاص تاکید فرمائی ہے۔دنیا کی نظر میں تو اِن کا کوئی مقام نہیں، بلکہ اِنہیں بڑا بدنصیب سمجھا جاتا ہے،لیکن اللہ کی نظر میں اِن کا بڑا مقام ہے۔یہ لوگ ہمارے لئے بڑا امتحان بھی ہیں کہ ہم اِن کا خیال رکھتے ہیں یا نہیں۔اِن کے بینک بیلنس میں اضافے کا تقاضا تو نہیں کیا گیا،لیکن پروردگار نے اِن کی بنیادی ضروریات بالخصوص روٹی کپڑے،صحت،قرض یا غلامی سے نجات کا تقاضا ضرور کیا ہے۔جیسا کہ ایک مقام پر اِن کی بنیادی ضرورت کا لحاظ رکھنے کا تقاضا نہایت شاندار انداز سے یوں کیا گیا:

ترجمہ:''پر وہ نہیں چڑھا (ابھی) وہ دشوار گزار گھاٹی اور تم کیا جانو وہ گھاٹی کیا ہے؟ (یہی کہ) گردن چھڑائی جائے کسی کی (غلامی و محکومی کی زندگی سے) اور بھوک کے دن کھانا کھلایا جائے کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک آلود مسکین کو۔''(البلد:11-16)

اللہ اکبر!پروردگار نے نہایت پرزور اور شاندار انداز سے اِس عظیم خیر کی طرف ترغیب دلائی ہے کہ جو کھاتا پیتا شخص ،جسے اللہ نے محتاجی سے بچا کر دنیاوی نعمتوں سے نوازا ہو۔لیکن وہ اپنی قرابت داری کے سرکل میں یا آس پاس موجود مذکورہ نادار لوگوں سے بے پروا ہو کر محض ذاتی اغراض کی حرص ہوس میں بخیل بن گیا ہو تو پھر وہ خواہ کتنا ہی نمازی ہو،کتنا ہی دین دار کیوں نہ ہو،وہ پھر حقیقی ایمان،دینِ حق اور عملِ خیر کی گھاٹی پر ابھی نہیں چڑھا۔یعنی حقیقت سے ابھی بہت دور ہے۔لہٰذا!پروردگار کی اِس عظیم رہنمائی کو فوراً سنجیدہ لے کر حسبِ توفیق اِس عظیم خیر کو زندگی کا حصہ بنا کر،اِسکی بدولت ملنے والے عظیم سکون واطمینان اور اللہ کی رضامندی کو پا کر قابلِ رشک بن جائیں۔

یاد رکھیں!ایک دن آپ نے سب کچھ یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔لہٰذا آمدن آتے ہی اُس میں سے اللہ کا حصہ (انسانی ہمدردی اور اقامتِ دین) کیلئے فوراً نکال دیا کریں۔اِس ضمن میں محسنِ انسانیت ﷺ نے عظیم رہنمائی یوں فرمائی:

☆ مفہوم:''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا، جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے شہادت کی اُنگلی اور درمیانی اُنگلی (ساتھ ساتھ ہیں)۔(بخاری:6005)

☆ ''بیواؤں اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا،اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اُس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔''(بخاری:6006)

فقیروں،مسکینوں اور محتاجوں کے حوالے سے کسی بندہ مومن کے قلم سے نکلے درج ذیل فقرے یاد رکھنے کے قابل ہیں:

''کبھی سڑک پر گھسٹ کر بھیک مانگتے ہوئے فقیر یا کسی دوسرے محتاج کو دیکھ کر تصور کریں کہ یہ دراصل میں تھا۔پھر مجھے اللہ نے اِس حالت سے نجات دے دی۔اب وہ مجھے آزما رہا ہے کہ میں محتاجوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتا ہوں؟''

نوٹ:اِس ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مانگنا اِس وقت ایک پیشہ بن چکا ہے۔لہٰذا مستحق افراد کی چھان پھٹک کی کوشش بھی کرنے کی ضرورت ہے جیسے:جاننے والے عزیز واقارب،اہلِ محلّہ،گھریلو ملازم....وغیرہ۔تاہم عام سائل کو اگر نہ بھی دینا چاہیں تو خیر ہے،لیکن اُسے جھڑکنا نہیں،بُرا برتاؤ نہیں کرنا۔اللہ ہمیں اِس گھاٹی کو سَر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(11)۔ اسلام کا قانونِ حیاء: ایک مشکل ترین امتحان

نئی نسل کثیر فتنوں کی زَد میں ہے۔ایمان کے ٹسٹ کے طور پر دنیا میں مختلف نوعیت کے انتہائی مشکل امتحانات انسان کو درپیش ہیں، جن میں سے جنسی امتحان سب سے مشکل ہے۔خالق کا ''شرم وحیاء'' کے حوالے سے کیا گیا تقاضا انسان پر بہت گراں ہے۔چونکہ بے حیائی ابلیس کو بے حد مرغوب ہے اور حیاء پر آنے سے انسان کی خواہش پر شدید زَد پڑتی ہے۔ اسلئے فی زمانہ مذہبی لوگ بھی الا ماشاء اللہ عموماً ''قانونِ حیاء'' کو ملحوظ رکھنے کیلئے آمادہ نہیں۔''مردوعورت کا بے تکلف اختلاط'' سب فتنوں پر بھاری ہے۔ ہیجانی کیفیت پر مبنی اِس شدید جنسی جذبہ کے سامنے بند باندھنا نہایت دشوار ہے۔

انتہائی ضرورت کے تحت: مردوعورت ناگزیر حالات میں انتہائی ضرورت کے تحت پردے کے قانونی تقاضے پورے کرتے ہوئے، پردے کی اوٹ میں یا آمنا سامنا ضروری ہو تو نظریں جھکا کر باہم بات چیت کر سکتے ہیں، لیکن عام معمول میں فری میل ملاپ اور گپ شپ کی کوئی گنجائش نہیں۔

معاملے کی سنگینی اور خالق کا حکم

پروردگار نے بدکاری کا ذریعہ بننے والے تمام راستوں کو سختی سے بند کرنے کا یوں حکم دیا: ترجمہ: ''اور بے حیائی کے (جتنے بھی طریقے ہیں) اُن کے قریب بھی نہ پھٹکو خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔'' (الانعام: آیت: 151)

بے حیائی دردناک عذاب کا موجب، ارشاد ہوا: ترجمہ: ''بلا شبہ وہ لوگ جو بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں اہل ایمان میں، اُن کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔'' (سورہ نور: آیت: 19)

فرامینِ رسول ﷺ سے عبرت

(۱)۔ ایمان اور حیا لازم وملزوم: جہاں ایمان ہوگا وہاں حیا ضرور ہوگی، جیسا کہ فرمایا گیا:

((فان الحیاء من الایمان)). ''حیاء ایمان میں سے ہے۔'' (بخاری، مسلم)

(۲)۔ ''جب حیا نہ رہی تو پھر جو چاہو کرو (یعنی اسلام کا پٹہ اتر گیا)۔'' (بخاری: باب حیا وشرم)

(۳)۔ ''غلط دیکھنا آنکھ کا زنا ہے، غلط بولنا زبان کا زنا ہے اور نفس، تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اِن تمام امور کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔'' (بخاری: 6343)

(۴)۔ ''کوئی مرد ہرگز کسی غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے۔'' (بخاری: 5233)

(۵)۔ ''غیر محرم عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے بچو، ایک انصاری نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! دیور یا جیٹھ کے بارے میں بتلائیں؟ فرمایا: دیور یا جیٹھ تو موت ہے۔'' (بخاری: 5232)

شدید احتیاط تقاضا: تین بنیادی وجوہات کی بنا پر کیا گیا ہے: (۱)۔ سب سے شدید جذبہ، (۲)۔ تقویٰ وتطہیر یعنی: روحانی وجود کو پاکیزہ رکھنے کیلئے، (۳)۔ پاکیزہ نسل انسانی کی دستیابی کیلئے۔

اختلاط کے زہریلے اثرات: بلا تکلف میل ملاپ، سوشل میڈیا کے گندے مواد.. کے درج ذیل زہریلے اثرات ہیں: (۱)۔ روحانی تنزل / روحانی وجود کی موت واقع کا ہونا، (۲)۔ ذہنی آلودگی / روح کی پراگندگی، (۳)۔ بے سکونی، اضطراب وبے چینی، اور (۴)۔ بالآخر بدکاری کی ہلاکت تک جا پہنچنا۔

(12)۔قانون حیاء کی پاسداری/بچنے کے ذرائع

شرم وحیاء کے حوالے سے ضروری آگاہی پر جن لوگوں میں بچنے کی فکر پیدا ہوگئی ہے،اب ہم دیکھتے ہیں کہ اُنہیں بے حیائی کے زہریلے اثرات اور اِس آگ سے اپنا دامن بچانے کیلئے کیا کرنا ہے؟ اِس ہیجانی کیفیت پر مبنی شدید ترین فتنے سے بچنے کے درج ذیل ضروری اقدامات ہیں:

(۱)۔علمی آگاہی: معاملے کی سنگینی یعنی قانون کی عدم پاسداری کے دنیا وآخرت میں ہلاکت خیز نتائج سے قرآن وسنت سے آگاہی حاصل کرنا،جیسا کہ اس تحریر میں بھی دی گئی ہے۔گاہے بگاہے اس آگاہی کو تروتازہ رکھنا، (۲)۔پختہ فیصلہ: خالق کی رضا کی خاطر اپنے دامن کو اِس غلاظت سے بچانے کا پختہ فیصلہ کرنا، (۳)۔صحبت وماحول/فاصلہ پر رہنا: ماحول یا صحبت انسان پر جادو کی طرح اثر کرتی ہے۔انسان نے اُسی طرح کا ہوجانا ہوتا ہے جس طرح کا اُسکا ماحول اور دوستیاں ہوں گی۔ جب تک بُری سنگت سے سخت اجتناب اور اچھی سنگت کو اختیار نہ کیا جائے، برائی کی قباحتوں سے بچنا ممکن نہیں۔بالخصوص جنسی شہوات جن کی شدت تمام جذبات سے بڑھ کر ہے۔اگر اِس میں اختلاط، بے تکلف گفتگو،میل ملاپ، بالخصوص سوشل میڈیا پر موجود گندا مواد.....ان سے کوسوں دور نہ رہا گیا تو اِنکے زہریلے اثرات سے بچنا ممکن نہیں۔اِس میں ذرا سی بے احتیاطی بھی بڑی ہلاکت کا باعث بن سکتی ہے،(۴)۔وقت پر نکاح: نکاح میں تاخیر کرنا بھی اِس غلاظت میں آلودہ ہونے کی ایک بڑی وجہ ہے،(۵)۔روزہ: اِس پر قابو کیلئے روزے کے ذریعے نفس کو کمزور اور روح کو طاقت دی جائے،(۶)۔اخروی انعام: دنیا کے انتہائی حقیر حسن اور لذات پر مٹنے کی بجائے،صبر کی بدولت نصیب ہونے والی اُخروی عظیم لذات کو پیشِ نظر رکھا جائے،(۷)۔سزا: معاشرے میں حکام کا بدکاری پر سزا کے قانون کے نفاذ کو یقینی بنانا اور (۷)۔مسلسل کاوش: دعا اور کوشش کو مسلسل جاری رکھا جائے، بدنگاہی و بے حیائی کا یہ جن قابو آنے میں وقت لگے گا، کیونکہ یہ نفس کی بڑی کمزوری ہے اور ابلیس کو بے حیائی بہت محبوب ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾۔"اور (شیطان) تمھیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے"(البقرہ :آیت:268)

یاد رکھیں! آگ سے دور رہ کر ہی آگ کی تپش سے بچاؤ ممکن ہے۔آگ کے دامن میں بیٹھ کر یہ کہنا کہ آگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی نری ہی بے وقوفی ہے۔بی بی زلیخہ کے مقابل عمر کے لحاظ سے سیدنا یوسف علیہ السلام بچے تھے، اِسکے باوجود بھی وہ خاتون قریب آنے کی وجہ سے اُن کے جمال پر فریفتہ ہوکر حد کو تجاوز کرنے تک جا پہنچی، جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ:"اُس عورت نے قصد کیا یوسف کا اور وہ بھی کر بیٹھتے اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔یونہی ہوا اس واسطے کہ ہم اُس سے برائی اور بے حیائی دور کردیں اور بلاشبہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔"(سورہ یوسف:آیت:24)

تو پھر ہم کس باغ کی مولی ہیں؟ زندگی کے ہر شعبہ میں خالق کے حکم کی خلاف ورزی کرکے مرد وعورت کو یکجا کر کے اِسکے قبیح اثرات سے ہم کیسے بچ سکتے ہیں....؟اس ضمن میں تفصیلی آگاہی کیلئے دیکھئے ہماری تحاریر:

"اختلاط" اور "پردہ"

(13)۔اسلام کا قانونِ طلاق

(۱)۔خاندانی استحکام کیلئے علیحدگی سے ہر ممکن بچنے کی تعلیم دی گئی ہے۔حلال امور میں سے طلاق کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے۔اِسکے لئے بھی خالق نے نہایت عمدہ احکام نازل فرمائے ہیں، جن میں انسانی کمزوریوں کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۲)۔قرآن حکیم کے مطابق اکٹھی دو یا تین طلاقوں کا دور دور تک کوئی تصور یا جواز موجود نہیں۔قرآن نے ہر طلاق کو مناسب وقفہ کے ساتھ مشروط کر کے: سوچنے، سمجھنے اور سنبھلنے کا پورا حق دیا ہے تا کہ عورت کا استحصال نہ ہو اور خاندانی نظام تباہی سے بچ سکے۔

(۳)۔یہ حقیقت ہے کہ: بخشش و شفاعت کے غلط تصور نے لوگوں کی آخرت، جبکہ طلاق کے غلط تصور نے لوگوں کی دنیا یعنی خاندانی نظام کو بھی برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

(۴)۔یک مجلسی اکٹھی تینوں طلاقوں کے واقع ہونے یا نہ ہونے پر دونوں کی قسم کی احادیث موجود ہیں اور روایات میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے۔لہٰذا قرآن حکیم کی اٹل رہنمائی کی روشنی، روایات اور سلف سے استفادہ کی بنا پر وہ راہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس سے خاندانی نظام کی بقا ہو نہ کہ استحصال اور عورت کو تحفظ ہو نہ کہ غیر محفوظ۔اگر کوئی پھسل جائے تو اُسے سہارہ دے کر اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ گرانے کی۔ اکٹھی تین طلاقیں دینا قرآن کے ساتھ مذاق اور اللہ کی حدوں کو توڑنے کے مترادف ہے، دیکھئے: (نسائی: 3430: ابوداوٗد)۔لہٰذا بغیر تعزیر و تہدیدی صورت کے خالق کی منشاء اور حکمت پر مبنی قانون کے خلاف فیصلہ جاری کرنا درست نہیں۔

(۵)۔رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک اور ابوبکر صدیق ؓ اور سیدنا عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوتی تھی۔ پھر سیدنا عمرؓ نے حالات کے تقاضے کے تحت تعزیری طور پر بطورِ سزا تین کے تین واقع ہونے کا تعزیری حکم صادر کر دیا۔یعنی یہ حکم شریعت کا رائج قانون و دستور نہ تھا بلکہ بطور مصلحت، حالات کے تقاضے کے تحت کیا گیا تھا۔

(۶)۔سلف، ائمہ حضرات اور محدثین رحمہم اللہ نے زیادہ تر حضرت عمرؓ کے تعزیری فیصلے کو ہی جاری رکھا ہے۔تاہم بہت سے اہل علم دوسری رائے (تین کے ایک واقع ہونے) پر بھی موجود ہیں۔یعنی یہ اجماعی مسئلہ قطعاً نہیں، بلکہ اختلافی مسئلہ ہے۔

(۷)۔سیدنا عمر فاروقؓ کے اسوہ کی روشنی میں ناگزیر حالات کے تناظر میں اگر مفید ہو تو آج بھی تعزیری طور پر علماء حضرات کی مشاورت سے حکومتی سطح پر تین طلاق کے تین واقع ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔لیکن فی زمانہ حالات اسکے بالکل برعکس ہیں۔

(۸)۔لہٰذا موجودہ حالات کے تناظر میں عموماً تین طلاق کو ایک ہی قرار دینا چاہئے۔اگر کوئی ڈوب رہا ہو تو اُسے سہارہ دے کر نکالنے کی ضرورت ہے نہ کہ مزید ڈبونے کی۔؟ اس ضمن میں تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ’’اسلام کا قانونِ طلاق‘‘

(14)۔اسراف وتبذیر۔ایک بڑا خسارہ

خالق نے یہ زندگی اسباب کے تحت چلائی ہے۔دنیا کا پہیہ اسباب (مادی اشیاء) کے تحت ہی چلتا ہے۔اسلئے اسباب وسائل کو ضائع کرنا درحقیقت اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی ختم کرنے کے مترادف ہے۔

خالق نے جو چیزیں بھی پیدا کی ہیں وہ بڑی قیمتی ہیں۔معمولی چیز میں بھی سمندروں کی گہرائی ہے۔ایک سرسوں، گندم یا چاول کا دانہ ساری دنیا کے لوگ مل کر نہیں بنا سکتے۔!

ہمارا طرزِ عمل: اس ضمن میں ہمارا طرزِ عمل انتہائی غیر ذمہ دارانہ ہے۔وسائل کو بہانا، بے دریغ استعمال کرنا ، بالخصوص سرکاری وسائل کے استعمال میں تو کوئی بھی لحاظ نہیں کرتا..... جو کہ دنیا وآخرت دونوں کے لحاظ سے بڑا خسارہ ہے۔

وجہ؟ ناقص ایمان: اس طرزِ عمل کی معاشرتی وجوہات تو اپنی جگہ ہیں ہی، لیکن قرآن حکیم سے دوری اور ناقص ایمان اسکی بنیادی وجہ ہے۔حقیقی ایمان فکرمندی پیدا کرتا ہے اور اِس برائی سمیت ہر برائی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔اسلئے فضول خرچوں کو پہلے اپنے ایمان کی فکر کرنی ہے۔!

سخت تنبیہات

پروردگار نے نعمتوں کی ناقدری کرنے، اِنہیں ضائع کرنے پر سخت تنبیہات نازل فرمائی ہیں، ارشاد فرمایا:

☆ ترجمہ: ”اور اسراف نہ کرو بلاشبہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ (اعراف: آیت: 31)

☆”اور اسراف وتبذیر (بے جا خرچ) کرنے سے بچو، یقیناً بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔“ (بنی اسرائیل: آیات: 26-27)

اسراف: فضول خرچی کرنا، ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا، بے اندازہ اور بے کار خرچ کرنا اسراف ہے۔

تبذیر: بہانا، بے جا اڑانا، یعنی وہاں بھی خرچ کرنا جہاں خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہو۔

اس شدید تنبیہ کے بعد کیا کوئی اہل ایمان اس بدترین قباحت کی دلدل میں گر کر، گروہِ شیاطین میں داخل ہو کر ناشکری اور نافرمانی کی راہ کو اختیار کرنے کا سوچ سکتا ہے؟

نہ اسراف، نہ بخل: حقیقی ایمان نہ اسراف اور نہ ہی بخل (کنجوسی) کرنے کی اجازت دیتا ہے، پروردگار نے اپنے پسندیدہ بندوں کی بابت فرمایا:

ترجمہ: ”وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تو بے جا اڑاتے ہیں اور نہ ہی بخل (کنجوسی) کرتے ہیں، بلکہ اُن کا طرزِ عمل ان دونوں (انتہاؤں) کے مابین ہوتا ہے۔“ (فرقان: آیت: 67)

اگر ہم اِس عظیم اصول پر کاربند ہوجائیں۔اپنا ذاتی اور ملک کا ایک ایک پیسہ سوچ سمجھ کر خرچ کریں۔بلاضرورت وسائل کو نہ بہائیں، تو کم وسائل بھی ہمیں کفایت کرجائیں۔ہماری دنیا بھی سوکھی ہوجائے اور آخرت بھی بچ جائے۔اللہ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔(آمین)

(15)۔نظروں سے اوجھل بے عدلی کی چند شکلیں

خالق نے دنیا میں جینے کیلئے قوانینِ طبیعہ کے ساتھ ساتھ انسان کو اخلاقی قوانین کا پابند کیا ہے۔ان اخلاقی قوانین کی پامالی کا نتیجہ: بدامنی، ذلت، انتشار، فتنہ وفساد... کے سوا کچھ نہیں۔

اخلاقی قوانین کی بنیاد: تمام اخلاقی اقدار کی بنیاد جس پیمانہ پر رکھی گئی ہے اسکا نام ''**عـــدل**'' ہے۔اِسی پر کائنات کا نظام رواں دواں ہے۔انسان کو اسی پیمانے پر آزمایا جارہا ہے کہ کون عدل پر کاربند رہتا ہے اور کون ظلم پر۔جس کی زندگی عدل وانصاف سے خالی ہے وہ ہر خیر سے محروم ہے۔

عدل کا معنیٰ: عدل کا مطلب برابری اور انصاف ہے۔یعنی ہر چیز کو اُس کی جگہ یا مقام پر رکھنے کا نام ''عدل'' ہے۔عدل کا متضاد ''ظلم'' ہے جس کا مطلب ناانصافی یا حق تلفی ہے۔

بے عدلی کی جانی پہچانی شکلیں: کچھ شکلیں تو وہ ہیں جنہیں لوگ بطورِ ظلم جانتے پہچانتے ہیں اور اُنہیں ظلم قرار دیتے ہیں۔اگر چہ یہ بھی اب اتنی عام ہوچکی ہیں کہ اِنہیں بھی معمولی سمجھا جانے لگا ہے، جیسے: شرک، قتل وغارت، چوری ڈاکہ، جادوٹونہ، جائیداد ہڑپ کرنا، بدکاری کا ارتکاب، امانت میں خیانت، رشوت، بدکلامی گالی گلوچ.... وغیرہ۔

لیکن اسکے علاوہ بے عدلی کی بہت سی اور شکلیں بھی ہیں جو ہمارے معمول کا حصہ بن چکی ہیں جنہیں غلط بھی نہیں سمجھا جاتا۔کیا مذہبی کیا غیر مذہبی، الا ماشاءاللہ سب اِنکی لپیٹ میں آچکے ہیں، جیسے:

(۱)۔عہدو پیمان کی خلاف ورزی کرنا، (۲)۔بات بات پر جھوٹ بولنا، کاروبار میں جھوٹی قسمیں کھانا، (۳)۔دھوکہ بازی سے کام لینا، بالخصوص میاں بیوی کا باہم ایک دوسرے کے ساتھ فیئر نہ ہونا، (۴)۔خلوت اورجلوت کا ایک نہ ہونا، (۵)۔لینے اور دینے کا معیار ایک جیسا نہ ہونا، (۶)۔ملاوٹ، ناپ تول میں کمی کرنا، (۷)۔مردوعورت کا بے تکلف اختلاط، (۸)۔غیبت، تکبر اور حسد کرنا، (۹)۔دورانِ تقسیم خود اچھی چیز رکھنا اور دوسروں کو گھٹیا دینا، (۱۰)۔خواتین کو حقِ وراثت نہ دینا، (۱۱)۔دوسروں (بالخصوص غربا ومساکین) کی عزت پامال کرنا، (۱۲)۔ملکی قوانین کا لحاظ نہ رکھنا، (۱۳)۔عہدہ واختیارات کا غلط استعمال کرنا، (۱۴)۔سرکاری چیزوں کا ناحق ذاتی استعمال کرنا (۱۵)۔دین کی خدمت کے نام پر دوسرے فرقوں کی مساجد پر قبضہ کرنا، (۱۶)۔سرکاری وملکی املاک (عمارات، دفاتر، سڑکیں، فٹ پاتھ، پارک، ٹرانسپورٹ، مشینری.....) کا بے رحمی سے بے دریغ استعمال کرنا، اسراف وتبذیر سے کام لینا، اِن کی کیئر (Care) نہ کرنا۔(۱۷)۔ڈسٹ بن کے استعمال کی بجائے جگہ جگہ گند ڈالنا اور دورانِ سفر روڈ پر کوڑا کرکٹ پھینکتے جانا، (۱۸)۔پبلک واش روم کے استعمال کے بعد پانی نہ بہانا، انکی صفائی ستھرائی کا حق ادا نہ کرنا، (۱۹)۔گھریلو ملازمین کا خون نچوڑنے کی کوشش کرنا، اِنہیں اجرت پوری نہ دینا اور وقت پر تنخواہ نہ دینا۔دوسری طرف گھریلو ملازمین کا کام چوری کرنا، کام میں ڈنڈی مارنا..........وغیرہ۔

ان حالات میں نہ کوئی گھر چل سکتا ہے، نہ کوئی ادارہ اور نہ ہی کوئی ملک ومعاشرہ۔اس بھنور سے نجات کا سب سے کارگر حل تو حقیقی ایمان پر آنا اور اُخروی محاسبے اور انجام کا ڈر ہی ہے۔اللہ ہماری اصلاح فرمائے (آمین)

(16)۔ تعلقات کی بقا پر ایک اہم حقیقت

اسباب کی اس زندگی میں انسان اکیلا نہیں رہ سکتا۔ خالق نے رشتوں کے بندھن میں باندھ کر اخلاقی تعلیمات کا پابند کرکے یہاں جینے کے اسباب پیدا فرمائے ہیں۔لوگوں کے ساتھ اچھے تعلقات دنیوی زندگی کی بقا کے ساتھ ساتھ رب کی رضا/ اخروی نجات دونوں کیلئے ضروری ہیں۔ان تعلقات کو زندہ وقائم رکھنے کیلئے بہت بڑی حقیقت کچھ یوں ہے:

''تعلق زندہ رہنے کیلئے رابطے میں رہنا ناگزیر ہے۔ رابطہ جتنا زیادہ ہوگا تعلق بھی اُسی قدر تر وتازہ رہے گا۔رابطہ گیا تو تعلق بھی گیا۔دوست احباب تو دور کی بات ہے بہن بھائی، اولاد حتیٰ کہ سب سے قریبی اور ضروری رشتہ یعنی والدین سے بھی دور رہنے اور رابطہ نہ رکھنے سے رفتہ رفتہ یہ تعلق بھی مانند(Fade) پڑ جاتا ہے، رسمی سارہ جاتا ہے۔سال دو سال کی تو خیر ہے، لیکن لمبا عرصہ پردیس میں رہنے سے جس طرح آہستہ آہستہ لوہے کو زنگ کھا جاتا ہے اسی طرح گزرتے ہوئے لمحات غیر محسوس طریقے سے رفتہ رفتہ تعلقات کو مانند(Fade) کرتے جاتے ہیں۔یوں مضبوط ترین تعلق بھی رسمی سارہ جاتا ہے، بلکہ رفتہ رفتہ انسان ملاقات کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا۔''

<u>اسلئے:</u> جن تعلقات کو بھی آپ ضروری سمجھتے ہیں، اُن سے تعلق قائم رکھنے کیلئے:

(۱)۔گاہے بگاہے میل ملاقات کریں، (۲)۔رابطہ رکھیں،فون پر (ہفتہ وار، ماہانہ...) بات چیت کا اہتمام یقینی بنائیں۔ورنہ آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل.... سب تعلقات ختم جائیں گے، پھر بوقتِ موت ہی آنکھیں کھلیں گی۔لیکن اب سوائے حسرت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔!

پس! اپنے قریبی رشتے دار، اساتذہ، نئے اور پرانے ساتھی دوست احباب..... اُنکی لسٹ بنائیں اور فون، ملاقات کے ذریعے تعلقات کو زندہ کریں۔محض مفاد پرستی کی بجائے اللہ ہمیں اپنی رضا کی خاطر ضروری تعلقات کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(11)۔معاشیات

نوٹ: کاروبار، لین دین اور مال وجائیداد پر بنیادی معلومات سے آگاہی پر کام جاری ہے۔ بشرطِ زندگی، جب مکمل ہوگا تو انشاءاللہ دستیاب ہوجائے گا۔

(12)۔قرآنِ حکیم سے چند منتخب مقامات (قرآن کا مطلوب انسان)

(1)۔سورۃ الفاتحہ...175
(2)۔سورۃ البقرہ کا آغاز اور اہل ایمان کی صفات.................................176
(3)۔نیکی کا حقیقی تصور...176
(4)۔اللہ کی محبت پانے والے خوش نصیب.................................177
(5)۔احکاماتِ عشرہ...178
(6)۔سچے اہلِ ایمان...180
(7)۔ملائکہ کے استقبال کے مستحق خوش نصیب.................................181
(8)۔اہل ایمان کی جامع صفات کا مجموعہ.................................182
(9)۔عباد الرحمٰن (حصہ اول)...183
(10)۔عباد الرحمٰن (حصہ دوم)...184
(11)۔کائنات کی ابتدا اور بارِ امانت.................................185
(12)۔ظلمِ عظیم سے بچانے پر ایک منفرد انداز!.................................186
(13)۔جزا و سزا کے نتیجے کی نقشہ کشی.................................187
(14)۔اولوالعزم کا خطاب پانے والے خوش نصیب.................................188
(15)۔عظیم مقامِ عبرت...190
(16)۔نجات پانے والے خوش نصیب.................................191
(17)۔انجام سے عبرت...192
(18)۔بدکردار لوگوں سے بچنے کی تلقین.................................193
(19)۔نجات کے کم از کم اہداف.................................194
(19)۔صفات کا خلاصہ...195

نوٹ: قرآن کے منتخب مقامات سے استفادہ کے ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ انسان سے مطلوب سارے کے سارے تقاضے کسی ایک مقام پر بیان نہیں کردیئے گئے بلکہ وہ پورے قرآن میں پھیلے ہوئے ہیں۔یہ ضرور ہے کہ سیاق وسباق اور موقعے کی مناسبت سے بعض مقامات بہت سے تقاضے بیان کرکے اُنہیں ملحوظ رکھنے والوں پر فلاح پانے ولاے، نجات پانے والے.... کی نوید کا اطلاق کردیا جاتا ہے۔جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ بس مذکورہ مقام پر بیان کردہ چند تقاضوں کا لحاظ رکھنا ہے اور باقیوں کو نظر انداز کردینا ہے۔بلکہ تطبیق کے عمل سے گزر کر پورے قرآن میں پھیلے ہوئے سارے تقاضوں کو جاننے اور اُنہیں ملحوظ رکھنے کی فکر کرنی ہے۔تاہم بنیادی اور ضروری تقاضوں کو جگہ جگہ تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔یہاں ہم ان شاءاللہ صورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے چند اہم مقامات پیش کریں گے جو زیادہ تر بنیادی تقاضوں کو کور کرلیں گے۔اللہ ہمیں انہیں سمجھ کر، من وعن مان کر، عمل پیرا ہوکر آگے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(1)۔سورۃ الفاتحہ

اعوذ باالله من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم الله الرحمٰن الرحیم

ترجمہ: ”سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا۔ مالک بدلے کے دن کا۔ (اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ہدایت دے ہمیں صراطِ مستقیم کی۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمایا۔ نہ کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ (ہی) گمراہوں کا۔“

اس سورہ مبارکہ کی بہت فضیلت ہے اور اِسکی تفسیر بہت تفصیل طلب ہے۔ لیکن یہاں ہم صرف چند ضروری و بنیادی باتیں واضح کریں گے جنہیں جاننا ہم سب کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ یہ بار بار پڑھی جانے والی سات آیات ہیں جنہیں نماز کی ہر رکعت میں پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ احادیث کی روشنی میں فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ بلکہ احادیث میں اِس سورہ کو نماز کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ مضامین کے اعتبار سے اِسکے چار بنیادی حصے ہیں: (۱)۔ اللہ کی حمد وثنا، (۲)۔ بندے کا اپنے رب کے حضور قول و قرار، (۳)۔ اپنے مالک سے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی دعا، اور (۴)۔ انعام یافتہ خوش نصیبوں کی راہ پر چلنے اور اللہ کے غضب کا شکار اور گمراہ لوگوں کی راہ سے پناہ طلب کرنے کی التجا۔ اِن چاروں عنوانات کو اگر حقیقی معنوں میں من وعن تسلیم کر لیا جائے تو انسان نجات یافتہ ہو جائے، یعنی (۱)۔ ربوبیت کے اقرار کے ساتھ اللہ کے رحمٰن ورحیم ہونے کا صحیح تصور، (۲)۔ قول وقرار: بندہ خود اپنے منہ سے یہ اقرار کرتا ہے کہ بدلے کے دن یعنی روزِ قیامت کا مالک ومختار صرف اللہ ہے۔ یعنی میری بخشش کا دارومدار صرف اللہ پر ہے۔ لیکن انسان زبان سے یہ اقرار کرنے کے باوجود شفاعت کے غلط تصور کی بنا پر بے عملی پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ: عبادت اور استعانت پر بڑے زوردار انداز سے اقرار کروایا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا حقدار نہیں۔ لیکن افسوس کہ عبادت کو سمجھنے اور نفس سمیت دیگر مخلوقات کی عبادت سے بچنے کی ہمیں کبھی فکر پیدا نہیں ہو سکی۔ اسی طرح استعانت کی کون سی وہ شکل ہے جس پر یہ اقرار کیا جا رہا ہے کہ یہ صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے؟ اسے بھی جاننا انتہائی ضروری ہے۔ (۳)۔ صراطِ مستقیم کی دل وجان سے دعا بھی کی جائے اور قرآنِ حکیم سے جانا بھی جائے کہ پروردگار نے کس راہ کو صراطِ مستقیم قرار دیا ہے۔ اور (۴)۔ آخری دعا بھی قلب کو حاضر کر کے کی جائے کہ اللہ مجھے انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلائے اور اِنکے برعکس ”مغضوب اور گمراہوں“ کی راہ سے بچائے۔ دیگر دلائل کی روشنی میں ”مغضوب“ وہ بدنصیب ہوتے ہیں جو جانتے بوجھتے یعنی دین کا علم رکھنے کے باوجود غلط راہ پر چلتے ہیں جیسے یہود کے علماء۔ اور ”ضالین“ یعنی گمراہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو صحیح علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں ۔ وہ غلط راہ کو ہی درست راہ سمجھ کر اُس میں گم ہو جاتے ہیں جس کی مثال نصاریٰ تھے۔ فاتحہ میں اِن دونوں سے بچنے کی دعا کی جاتی ہے۔ اللہ ہمیں حقیقی معنوں میں جلد از جلد اِس عظیم سورہ مبارکہ کو سمجھ کر نماز میں پڑھنے اور اِسکے تقاضوں کو من وعن تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(2)۔سورۃ البقرہ کا آغاز اور اہل ایمان کی صفات

سورۃ البقرہ کے آغاز میں فلاح پانے والے ہدایت یافتہ متقین کی چند اہم صفات بیان فرمائی گئی ہیں جن کے سامنے ہمیں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم مراد کو پانے والے ہیں یا نہیں۔ پروردگار نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''الم، یہ وہ (عظیم) کتاب ہے جس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں، راہ دکھانے والی ہے پرہیز گاروں کو۔ وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو آپ کی طرف اُتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اُتارا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' (البقرہ:1-5)

یہاں پروردگار نے متقین کی چند بنیادی صفات کی بنا پر اُن کے ہدایت یافتہ اور نجات یافتہ ہونے کی گارنٹی دی ہے۔ یعنی یہ وہ خوش نصیب ہیں جو: (۱)۔ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی بن دیکھئے اللہ پر ایمان، یومِ آخرت، ملائکہ، جنت، دوزخ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اِن سب حقائق کو تسلیم کرتے ہیں۔ (۲)۔ نماز کو قائم کرتے ہیں یعنی تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے پورے اہتمام سے نماز کو ادا کرتے ہیں۔ اقامتِ صلوٰۃ سے مراد: نماز کی پابندی کرنا، تسلی سے نماز ادا کرنا، خشوع و خضوع کا لحاظ رکھنا یعنی نماز کے ظاہر اور باطن دونوں کا خیال رکھنا۔ الفاظ کی ادائیگی کے معنی و مفہوم کو جان کر اور اِسے من وعن مان کر سنت کے مطابق نماز ادا کرنا۔ (۳)۔ انفاق فی سبیل اللہ کرنا۔ یعنی مال سمیت جو نعمتیں: وقت، صحت، جائیداد، صلاحیتیں وغیرہ اللہ نے دی ہیں اُن میں سے اللہ کیلئے لازماً خرچ کرتے ہیں اور (۴)۔ قرآنِ حکیم سمیت دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل کردہ ہدایت پر ایمان رکھتے ہیں اور بالخصوص آخرت یعنی مرنے کے بعد ابدی زندگی کیلئے جی اُٹھنے پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ ایمان بالآخرہ ہی وہ بڑا محرک ہے جو خواہشات کو صبر کی لگام سے قابو کر کے زندگی اللہ کے قانون کے تابع بسر کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ آخرت کا یقین جس قدر پختہ ہوگا اُسی قدر رقت قلبی اور اعمالِ صالحہ پر رغبت ہوگی۔

پس! ان صفات کی روشنی میں اپنا جائزہ لیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔!

(3)۔ نیکی کا حقیقی تصور

پروردگار نے ایک مقام پر نیکی کے حقیقی تصور پر بڑی جامع رہنمائی فرمائی ہے، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو، بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر، یوم آخرت پر، ملائکہ پر، (اللہ کی) کتاب پر اور نبیوں پر، اور مال دے باوجود عزیز رکھنے کے رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں

اور (غلاموں کی گردنوں) کو آزاد کرانے میں، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، اور جب وعدہ کرے تو اُسے پورا کرے، اور صبر کرے سختی (فقر وفاقہ، تنگدستی) میں، دکھ درد (بیماری یا جسمانی تکلیف) میں اور جنگ کی شدت کے وقت۔ یہی لوگ (درحقیقت) سچے ہیں اور یہی متقی ہیں۔" (البقرہ:177)

نیکی کیا ہے؟ اور حقیقی طور پر نیک کون ہے؟ الحمدللہ یہاں اس ضمن میں نہایت جامع اور عظیم رہنمائی فرمائی گئی ہے جسکے اہم نکات کچھ یوں ہیں: دین محض چند رسوم وظواہر کا نام نہیں جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے محض قبلے پر ہی ایک مدت سے معرکہ جدال وقتال گرم کر رکھا تھا۔ یوں مسلمانوں کو یہ آگاہی دی گئی ہے کہ دین محض چند رسوم وظواہر کا نام نہیں بلکہ زندگی سے نہایت گہرا تعلق رکھنے والے اعمال واخلاق کے مجموعے کا نام ہے جسکی اولین بنیادیں: (۱)۔ ایمانیات: اللہ، یوم آخرت، ملائکہ، کتاب اللہ اور نبیوں پر پختہ ایمان لانا ہے۔ (۲)۔ اسکے بعد مال جو کہ انسان کو بہت محبوب ہے، اُسے اللہ کی محبت میں: قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور (غلاموں کی گردنوں) کو آزاد کرانے میں خرچ کرنے کا تقاضا کیا گیا ہے۔ (۳)۔ اسکے بعد اقامتِ صلوٰۃ یعنی خشوع وخضوع اور پورے اہتمام سے نماز کی پابندی کرنا اور نفلی صدقے کے ساتھ ساتھ فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ کو خوش دلی سے ادا کرنا۔ (۴)۔ اگلا اہم تقاضا عہد وپیمان کی پاسداری کرنا ہے جسکا مسلمان عموماً کوئی لحاظ نہیں رکھتے حالانکہ جو عہد وپیمان کو ملحوظ نہیں رکھتا اُسکا کوئی دین نہیں۔ ایفائے عہد اور امانت داری ہی درحقیقت ایفائے حقوقِ انسانی کا موجب ہے، اور (۵)۔ جب دنیاوی مصائب وآلام دکھ درد، بیماری یا جنگ کی شکل میں شدید تکلیف کا سامنا ہو تو پھر ڈولنے، واویلہ کرنے، اللہ پر شکوہ کرنے کی بجائے صبر واستقامت کا دامن تھامتے ہوئے ایمان پر ثابت قدم رہنا ہے جو کہ انتہائی مشکل کام ہے۔ یہ ہیں وہ اصل بنیادیں جن پر پہرہ دینے سے انسان اللہ کے ہاں سرخرو ہوگا۔ اِنہیں لوگوں کو دعویٰ ایمان میں سچا اور حقیقی متقی قرار دیا گیا ہے۔ یقیناً یہ بہت مشکل تقاضے ہیں، لیکن انہیں ملحوظ رکھے بغیر بات بننے والی نہیں۔ اللہ ہمیں ایمان اور نیکی کے حقیقی تصور پر ثابت قدمی نصیب فرمائے۔ (آمین)

(4)۔ اللہ کی محبت پانے والے خوش نصیب

بلند پایہ اوصاف کے حامل وہ خوش نصیب جن سے اللہ محبت کرتا ہے، اُن کی بابت ارشاد فرمایا گیا:

ترجمہ: "اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کیلئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ اور اللہ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے۔ اور (یہ) ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں

پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ پھر اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور سوائے اللہ کے اور کون گناہ بخشنے والا ہے؟ اور وہ جانتے بوجھتے اپنے کیئے پر اصرار نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی جزا اُن کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور باغات ہیں جن کے دامن میں نہریں رواں ہیں۔ وہ اِن میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور کیا ہی خوب بدلہ ہے (نیک) عمل کرنے والوں کا۔'' (آل عمران: 133-136)

اہم نکات: (۱)۔ پروردگار نے بخشش اور جنت کی طرف لپک کر پیش قدمی کرنے کی زوردار ترغیب دلائی ہے۔ اور شوق ورغبت کیلئے جنت کی وسعت کی نقشہ کشی کی ہے کہ یہ ساتوں آسمان اور زمین یعنی کائنات کی وسعت پر محیط ہے۔ تو پھر یہاں کی انتہائی حقیر نعمتوں ۱۰ مرلہ، ایک کنال کی رہائش گاہوں کے بدلے اِتنی وسیع جنت کی تیاری سے غافل رہنا بہت بڑی بے وقوفی ہے۔ (۲)۔ یہ جنت اہلِ تقویٰ کیلئے تیار کی گئی ہے۔ یعنی اِسکا اہل بننے کیلئے متقی ہونا بنیادی شرط ہے۔ جسکا مطلب اللہ کی ناراضگی اُسکی پکڑ سے ڈرنا ہے۔ ہر قدم پھونک کر اُٹھانا اور اللہ کی نافرمانی یعنی گناہ کی ہر شکل سے اجتناب کرنا ہے۔ (۳)۔ اسکے بعد تین بہت بلند پایا اور انتہائی مشکل سعادتوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی: تنگی اور خوشحالی ہر حالت میں اپنی حیثیت کے تحت اللہ کی محبت میں مال خرچ کرتے رہنا۔ غصہ کو قابو کرنا، پی جانا، ضبط کرنا اور لوگوں کو نشانِ عبرت بنانے کی بجائے اُنکی کوتاہیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اُنہیں معاف کردینا۔ ایسے خوش نصیبوں کی بابت یہ عظیم مژدہ سنایا گیا کہ ایسے لوگ درجہ احسان کو پانے والے ہیں اور اِن سے اللہ محبت کرتا ہے۔ سبحان اللہ اور کیا چاہیئے! (۴)۔ دنیا کے اِس کڑے امتحان میں جہالت کی بنا پر انسان کا پاؤں کبھی پھسل سکتا ہے، گند پر پاؤں پڑ سکتا ہے۔ لہٰذا اس صورتِ حال میں اہل ایمان اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اپنے کیئے پر اصرار نہیں کرتے، بلکہ فوراً اپنی اصلاح کرکے غلطی سے تائب ہوکر اللہ کی طرف پلٹ کر بخشش کے طلبگار ہو جاتے ہیں۔ (۵)۔ ایسے خوش نصیبوں کیلئے پروردگار نے اپنی طرف سے بخشش اور ہمیشہ ہمیش جنت کے باغات اور اُسکی عظیم نعمتوں کی دستیابی کی نوید سنائی ہے اور نہایت خوبصورت انداز سے اِنہیں ملنے والے صلے کے بارے میں فرمایا ہے کہ: اور کیا ہی خوب بدلہ ہے (نیک) عمل کرنے والوں کا۔ سبحان اللہ! پروردگار ہمیں اِن عظیم اوصاف کا پیکر بنا کر اِس عظیم صلے سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین)

(5)۔ احکاماتِ عشرہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق تورات کے احکاماتِ عشرہ یعنی دس بڑے احکام (Ten Commandments) کی قرآنی تعبیر یوں بیان ہوئی ہے، پروردگار نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''(اے نبی!) فرمادیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام کردیا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ: اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک

کرو، اور اپنی اولاد کو مفلسی کے سبب سے قتل مت کرو تمہیں بھی اور ان کو بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے قریب بھی نہ پھٹکو خواہ وہ علانیہ ہو یا پوشیدہ، اور جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اسے قتل مت کرو ہاں مگر حق کے ساتھ۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کی میں تمہیں تاکید کرتا ہوں تا کہ تم عقل سے کام لو، اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ احسن ہو۔ یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائے، اور ناپ اور تول پوری کرو انصاف کے ساتھ۔ ہم کسی نفس کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اور جب بات کرو تو عدل وانصاف کرو اگرچہ وہ شخص (جسکے بابت بات کرنی ہے تمھارا) قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے اسے پورا کرو۔ یہ ہیں وہ چیزیں جن کا تمہیں تاکیدی حکم دیا گیا ہے تا کہ تم یاد رکھو۔ اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اسی کی پیروی کرو اور مت پیروی کرو دیگر (خودساختہ) راہوں کی کہ وہ (خودساختہ) راہیں تمہیں اللہ کی راہ سے توڑ دیں گی۔ یہ ہے وہ بات جس کی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔'' (سورۃ انعام:151-153)

انداز بیان! یہ مقام امر ونواہی (Do & don't) کے بیان کے اعتبار سے قرآن حکیم کا نقطہ عروج ہے۔ اگر زندگی میں یہ احکام غائب ہیں تو پھر کچھ بھی نہیں۔ اِن احکامات کا اندازِ بیان اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ضروری وغیر ضروری کیا ہے اور اللہ کے نزدیک کیا اہم ہے؟ پیارے رسول ﷺ سے اعلان کروا دیا گیا ہے کہ لوگو! تم نے جو اپنی مرضی سے حلال وحرام ٹھہرا لیا ہے، آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں۔ اگر کوئی زندگی میں اِن انتہائی ضروری باتوں کا لحاظ نہیں رکھ رہا (جو کہ اکثریت نہیں رکھ رہی) تو پھر دیگر چیزیں اُسے کیا فائدہ دیں گی۔ یہ احکامات قرآن کے تناظر میں وہ سیرت وکردار کی عکاسی کرتے ہیں جو رب کے ہاں مطلوب ہیں۔ لہٰذا سنجیدگی کے ساتھ اِنہیں ملحوظ رکھا جائے۔

یہاں سب سے پہلے نسلِ انسانی کو شرک سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ پھر اپنے بعد فوراً والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا تقاضا کیا گیا ہے اور اِسکے بعد دیگر اہم اخلاقی تقاضوں کی پامالی سے گریز کرنے کا حکم دیا گیا جیسے: اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل کرنا، بے حیائی کی طرف لے جانے والے محرکات کے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ ناحق قتل سے باز رہنا، یتیم کے مال کو ہتھیانے سے کوسوں دور رہنا، انصاف کے تقاضوں کے تحت ماپ تول پورا کرنا۔ عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑنا اگرچہ معاملہ قریبی رشتہ دار کا ہی کیوں نہ ہو (جو کہ انتہائی مشکل ٹسٹ ہے جسے پاس کرنا بہت مشکل ہے)۔ مزید یہ کہ عہد و پیمان کی پاسداری کرنا۔ اِن احکامات کے بیان کے بعد سخت تاکید کر دی گئی کہ: اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے پس اِسی کی پیروی کرو اور مت پیروی کرو دیگر (خودساختہ) راہوں کی کہ وہ (خودساختہ) راہیں تمہیں اللہ کی راہ سے توڑ دیں گی۔ یہ ہے وہ بات جس کی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

کیا اس سخت تاکید کے بعد قرآن کی بیان کردہ ترجیحات کو ہلکا جان کر خودساختہ معیارات کو اوپر اور اِنہیں نیچے کرنے کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔ (آمین)

(6)۔ سچے اہلِ ایمان

پروردگار نے سچے اہلِ ایمان جنہوں نے اپنی جانوں کے بدلے اللہ سے جنت کا سودا کرلیا ہے اُنکی چند اہم صفات یوں بیان فرمائیں، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''وہ ایسے لوگ ہیں جو توبہ کرنے والے، عبادت گزار، (اللہ کی) حمد وثنا کرنے والے، روزہ رکھنے والے (یا راہِ حق میں سفر کرنے والے)، رکوع وسجود کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور خوشخبری سنا دیجئے اِن اہل ایمان کو۔'' (سورہ توبہ:112)

سبحان اللہ، یہاں حقیقی اہلِ ایمان کی چند بنیادی صفات کا نہایت خوبصورت گلدستہ پیش کرکے اُنہیں جنت کی نوید سنائی گئی ہے۔ اِس آیت کریمہ سے پچھلی آیت میں اِنہیں اہل ایمان سے جہاد کا تقاضا کیا گیا ہے اور اُسکے بعد اِنکی مذکورہ صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہاں اہل ایمان کا جو کردار بیان کیا گیا ہے اُس میں سرِ فہرست توبہ یعنی رجوع الی اللہ کا ذکر ہے، جو اطاعت وبندگی کی راہ میں پہلا قدم ہے کہ بندہ معصیت ونافرمانی اور شیطانی راہوں سے کنارہ کشی کرکے رب کے حضور حاضر ہوجاتا ہے۔ پھر یہی توبہ ہے جو بندے کو شیطان کے چنگل سے نجات دلوا کر اپنے رب کے ساتھ جوڑنے کا ذریعہ بنتی رہتی ہے۔ پھر یہ خوش نصیب خشوع وخضوع کے ساتھ رب کی بندگی سے اطمینان وسکون پاتے ہیں۔ فرض عبادات کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات بالخصوص تہجد کا اہتمام کرتے ہیں۔ رب کی خوشنودی کی خاطر روزوں کا اہتمام کرتے ہیں یا راہِ حق میں سفر کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ: رکوع وسجود یعنی اللہ کی خوشنودی میں اُس کے رُوبرو جھک جانے والے، اپنے رب کیلئے اپنی جبین زمین پر رکھ کر عجز ونیاز کرنے والے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے۔ یعنی یہ لوگ صرف اپنی انفرادی زندگی تک محدود نہیں رہتے، دوسروں کے خیر وشر سے بے تعلق نہیں رہتے، بلکہ دوسروں کی اصلاح وتربیت، اُنہیں آگ سے بچانے کی بھی اپنے اندر تڑپ رکھتے ہیں اور اپنی صلاحیت وطاقت اور دائرہ کار کے تحت حکمت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ لازماً ادا کرتے ہیں۔ اِسکے بعد یہاں اہل ایمان کی ایک اور بہت بڑی خوبی یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اللہ کی حدود پر کھڑے ہونے والے ہیں۔ حدود پر پہرہ دینے والے ہیں، یعنی پورے دین (حقوق اللہ اور حقوق العباد) میں اللہ کے احکامات کی پاسداری پر جم کر زندگی بسر کرنے والے ہیں۔ ایسے ہی خوش نصیبوں کو پروردگار نے عظیم فلاح کا مژدہ سنایا ہے۔ پروردگار ہمیں اِن تمام صفات سے متصف فرما کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(7)۔ملائکہ کے استقبال کے مستحق خوش نصیب

درج ذیل اوصاف کے حامل خوش نصیبوں کیلئے ملائکہ ہر طرف سے جوق در جوق آئیں گے، اُنہیں سلام پیش کریں اور اُن کا استقبال کریں گے۔ اِن لوگوں کے اوصاف یہ ہیں، ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کئے گئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اپنے پیمان کو نہیں توڑتے۔ اور اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اُنہیں برقرار رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے (رہتے) ہیں اور بُرے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔ اور وہ جنہوں نے اپنے رب کی رضا مندی کیلئے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کیا اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کی۔ اِنہیں لوگوں کیلئے ہے آخرت کا گھر۔ ہمیشہ رہنے والے باغات جن میں وہ خود بھی رہیں گے اور اُن کے آباؤ اجداد اور بیویوں اور اولاد میں سے بھی جو صالح ہیں (وہ بھی اُن کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے)۔ ملائکہ ہر دروازے میں سے اُن کے (استقبال) کیلئے آئیں گے اور کہیں گے تم پر سلامتی ہو، تمہارے صبر کی بدولت (تم اِسکے مستحق ہوئے) سو کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر!''(الرعد:20-24)

سبحان اللہ! اللہ ہمیں یہ مقدر کرے۔ اِس عظیم مقام کو پانے کیلئے جو اہم تقاضے بیان کئے گئے ہیں وہ (۱)۔اللہ کے ساتھ کیا گیا عہد یعنی عہدِ توحید ہے کہ انسان اللہ کے سوا کسی اور کو رب اور معبود کے درجے پر فائز نہیں کرے گا۔ یعنی شرک کی ہر شکل سے اپنا دامن بچائے گا۔ مزید یہ کہ اللہ کی حدود کو ملحوظ رکھے گا اور باہم قول و قرار کا پاس رکھے گا۔ (۲)۔صلہ رحمی یعنی رشتوں اور قرابتوں کو توڑتے نہیں بلکہ ان کو جوڑتے ہیں، (۳)۔رب کی خشیت، اُسکی نافرمانی و ناراضگی سے ڈرتے ہیں اور اُخروی ناکامی کو ہلکا نہیں لیتے بلکہ بڑے انجام سے ڈرتے ہوئے تقویٰ پر کاربند رہتے ہیں، (۴)۔ یہ وہ خوش نصیب ہیں جو اپنے رب کی رضا مندی کی خاطر دنیا اور نفس کی ناجائز خواہشات کو صبر کی لگام سے قابو کرتے ہوئے حلال و حرام کی تمیز اور اللہ کی حدود کی پاسداری کرنے والے ہیں، (۵)۔ نماز کو قائم کرتے ہیں یعنی نماز کی پابندی اور اُسکے خشوع و خضوع کو ملحوظ رکھتے ہیں، (۶)۔ انفاق: اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے انسانی ہمدردی اور اقامتِ دین کیلئے جہاں جہاں اور جب جب خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اپنی حیثیت کے مطابق خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے، (۷)۔ اور حقیقی ایمان کی بدولت اِس انتہائی مشکل کام کی بھی اللہ اُنہیں توفیق سے نواز دیتا ہے کہ اُن کے ساتھ کوئی برائی سے پیش آتا ہے تو وہ اُسکا جواب اچھائی سے دیتے ہیں۔ یہ بہت ہی بلند مقام ہے جو بڑے نصیب والوں کو ملتا ہے۔ اِس مقام کو پانے کیلئے دنیا کے عارضی پن اور دار الامتحان ہونے کا پختہ یقین اور ہر کام رضائے الٰہی کی خاطر بجالانے کی محنت کی جائے، (۸)۔ اِسکے بعد اِن عظیم اوصاف کو پانے والے خوش نصیبوں کا قابلِ رشک صلہ بیان کیا گیا ہے کہ: آخرت کی نعمتیں اُنہیں خوش نصیبوں کیلئے تیار کی گئی ہیں۔ ہمیشہ

ہمیش رہنے والے باغات جن میں وہ خود بھی رہیں گے اور اُن کے آباؤ اجداد اور بیویوں اور اولاد میں سے بھی جو صالح ہیں (وہ بھی اُن کے ساتھ ملادیئے جائیں گے)۔ ملائکہ ہر دروازے میں سے اُن کے (استقبال) کیلئے آئیں گے اور کہیں گے تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کی بدولت (تم اِسکے مستحق ہوئے) سو کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر! سبحان اللہ! اللہ ہمیں اِسکا اہل بنائے۔ (آمین) پس! ان صفات کو فوراً زندگی میں لانے کا پختہ عہد کرکے کاوش شروع کردیں۔ ان شاء اللہ منزل ضرور ملے گی۔

(8)۔ اہل ایمان کی جامع صفات کا مجموعہ

ایک مقام پر اہل ایمان کی صفات کی بڑے جامعیت کے ساتھ عکاسی کی گئی ہے جس کے رُبرو ہمیں اپنا محاسبہ کرنا ہے۔ پروردگار نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''یقیناً مراد کو پہنچ گئے وہ اہل ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع اختیار کرنے والے ہیں۔ جو لغویات سے احتراز کرنے والے۔ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے، سو اِس بارے اُن پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ جو اِن کے سوا کے خواہشمند ہوئے وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ وارث بننے والے ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے، جہاں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔'' (المومنون: 1-11)

اِس گلدستے کے اہم نکات ملاحظہ فرمائیں: (۱)۔ نجات کیلئے یہاں ''فلاح'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس میں چیرنا، کاٹنا، کاشت کرنا کے معنی پائے جاتے ہیں۔ یعنی اہل ایمان دین کیلئے محنت ومشقت، انفاق وقربانی اور دنیاوی صعوبتوں سے گزر کر بالآخر مراد تک پہنچتے ہیں۔ (۲)۔ نماز میں خشوع وخضوع کے مقام کو پانے والے ہیں۔ یعنی الفاظ کے معنی میں اُتر کر قلب وجوارح کی یکسوئی اور انہماک سے نماز کی ادائیگی اِن کا طرہ امتیاز ہے۔ (۳)۔ زکوٰۃ کی ادائیگی یعنی اللہ کیلئے مال خرچ کرتے ہیں جو کہ اللہ کی محبت میں ایمان کا بنیادی نتیجہ ہے۔ (۴)۔ یہ عظیم لوگ اپنے شہوانی جذبات کو قابو کرتے ہوئے صرف اپنی بیویوں اور لونڈیوں تک محدود رہنے والے ہیں نہ کہ بے لگام ہونے والے۔ (۵)۔ یہ لوگ امانت اور عہد وپیمان کی پاسداری کرنے والے ہیں جو کہ دین وایمان کی اخلاقی بنیاد ہے۔ جس میں امانت داری نہیں اُسکے ایمان کی نفی اور جس میں ایفائے عہد نہیں اُسکے دین کی نفی کی گئی ہے۔ کیونکہ اِنکے مفقود ہونے سے خاندانی اور معاشرتی عمارت زمین بوس ہوجاتی ہے۔ لیکن افسوس کہ قرآن سے دوری کی وجہ سے اب مسلمانوں کو اِسکا پاس نہیں رہا۔ (۶)۔ آخر میں نماز کی حفاظت کو فلاح کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی نماز سے ہی اہل ایمان کی صفات کا ذکر ہوا تھا اور اسی پر ختم کیا گیا ہے۔ یعنی نماز کا خشوع اور نماز کی فکر اور حفاظت کی برکت ہی دیگر

مطلوبہ صفات سے متصف کرنے کا موجب بنے گی۔جس کی زندگی میں نماز کی پابندی اور اُسکا خشوع نکل گیا اُسکی ایمان کی بیٹری ڈیڈ(Dead) ہوگئی۔پس! اِن صفات کے حامل خوش نصیب ہی درحقیقت جنت کے اعلیٰ مقام یعنی جنت الفردوس کے وارث بننے والے ہیں۔اللہ ہمیں اِن خوش نصیبوں میں شامل فرمائے۔(آمین)

(9)۔عباد الرحمٰن (حصہ اول)

عباد الرحمٰن یعنی رحمٰن کے خاص بندوں کی صفات کا نہایت خوبصورت گلدستہ سورہ فرقان میں یوں بیان کیا گیا،ارشاد فرمایا:

ترجمہ:''رحمٰن کے (خاص) بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ اُن سے (جاہلانہ) گفتگو میں (الجھتے) ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔اور وہ جن کی بیتتی ہیں راتیں اپنے رب کیلئے سجدے اور قیام کی حالت میں۔اور جو دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور ہی رکھیو یقیناً اِسکا عذاب چمٹنے والا ہے۔بے شک وہ ٹھرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اُڑاتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں، بلکہ انکا خرچ ان دونوں کے مابین اعتدال پر ہوتا ہے۔اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان کو قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھرایا ہوا اُسے قتل نہیں کرتے بجز حق قتل کے۔اور نہ وہ بدکاری کے مرتکب ہوتے ہیں۔اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔اُسے بروزِ قیامت دگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری میں ہمیشہ اِس میں رہے گا۔مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کئے صالح۔سو ایسے لوگوں کے گناہوں کو بدل دے گا اللہ نیکیوں سے اور اللہ تو ہے بخشنے والا مہربانی فرمانے والا۔اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو بلاشبہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔(الفرقان:63-71)

تعمیرِ سیرت کی مذکورہ عظیم خوبیوں کی بنا پر خالق نے اِنہیں ''عباد الرحمٰن'' یعنی اپنے بندے ہونے کا سرٹیفکیٹ دے کر عظیم انعام کی خوشخبری سنائی ہے جو انسان کی بہت بڑی عظمت ہے۔لہٰذا ان صفات کو سمجھ کر من وعن مان کر انہیں از بر کرتے ہوئے پورے شوق وجذبے سے زندگی کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے۔اِس عظیم گلدستے کے اہم نکات ملاحظہ فرمائیں:(۱)۔زمین پر اِنکا قیام فخر وغرور، گھمنڈ، اکڑ اور تکبر پر نہیں بلکہ عاجزی سے ہے۔کیونکہ یہ دنیا اور اپنی حقیقت سے یہ بخوبی آگاہ ہوتے ہیں۔(۲)۔جاہل لوگ جب اِن سے اُلجھتے ہیں اور بغیر دلیل جہالت پر اڑے رہتے ہیں تو یہ بحث ومباحثہ میں وقت ضائع کرنے کی بجائے سلام کہہ کر اپنی راہ لیتے ہیں۔(۳)۔قیام الیل یعنی عشاء اور فجر کے ساتھ تہجد بھی اِنکی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے اور وہ بوقتِ سحر اپنے رب کی بندگی، قرآن کی تلاوت، عجز ونیاز اور گڑگڑا کر دوزخ سے بچاؤ اور بخشش کی طلب کرتے ہیں۔یہ وہ عظیم

مقام ہے جو صرف اللہ کے خاص بندوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔(۴)۔مال سمیت اللہ کی عطا کردہ تمام نعمتوں کے استعمال میں اِنکا طرز نہ تو بے جا اُڑانا ہوتا ہے اور نہ ہی کنجوسی کہ جہاں ضرورت ہے وہاں بھی خرچ نہ کیا جائے ، بلکہ ان دونوں کے بین بین ہوتا ہے۔(۵)۔شرک سے نفرت: یہ لوگ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کرتے، اُسکی اُلوہیت میں کسی کو شریک نہیں بناتے۔اس ضمن میں یہاں بالخصوص غائب میں فریادرسی کا ذکر کیا گیا ہے، جو کہ دعا ہے اور دعا صرف معبود سے ہی کی جاسکتی ہے۔(۶)۔حرمتِ جان یعنی ناحق کسی کی جان لینے کی سوچ سے بھی یہ لوگ کوسوں دور رہتے ہیں۔یادرکھیں! حق پر جان بھی ازخود نہیں لی جاسکتی بلکہ معاملہ عدالت اور قاضی کی طرف لے جایا جائے گا۔افسوس کہ اِس وقت فرقہ واریت کے تناظر میں جان لینا بہت معمولی سمجھ لیا گیا ہے۔(۷)۔بدکاری جو کہ پاکیزہ نسل انسانی کا قتل ہے۔جس پر انتہائی سخت عذاب ہے یہ لوگ اُس سے اپنا دامن بچا کر رکھتے ہیں۔اگر خدانخواستہ کوئی جرم ہو جائے تو اُس پر فوراً تائب ہونے کی رہنمائی کی گئی ہے۔ اور توبہ کے عزم واستقلال کی نوعیت کی مناسبت سے اللہ نہ صرف گناہ معاف فرمادیتا ہے بلکہ گناہوں کو نیکیوں سے بھی تبدیل کردیتا ہے۔بقیہ صفات کیلئے اگلے لیکچر کا انتظار کیجئے۔

(10)۔عبادالرحمٰن (حصہ دوم)

سابقہ لیکچر کے تناظر میں عباد الرحمٰن یعنی رحمٰن کے خاص بندوں کی عظیم صفات کا بقیہ حصہ ملاحظہ فرمائیں، پروردگار نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اور وہ جو نہیں دیتے جھوٹی گواہی اور جب کسی بیہودہ چیز سے اُنکا گزر ہو تو (اپنا دامن بچاتے ہوئے) شرافت سے گزر جاتے ہیں۔اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب اُنہیں اُن کے رب کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اندھے بہرے ہو کر اُن پر نہیں گرتے۔اور جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا۔یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اُن کے صبر کے بدلے میں جنت کے بالا خانے دیئے جائیں گے اور وہاں فرشتے اُن سے دعا وسلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔اِس میں رہیں گے یہ ہمیشہ ہمیش وہ بہترین قرارگاہ اور عمدہ قیام گاہ ہے۔(الفرقان:72-76)

(۸)۔یہ لوگ سچائی پر قائم رہتے ہیں اور کسی بھی مصلحت یا خوف کے اندیشے کی خاطر جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔(۹)۔بیہودہ اور بے فائدہ امور میں اپنا وقت جو کہ بہت قیمتی سرمایہ ہے، اُسے ضائع نہیں کرتے ، ایسے اُمور میں منہمک نہیں ہوتے بلکہ دامن بچا کر شرافت سے گزر جاتے ہیں۔(۱۰)۔جب اُنہیں اُن کے رب کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اندھے بہرے ہو کر اُن پر نہیں گرتے یعنی اعراض وغفلت نہیں کرتے بلکہ آیات کی طرف لپکتے ہیں اور بات کو سمجھ کر اُسے عمل میں لاتے ہیں۔(۱۱)۔انہیں صرف اپنی ذات کی ہی فکر نہیں بلکہ اپنی اولاد اور ازواج اُنکی بہتری، اُنہیں متقی بنانے کی تڑپ بھی اِن میں موجود ہوتی

ہے اور یہ اپنی دعاؤں میں انہیں لازماً یاد رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ یہ لوگ نیکیوں میں سبقت اختیار کرتے ہوئے متقین کا امام بننے کی تمنا کرتے ہیں کہ جس قدر ممکن ہو آگے بڑھ جائیں۔(۱۲)۔ اِن عظیم صفات کے حامل یہ ہیں وہ خوش نصیب جنہیں اُن کے صبر کے بدلے میں پروردگار عظیم اجر سے نوازے گا، انہیں جنت کے بالا خانے دیئے جائیں گے اور وہاں فرشتے اُن سے دعا وسلام کے ساتھ ملاقات کریں گے جس میں رہیں گے وہ ہمیشہ ہمیش۔ اے اللہ ہمیں بھی اپنے ایسے پسندیدہ بندوں کی صف میں شامل فرمالے۔(آمین)

(11)۔ کائنات کی ابتدا اور بارِ امانت

پروردگار نے ابتدا میں جن وانس اور کائنات کو تخلیق کر کے بارِ امانت یعنی امانت کی پاسداری کا بوجھ ڈال کر اِس نظامِ کائنات کی تخلیق کی بنیادی غایت یوں بیان فرمائی:

ترجمہ: ''بے شک ہم نے پیش کیا اس امانت کو آسمانوں اور زمین پر اور پہاڑوں پر، تو کسی نے بھی قبول نہ کیا اس کو کہ اٹھائیں اسے اور ڈر گئے اس سے، مگر اٹھالیا اسے انسان نے، یقیناً یہ انسان ظالم اور جاہل ٹھرا۔(یہ بارِ امانت اسلئے ڈالا گیا) تاکہ سزا دے اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو، اور نوازے اپنی رحمت سے اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو، اور ہے اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد مہربان۔'' (الاحزاب:72-73)

امانت سے مراد؟ اسکی مختلف تفاسیر بیان ہوئی ہیں جیسے: خیر اور شر کو اپنانے کی آزادی واختیار دے کر خالق کے احکامات کی بجا آوری اطاعت وفرمانبرداری کا مطالبہ، تعلیمات وحی کی پاسداری جیسے قرآنِ حکیم اور روح کا پھونکا جانا وغیرہ۔

موضوع کی مناسبت سے ان آیاتِ کریمہ سے ضروری نتائج ملاحظہ کریں:

(۱)۔ امانت کی پاسداری کا بوجھ اسلئے اٹھوایا گیا تاکہ: منافق مردوں، منافق عورتوں، اور مشرک مردوں، مشرک عورتوں کو سزا دی جاسکے، اور حقیقی مومنین (جو منافقت اور شرک سے پاک ہوں) وہ اللہ کے عظیم خزانوں کے لافانی عیش کے مستحق قرار پاجائیں۔ گویا تخلیق کا بنیادی مقصد ہی نسلِ انسانی میں سے کھوٹوں اور کھروں کی پہچان یعنی یہ دیکھنا کہ دنیا میں کون 'نفاق اور شرک' میں ملوث ہوتے ہیں اور کون اس غلاظت سے بچتے ہیں۔ یعنی تخلیق کا مقصد نسل انسانی کی ابتدا سے انتہا (یعنی قیامت تک) منافقین، مشرکین اور حقیقی مومنین کی چھانٹی کرنا مقصود ہے۔

(۲)۔ یہاں سے یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا مسئلہ 'شرک' اور 'نفاق' سے بچ کر حقیقی ایمان کو پانا ہے۔ اِسی لئے شرک پر موت کی صورت میں بروزِ قیامت بخشش کے دروازے بند کردیئے گئے ہیں۔ اور اِس غلاظت کی موجودگی سب اعمال کے اکارت ہونے کا موجب ہے۔

(۳)۔ منافقین اور مشرکین کے مدمقابل مومنین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے ہاں حقیقی قابل قبول ایمان صرف وہی ہے جو 'نفاق اور شرک' سے پاک ہو۔ پس! حقیقی مومن وہی ہے جو 'شرک اور منافقت' کی غلاظت سے کوسوں دور بھاگتا ہو۔ یقیناً ایسے خوش نصیبوں کی زندگی کا اولین ہدف اور ترجیح منافقت اور شرک کی پہچان اور اس سے بچنا ہوگی۔

قابلِ عبرت! اِس انتہائی بھیانک خبر سے آگاہی ایک عقلمند انسان سے کیا تقاضا کرتی ہے؟ کیا یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم ابلیس کے اَن گنت فریبوں کا شکار ہو کر توحید و شرک اور نفاق کو سمجھنے سے غافل ہو کر غیر سنجیدہ طرزِ عمل اختیار کریں یا اولین فرصت میں اِن قباحتوں کو کما حقہ جان کر اپنی اصلاح کریں؟ غلط روش سے ہم کسی کا نہیں صرف اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں جسکی حقیقت قاصد کے آتے ہی پوری طرح کھل جائے گی۔ لہٰذا بروقت سنجیدہ ہو کر اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔ نفاق اور شرک کی تفہیم کیلئے دیکھئے ہماری تحاریر (نجات باب: ۵ اور ۷، ایمان ایک زندہ حقیقت، توحید: لا الٰہ الا اللہ اور ظلم عظیم پر جامع رہنمائی)

(12)۔ ظلمِ عظیم سے بچانے پر ایک منفرد انداز!

خالق پر ایمان اور تعلق کا اولین تقاضا شرک سے بچنا ہے جس پر بہت سخت تنبیہات نازل فرمائی گئی ہیں۔ اور بغیر توبہ شرک پر فوت ہونے والوں پر بروزِ قیامت بخشش کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ اِسی تناظر میں اِس قباحت سے بچانے کیلئے سورہ زُمر میں ایک انتہائی منفرد انداز سے انسان کو یوں خبردار کر دیا گیا ہے، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''(اے نبی!) فرما دیجئے اے جاہلو! کیا تم مجھے اللہ کے سوا اوروں کی پرستش کرنے کا کہتے ہو۔ اور (اے نبی) یقیناً وحی کی گئی آپ کی طرف اور اُنکی طرف جو آپ سے پہلے گزر چکے کہ اگر (بالفرض) آپ نے بھی شرک کیا تو بالضرور آپکے عمل بھی برباد ہو جائیں گے اور آپ ہو جاؤ گے خسارہ پانے والوں میں سے۔ بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کرو اور ہو جاؤ شکر کرنے والوں میں سے۔ اور اُنہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ اور (اُسکی شان تو یہ ہے کہ) یہ زمین بروزِ قیامت اُسکی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُسکے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے اُس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔'' (زمر: 64-67)

یہاں مشرکین جو نہ صرف یہ کہ خود بھی شرک کے مرتکب تھے، بلکہ رسالت مآب (ﷺ) جو مبعوث ہی انسانیت کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر نورِ توحید سے منور کرنے کیلئے کئے گئے تھے، اُنہیں بھی اپنے معبودوں کی عبادت کا مشورہ دیتے تھے۔ جس پر خالق نے اُن مشرکین سمیت تا قیامت ساری انسانیت کو خبردار کر دیا کہ عام لوگ تو درکنار یہ جرم تو (بالفرض) اگر رسالت مآب (ﷺ) جو تمام انبیاء (علیہم السلام) میں سب سے بڑھ کر مقام مرتبہ والے ہیں۔ وہ بھی (بالفرض) اگر کریں تو اُن کے سارے اعمال بھی اکارت ہو جائیں

گے۔تو پھر عام لوگ کس باغ کی مولی ہیں؟ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ قرآن کا منفرد اُسلوب ہے کہ انسان کو کسی بڑے خطرے سے بچانے کیلئے بطورِ تمثیل روئے سخن انبیاء علیہم السلام کی طرف کیا جاتا ہے، جیسا یہاں نبی کریم ﷺ کی طرف کیا گیا۔ورنہ آپ ﷺ تو اللہ کی حفاظت میں ہیں،اُن سے ایسا کوئی امکان نہیں۔بلکہ آپ ﷺ تو انسانیت کو شرک کی غلاظت سے بچانے والے ہیں۔اِسکے بعد اللہ کی صفات اور اُسکے حقوق میں مخلوق کو شریک کر کے خالق کی جناب میں جو ناقدری کی جسارت کی گئی ہے،اُس پر پروردگار نے اپنی شان وعظمت کی ہلکی سی جھلک بیان کی ہے کہ خالق کی شان وعظمت اور قدرت واختیار تو یہ ہے کہ: بروزِ قیامت یہ زمین اُسکی مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان اُسکے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔تو جن لوگوں کو یہ مشرکین اللہ کی صفاتِ عالیہ اور اُسکے حقوق میں شریک ٹھراتے ہیں،اللہ اُس شرک سے پاک ہے۔یہ تو درحقیقت اِن بدبختوں کی اپنی کم فہمی ہے۔ہمارے لئے سبق؟ اِن آیات میں ہمارے لئے یہی سبق ہے کہ اِس معاملے کی سنگینی کی بنیاد پر اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانے کیلئے ہم اولین فرصت میں شرک اور توحید کو سمجھیں۔یعنی (لا الہٰ الا اللہ) کا حقیقی معنوں میں شعور وادراک حاصل کر کے، اپنا جائزہ لے کر اپنے دامن کو شرک کی غلاظت سے پاک کر کے نورِ توحید سے منور کرلیں۔لیکن افسوس کہ اِس ضمن میں اُمت مسلمہ کی اکثریت ابلیس کے انتہائی طاقتور اَن گنت فریبوں کا شکار ہو کر اِس عنوان کو سمجھنے اور اپنی اصلاح کرنے سے مکمل غافل ہو چکی ہے۔یوں ہم کسی کا نہیں صرف اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں جسکی سمجھ ہمیں پردہ غیب کے ہٹنے یعنی قاصد کے رونما ہوتے ہی آجائے گی۔لیکن اُس وقت سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔لہٰذا ابھی وقت ہے حقیقت کی طرف پیش قدمی کریں۔اِس ضمن میں تفصیلی آگاہی کیلئے لکھئے ہماری تحاریر (نجات: باب:۷، توحید: لا الہٰ الا اللہ، توحید کا جامع تصور اور ظلم عظیم پر جامع رہنمائی)۔

(13)۔جزاوسزا کے نتیجے کی نقشہ کشی

پروردگار نے دوزخ سے بچانے اور جنت کی طرف شوق ورغبت کیلئے جزاوسزا کے نتیجے کی نہایت ہی قابلِ عبرت نقشہ کشی یوں فرمائی:

ترجمہ: ’’کافر جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکے جائیں گے۔یہاں تک کہ جب وہ اُس (دوزخ) کے پاس آئیں گے تو اُسکے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔اور وہاں کے داروغہ اُن سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سناتے تھے اور تمہیں اِس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔وہ کہیں گے ہاں، لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا۔کہا جائے گا اب دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔اب اس میں رہو گے ہمیشہ ہمیشہ۔پس! سرکشوں کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے۔اور وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے وہ جنت کی طرف گروہ کے گروہ روانہ کئے جائیں گے۔یہاں تک کہ جب وہ اُس (جنت) کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُسکے

دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور اُن سے اِسکے داروغہ کہیں گے تم پر سلام ہو، تم خوش وخرم رہو۔ سو ہمیشہ رہنے کیلئے اس (جنت) میں داخل ہو جاؤ۔ وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اِس جنت کا وارث بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں، پس! کیا خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔" (زمر:72-74)

اہم نکات: صاحبِ عقل کیلئے یہ نہایت ہی قابلِ عبرت مقام ہے جو مذکورہ وقت سے پہلے ہی پروردگار نے کھول دیا ہے تاکہ اپنے بندوں کو عذاب کی ہلاکت اور ابدی نعمتوں کی محرومی سے بچایا جا سکے۔ اللہ ہم سب کو برے انجام سے بچائے۔ اِس صورتِ حال کو نظر انداز نہ کریں۔ اسے ذرا حقیقت کی نظر سے دیکھیں کہ جس کا نتیجہ دوزخ کیلئے نکل آیا اُس کا کیا بنے گا؟ کس طرح جانوروں کی طرح ہانک کر اُسے ابدی جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ اِس پر بھی غور کر لیں کہ جہنم میں جانے کی وجہ کیا بیان ہوئی ہے؟ یعنی قرآنی احکامات پر کان نہ دھرنا، اُنہیں تسلیم نہ کرنا، آیات کو جھٹلانا، اُنکی تکذیب کرنا۔ فی زمانہ اہل اسلام کیا قرآن کو سمجھنے، اِسے زندگی میں لانے سے غافل اور بے فکر نہیں ہو چکے؟ مزید یہ کہ فرقہ پرستی کے تناظر میں مسلمانوں نے کیا قرآن کے منہ میں لقمہ ڈالتے ہوئے، اپنا ذہن قرآن پر مسلط کرتے ہوئے اُسکی تفاسیر کیا اپنے فرقوں کی تائید میں نہیں کر لی ہوئیں؟ جسکا گلہ علامہ اقبالؒ نے بھی یوں کیا:

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

دوسری طرف خوش نصیب اہل تقویٰ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے۔ قرآنی احکامات کو جاننے کیلئے وقت نکالا۔ اُنہیں سمجھا اور من وعن تسلیم کر لیا۔ زندگی قرآن کے تابع کی۔ صبر کی لگام سے دنیا اور نفس کو قابو کر کے آخرت اور اللہ کی حدود کے تابع کیا۔ وہ خوش نصیب جب جنت کے سامنے پہنچیں گے تو اُسکے سب دروازے استقبال کیلئے پہلے ہی کھلے ہوں گے جہاں سے چاہیں داخل ہو جائیں۔ فرشتے اُنہیں خوش آمدید کہیں گے۔ اُنہیں جنت کی ابدی نعمتوں کا وارث بنا دیا جائے گا کہ جہاں چاہیں اُس میں رہیں۔ کیا ہی خوب بدلہ ہے متقین کا اور یہ سب کچھ ایمان وعمل کی بدولت ممکن ہوا۔ پس! ابھی آپ کے پاس وقت ہے، لہٰذا جلد از جلد دنیا اور نفس کو صبر کی لگام سے قابو کر کے اپنے آپ کو قرآن کے تابع کر لیں۔ اللہ ہمیں خوش بخت بنائے۔ (آمین)

(14)۔ اولوالعزم کا خطاب پانے والے خوش نصیب

درج ذیل اوصاف کے حامل اہل ایمان کو پروردگار نے اولوالعزم یعنی بڑی ہمت والے بندوں کے ٹائٹل سے نوازا ہے، ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "سو جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے یہ تو دنیاوی زندگی کا ساز وسامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر اور سدا رہنے والا ہے، اُن لوگوں کیلئے جو اپنے رب پر توکل اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ جو

اجتناب کرتے ہیں بڑے گناہوں اور بے حیائی سے اور اگر غصہ آجائے تو درگزر کرتے ہیں۔اور جو اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اُنکے کام باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں اور جو کچھ بھی رزق اُنہیں دیا گیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔اور وہ لوگ کہ جب (اُنہیں کسی جابر و ظالم سے) ظلم پہنچتا ہے تو وہ (اُس سے) بدلہ لیتے ہیں۔اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرلے تو اُسکا اجر اللہ کے ذمے ہے۔بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔اور جو کوئی ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے تو اُس پر کوئی الزام نہیں۔الزام تو اُن پر ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر ناحق سرکشی کرتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے دردناک عذاب ہے۔اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کردیا تو بے شک یہ بڑی اولوالعزمی (بڑی ہمت) کے کاموں میں سے ہے۔" (شوریٰ:36-43)

یہاں سب سے پہلے تو انسان پر دنیا کی حقیقت کھولی گئی ہے کہ یہ یہاں جو کچھ بھی انسان کو حاصل ہے یہ تو آخرت کے مقابلے میں بہت حقیر ہے اور محض اِس دارِ فانی کے چند روز بسر کرنے کیلئے ہے۔جبکہ باقی رہنے والا اصل سرمایہ تو جنت میں ملنے والی اُخروی نعمتیں ہیں جو بہت بہتر بھی ہیں اور سدا رہنے والی بھی۔مگر یہ حقیقت اُن لوگوں کو سمجھ آنے والی ہے جو:(۱)۔اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں یعنی جائز اور حلال تک محدود رہتے ہیں،حرص وہوس سے بچتے ہوئے جائز کاوش کے تحت ملنے والے حلال رزق پر قناعت کرتے ہیں۔(۲)۔وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے اجتناب کرتے ہیں اور غصہ آنے کی صورت میں غصہ کو ضبط کرتے ہوئے درگزر سے کام لیتے ہیں۔(۳)۔جو اپنے رب کے ہر حکم کی بجاآوری کیلئے آمادہ رہتے ہیں۔(۴)۔اور نماز کو قائم کرنا یعنی خشوع وخضوع اور پورے اہتمام کے ساتھ نماز کی پابندی کرنا جن کی زندگی کا حصہ ہے۔(۵)۔اور وہ جو اپنے آپ کو حرفِ کُل سمجھنے کی بجائے اُمورِ زندگی باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں۔(٦)۔اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق: جان،مال،وقت صلاحیتوں وغیرہ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔(۷)۔بدلہ لینا:بعض صورتوں میں بدلہ نہ لینا معاشرے میں مزید بگاڑ کا موجب بنتا ہے ،جیسے سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھ روکنے کیلئے۔لہٰذا ایسی صورت میں یہ لوگ اگر بدلہ لینا ضروری سمجھیں تو ظلم کے سدباب کیلئے عدل کے تحت جتنا ظلم ہوا ہو صرف اُسی مناسبت سے بدلہ لیتے ہیں۔تاہم پھر بھی اگر کوئی معاف کردے تو یہ عزیمت کی راہ ہے جس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔لیکن ظالموں کیلئے اللہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔اور آخر میں یہ مشکل ترین حقیقت پھر سے کھول کر بیان کردی ہے کہ: بدلہ لینے کی بجائے جس نے صبر کا دامن تھامتے ہوئے معاف کردیا تو بے شک یہ بڑی اولوالعزمی (یعنی بڑی ہمت) کے کاموں میں سے ہے۔اللہ ہمیں اِن عظیم صفات سے متصف فرما کر اپنے خاص بندوں کی صف میں داخل فرمائے۔(آمین)

(15)۔ عظیم مقامِ عبرت

پروردگار نے ہماری خیر کیلئے محشر میں پیش آنے والے ایک نہایت عظیم مقامِ عبرت کی نقشہ کشی یوں فرمائی:

ترجمہ: ''جس دن مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آپ دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُنکے آگے اور اُنکے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ آج کے دن تمہیں خوشخبری ہے اُن باغات کی جن کے دامن میں نہریں جاری ہیں وہ رہیں گے اُن میں ہمیشہ ہمیش۔ یہی (تو) ہے بڑی کامیابی۔ جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور (وہاں) روشنی تلاش کرو۔ پس (اِسی اثنا میں) اُن کے مابین ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ اِس کے اندر تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا۔ وہ چلا چلا کر اُن (اہل ایمان) سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے ہاں تم ساتھ تو تھے لیکن تم نے خود اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالا اور تم رکے رہے، اور شک کرتے رہے، اور خوب دھوکے میں مبتلا کیا تمہیں تمہاری آرزوؤں نے یہاں تک کہ آ پہنچا اللہ کا حکم اور خوب دھوکہ دیا تمہیں اللہ کے بارے میں (دھوکے باز) شیطان نے۔ سو آج نہ تم سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی کافروں سے۔ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ کیا اب تک ایمان والوں کیلئے (وہ) وقت نہیں آیا کہ پگھل جائیں اُنکے دل اللہ کی یاد سے اور جو حق نازل ہو چکا ہے اُس سے۔ اور نہ ہو جانا اُن لوگوں کی طرح جنہیں اِن سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر جب اُن پر ایک عرصہ گزر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور اُن میں سے اکثر فاسق تھے۔'' (الحدید: 12-17)

اِن آیات کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔ اگر کسی نے زندگی اصل ٹریک پر لانی ہو تو پروردگار نے ہمیں بچانے کیلئے نہایت ہی موثر انداز سے ہمیں پیش آنے والے مذکورہ مقامِ عبرت کی نقشہ کشی فرما دی ہے۔ یہاں تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے: حقیقی اہلِ ایمان، اہل ایمان کے ساتھ رہنے والے بے عملی کا شکار منافقین اور کفار۔ پُل صراط یعنی گھپ اندھیرے کا وہ مقام جسے عبور کرنے کے بعد جنت میں داخل ہونا ہے۔ پُل سے گزرنے میں ناکام ہوئے تو دوزخ کا لقمہ بن گئے۔ اِس گھپ اندھیرے میں ایمان اور عملِ صالح کا نور اہل ایمان کو اُسے عبور کرنے کیلئے روشنی مہیا کر رہا ہے اور جبکہ منافقین کیلئے کوئی روشنی نہیں۔ وہ چلا چلا کر اہل ایمان سے روشنی کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ لیکن اِسی اثنا میں اِن دونوں گروہوں کے مابین دیوار حائل کر کے منافقین کو عذاب میں مبتلا کر کے رابطہ کاٹ دیا جاتا ہے۔ ذرا سوچیں کیا حسرت کا یہ مقام ہوگا اُن کیلئے! اور کیا خوش نصیبی ہے اہل ایمان کیلئے۔ یہاں بدبختی کی چار نہایت قابل غور وجوہات بیان ہوئی ہیں: (۱)۔ دنیاوی مفاد کی خاطر دین کے تقاضوں کی طرف بڑھنے سے رُکے رہنا، (۲)۔ آخرت کا پختہ یقین نہ ہونا، بلکہ شک میں مبتلا رہنا، (۳)۔ بغیر عمل کے بخشش و شفاعت کی خوش فہمیوں میں مبتلا رہنا، اور (۴)۔ بالآخر شیطان کے جال کا

شکار ہو جانا۔ لہٰذا اپنا محاسبہ کریں اور اِن رکاوٹوں کو فوراً دور کرنے کا پختہ فیصلہ کر لیں۔ پھر آخر میں انسان کو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ زندگی بیت گئی، قرآن بھی سُن لیا، تو کب وہ وقت آئے گا کہ پگھل جائیں تمہارے دل اللہ کی یاد میں اور تم عمل پر آ جاؤ؟ اِسکے بعد یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی ہے کہ ملنے والے مواقع سے فوراً فائدہ نہ اُٹھانے سے، حقیقت کو مسلسل نظر انداز کرتے رہنے سے بالآخر دل سخت ہو جاتے ہیں۔ اِن پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور انسان رقتِ قلبی سے محروم ہو کر نامراد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا فوراً فیصلہ کر کے قرآن کے تابع ہو کر ابدی زندگی بچانا ہی عقلمندی ہے۔

(16)۔ نجات پانے والے خوش نصیب

نفسانی کمزوریوں پر قابو پا کر نجات پانے والے خوش نصیبوں کی جامع صفات کے انتہائی اہم اوصاف یوں بیان کئے گئے، ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''یقیناً انسان بڑا کم ہمت پیدا ہوا ہے۔ جب اُسے تکلیف پہنچتی ہے تو چلا اُٹھتا ہے۔ اور جب اُسے بھلائی (یا مالی فراخی) ملتی ہے تو بخل کرنے لگ جاتا ہے۔ مگر (ان کمزوریوں پر قابو پانے والے وہ لوگ ہیں) جو نماز کی ادائیگی کرنے والے ہیں۔ جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں۔ اور جن کے مالوں میں مقرر حصہ ہے مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا۔ اور وہ جو بدلے کے دن کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بے شک اِن کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے، سو بے شک (اِس میں) اُنہیں کوئی ملامت نہیں۔ تو جو کوئی اِس کے سوا (راہ) ڈھونڈے گا تو وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہوں گے۔ وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے قول وقرار کا پاس رکھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جنتوں میں عزت سے رہیں گے۔'' (المعارج:19-35)

سبحان اللہ! یہاں نجات یافتہ اہل ایمان کی جامع صفات کو بہت واضح انداز سے بیان کر دیا گیا ہے، جنہیں ازبر کر کے فوراً زندگی میں لانے کی ضرورت ہے۔ آیات اپنے مفہوم میں بہت واضح ہیں بس اِنہیں ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے۔ تاہم یہاں اہم نکات کا خلاصہ یہی ہے کہ: جس انسان کی سیرت کی تعمیر مذکورہ اوصاف سے نہیں ہو سکی تو وہ مصائب وآلام میں بے صبری اور آہ وبکا، جبکہ نعمتوں کی فراخی اُسے انفاق اور شکر گزاری کی بجائے بخل پر آمادہ کرنے کا موجب بن جاتی ہے۔ لیکن مذکورہ صفات انسان کو اِس قباحت سے نجات دلانے کی دوا بن کر اُسے عظیم فلاح وکامرانی کی سعادت تک لے جانے کا موجب بن جاتی ہیں۔ یہ عظیم اوصاف: نماز کی حفاظت اور پابندی سے ادائیگی کی فکر کرتا ہے جو اللہ کی یاد اور ایمانی بیٹری کے بار بار چارج ہونے کا بڑا ذریعہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بخیل نہیں، اللہ کی محبت میں انفاق کئے بغیر نہیں رہ سکتے اور سوال

کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے مستحق حاجت مندوں کا خیال رکھنے والے ہیں۔ بدلے کے دن پر یقین رکھنے والے اور اُسکی تصدیق کرنے والے۔ دوزخ کے عذاب کو ہلکا نہیں لیتے بلکہ دوزخ سے بچنے کو بہت سنجیدہ لے کو اُس سے بچنے کی بھرپور کاوش و دعا کرنے والے ہیں۔ نفس کے سب سے بڑے جذبے یعنی شہوت کو قابو کر کے جائز طور پر صرف اپنی ازواج یا لونڈیوں تک محدود رہنے والے ہیں۔ جو امین ہیں، امانت اور عہد و پیمان کی پاسداری کا بھرپور لحاظ رکھنے والے ہیں جس کے بغیر خاندانی اور معاشرتی ڈھانچہ قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن افسوس کہ قرآن سے دوری کی وجہ سے الا ماشاء اللہ اب مسلمانوں کو اِسکا کوئی خاص لحاظ نہیں رہا۔ مزید یہ کہ جہاں گواہی کی نوبت آئے تو نہ ڈر کی وجہ سے گواہی چھپاتے ہیں، نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں بلکہ اللہ اور آخرت کی خاطر درست گواہی دیتے ہیں چاہے وہ از خود یا اُنکے اپنے عزیز و اقارب ہی اِسکی زَد میں آجائیں جو کہ اتنا مشکل امتحان ہے جس میں صرف پختہ ایمان والے ہی سُرخرو ہو سکتے ہیں۔ نماز سے ہی مذکورہ اوصاف کا آغاز کیا گیا تھا اور اختتام بھی نماز کی فکر و حفاظت کرنے پر کیا گیا ہے۔ اِن صفات کے حامل یہ ہیں وہ خوش نصیب جن کا جنت کی عظیم نعمتوں سے اعزاز و اکرام کیا جائے گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ جلد از جلد ہمیں اِن عظیم صفات سے بہرہ مند فرما کر اپنا بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(17)۔ انجام سے عبرت

پروردگار نے اپنے بندوں کو بچانے کیلئے بروزِ قیامت کامیاب ہونے والوں اور ناکام ہونے والوں کے حساب کتاب کی نہایت قابلِ عبرت نقشہ کشی یوں فرمائی:

ترجمہ: ''اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف مشقت کر رہا ہے تو پھر اُسی سے جا ملے گا۔ پھر جس کا اعمال نامہ دیا گیا اُس کے داہنے ہاتھ میں۔ تو اُسکا حساب تو لیا جائے گا بڑی آسانی سے۔ اور وہ لَوٹے کا اپنے اہل خانہ کی طرف مسرور و شاداں۔ لیکن جس کو دیا گیا اُسکا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے۔ تو وہ تو پکارے گا موت کو۔ اور داخل ہوگا دوزخ میں۔ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں بڑا خوش و خرم رہتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر ہی نہ جائے گا۔ کیوں نہیں؟ بے شک اُسکا رب تو اُسے دیکھ رہا تھا۔'' (انشقاق:6-15)

یہاں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ انسان کے وجود میں آتے ہی اُسکا موت کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے۔ ہر گزرتا ہوا دن اُسکی زندگی سے کم ہو کر اُسے موت کے قریب کرتا جاتا ہے۔ انسان کو قانونِ قدرت میں اِس طرح باندھا گیا ہے کہ انجام کی طرف جاری اِس سفر میں ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ کا وقفہ بھی نہیں آتا۔ اور پھر اِس سفر کی غایت یہ ہے کہ مرنے کے بعد حسابِ زندگی کیلئے اپنے رب کے حضور پیش ہو جانا ہے۔ لہٰذا یہ زندگی بڑی قیمتی ہے اِسے غفلت میں گزارنا بہت بڑی حماقت ہے۔ اب پیشی کے بعد نتیجہ بیان کیا گیا ہے کہ جس خوش نصیب کو اُسکا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں پکڑایا گیا وہ تو سستا چھوٹ جائے گا۔ یعنی حساب تو اُسکا بھی ہوگا

۔لیکن اُسکی معمولی غلطیوں سے درگزر کر کے اُسے بخش کر اُسے اُسکے اہل خانہ سے ملا دیا جائے گا۔اِس خوش نصیب نے دنیا میں چونکہ اہل خانہ کی عاقبت سنوارنے کی بھرپور فکر کی تھی، دنیا سے زیادہ اُنکی آخرت کی بہتری کی فکر کی تھی۔ اِسلئے اب اُسکے سب اہل تقویٰ اہل وعیال کو ابدی قربت عطا کر دی جائے گی۔اہل وعیال سے محبت کا اصلی تقاضا یہی ہے کہ دنیا کے ساتھ ساتھ اُنکی آخرت سنوارنے کی بھرپور فکر کی جائے۔اِسکے برعکس جن کو اعمال نامہ دیا گیا سامنے کی بجائے پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں تو وہ تو موت کو پکاریں گے۔کیونکہ اب اُنہیں نجات کی واحد شکل موت ہی نظر آئے گی کہ کسی طرح اُنکا قصہ تمام ہو جائے۔لیکن اب تو موت بھی پُرسانِ حال نہ بنے گی، بلکہ اُنہیں داخل کر دیا جائے گا دوزخ میں۔یہاں یہ اہم نکتہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اِس سے قبل دنیا میں یہ لوگ اپنے اہل خانہ میں مست وشاداں تھے۔سارا وقت، سارے وسائل اور ساری توانائیاں صرف اہل وعیال کی دنیاوی خوشیوں میں صرف کر دیں۔کبھی اُنکی عاقبت کیلئے فکر مند نہ ہوئے تو اب چونکہ دنیا میں سارا وقت اہل خانہ کے ساتھ صرف کر چکے۔اب اُن کے مابین ابدی جدائیاں ڈال دی جائیں گی۔یہ دنیا میں اِس قدر مگن ہو گئے کہ اُنہیں اللہ سے ملاقات بھول گئی۔اُنکا خیال تھا کہ یہ جہاں مٹھا اگلا کس نے ڈٹھا۔جبکہ پروردگار نے فرمایا: بے شک اُسکا رب تو اُسے دیکھ رہا تھا۔یعنی اُسکی زندگی کے سارے لمحات رب کی نظر میں تھے۔پس! عقلمندی یہی ہے کہ بروقت اِن حقائق کو سنجیدہ لے کر فوراً زندگی اصل ٹریک پر لانے کا پختہ فیصلہ کر کے اپنے آپ کو بچا لیا جائے۔

(18)۔بدکردار لوگوں سے بچنے کی تلقین

پروردگار نے درج ذیل پست کردار کے حامل ناہنجاروں سے اپنا دامن بچانے کی سخت تلقین فرمائی، ارشاد فرمایا:

ترجمہ:''اور (اے نبی!) آپ بات نہ مانیں بہت قسمیں کھانے والے ذلیل کی۔جو طعنے دینے والا چغلیاں لگانے والا ہے۔خیر سے روکنے والا، حد سے بڑھا ہوا گنہگار ہے۔جو بدمزاج دُرشت خُو ہے، مزید برآں بداصل (بھی) ہے۔اُس کی (سرکشی) اسلئے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے۔جب اُس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلوؤں کے قصے ہیں۔عنقریب ہم بھی اِس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔''(القلم:10-16)

یہاں ابلیس کے آلہ کار بدکردار انسانوں کی بدنما صفات کو واضح کر کے آپ ﷺ کی وساطت سے اہل ایمان کو ایسے ناہنجاروں سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔(ا)۔بہت قسمیں کھانا: ضرورت کے تحت قسم انسان کی سچائی کا ثبوت ہوتا ہے، لیکن بات بات پر قسم کھانا انسان کے کردار کی پستی اور اُسکے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔لہٰذا اِس قباحت سے بچنا بھی ہے اور ایسے لوگوں سے احتراز بھی کرنا ہے۔(۲)۔ذلیل طعنہ باز اور چغل خور اپنی گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے عزت نفس اور اپنا وقار کھو بیٹھتا ہے۔طعنہ بازی دوسرے انسانوں کی تحقیر

کا ذریعہ ہے۔یعنی لوگوں پر اشارے کرنا اُن پر فقرے کسنا جو کہ انتہائی قابل ملامت طرزِ عمل ہے۔اور چغل خوری باہم پھوٹ ڈالنے اور عزت پامال کر کے لوگوں کو ننگا کرنے کا موجب ہے۔ جسے انتہائی قبیح جرم قرار دیا گیا ہے۔ایسی قباحتیں انسان میں شیطانی اوصاف پیدا کرتی ہیں اور پھر وہ خیر کی راہ میں رکاوٹ بن کر گویا اللہ کی راہ میں حائل ہونے کی جسارت کرنا شروع کر دیتا ہے۔(۳)۔مزید یہ کہ بداخلاقی، بدمزاجی انسان کو درشت خوئی اور گالی گلوچ تک لے جانے کا موجب بن کر بالآخر بداصلی تک لے جانے کا موجب بن جاتی ہے۔(۴)۔اب آخر پر مذکورہ اخلاقی پستیوں کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ: اُس کی (سرکشی) اسلئے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے۔یعنی مال کی ریل پیل اور صاحب اولاد ہونے نے اُسکا دماغ خراب کر دیا ہے اور وہ اپنے گمان میں محض وافر مال واسباب کو اپنے اوپر خدا کا انعام تصور کرتا ہے۔حالانکہ مال اور اولاد اُسی وقت اللہ کا کرم ہوتا ہے جب تقویٰ موجود ہو۔تقویٰ کی موجودگی میں جائز دنیا باعث رحمت ہے، لیکن تقویٰ کی عدم موجودگی میں محض دھوکہ ہے۔ایسے لوگوں پر واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں عنقریب یہ اللہ کی گرفت میں جانے والے ہیں۔اللہ ہمیں مذکورہ رذائل سے بھی بچائے اور ایسے بدکردار لوگوں کے شر سے بھی محفوظ رکھے۔(آمین)

(19)۔نجات کے کم از کم اہداف

سورۃ العصر میں خسارے سے بچنے اور نجات کو پانے کیلئے کم از کم ضروری اہداف بیان کر دیئے گئے ہیں جو اہل ایمان کیلئے بہت بڑی خوشخبری ہے۔ اِنہیں حقیقی معنوں میں سمجھ کر فوراً من وعن اپنا کر اپنے آپ کو خسارے سے بچالیں۔چنانچہ پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ:''زمانے کی قسم بے شک انسان خسارے میں ہے۔سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور باہم ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

اس مختصر سی سورہ مبارکہ میں نجات کے کم از کم اہداف بیان کر دیئے گئے ہیں جو چار ہیں۔یہ وہ کم از کم اہداف ہیں جن کے بغیر نجات ممکن نہیں۔یہاں تاکید کے ساتھ پہلی انتہائی پریشان کُن خبر یہ دی گئی ہے کہ انسانیت درحقیقت خسارہ پانے والی ہے۔یعنی اکثریت نے آخرت سے غافل رہ کر خالق کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر محض دنیا کیلئے ہی جینا ہے اور بہت کم لوگوں نے بچنا ہے۔لہٰذا اس خوفناک خبر سے آگاہی کے بعد ہم اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کریں۔اگلی اہم بات یہ ہے کہ یہاں ایک لائن کھینچ کر خسارے سے بچنے والے لوگوں کے چار بنیادی اہداف کو اجمالاً بیان کر دیا گیا ہے:(۱)۔ایمان لانا،(۲)۔صالح اعمال اختیار کرنا،(۳)۔حق بات یعنی سچائی کی تلقین کرنا،اور(۴)۔صبر کی تاکید کرنا۔**ایمان لانے کا مطلب:** اللہ کی توحید، رسول ﷺ کی رسالت، قرآن، آخرت، ملائکہ، دیگر آسمانی کتابیں اور تقدیر جو اللہ کا پیشگی علم ہے، اِن

سب کا زبان سے اقرار اور دل سے انہیں تسلیم کرنا ہے۔ **دوسرا ہدف:** صالح اعمال پر کاربند ہونا ہے جسکا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ ہدف پورے دین کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ یعنی دین کے سارے عنوانات (توحید، رسالت، عبادات، اخلاقیات ومعاملات) میں اوامرونواہی کو ملحوظ رکھنا۔ اللہ کی حدود پر پہرہ دینا۔ منع کردہ، بُرے کاموں سے اجتناب کرنا اور فرائض واجبات یعنی دینی تقاضوں کو ملحوظ رکھ زندگی بسر کرنا۔ پھر **تیسرا ہدف:** یہ کہ صرف انفرادی سطح تک محدود نہ رہنا، بلکہ اپنی حیثیت اور دائرہ کار کے تحت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا۔ دوسروں کو بھی سچائی اور حق پر قائم رہنے کی تلقین کرنا۔ اور **آخری ہدف:** یہ کہ راہِ حق کی دعوت سمیت دیگر امور میں جو تکالیف آئیں اُن پر خود بھی صبر کرنا اور دوسروں کو بھی صبر کی تاکید سے حوصلہ دینا جو کہ بہت مشکل کام ہے۔ یہ ہیں نجات کے ضامن چار کم ازکم اہداف جنہیں پانا زندگی کا اولین ہدف بنا کر ابدی زندگی بچالیں۔ اگر حقیقی ایمان نصیب ہو جائے تو یہ چاروں اہداف زندگی کا لازمی حصہ بن جاتے ہیں۔

(20)۔ صفات کا خلاصہ

اس باب میں بیان کردہ آیات سمیت قرآنِ حکیم کی دیگر آیات کی روشنی میں قرآن یعنی پروردگار کے مطلوب انسان کی صفات کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

(۱)۔ **ایمانیات:** اللہ، اُسکے رسول ﷺ، یومِ آخرت، ملائکہ، کتاب اللہ، تقدیر (یعنی خالق کا پیشگی علم) اور سابقہ نبیوں پر ایمان رکھنے والے۔ حسنِ نیت/اخلاص سے مالا مال اور نفاق سے بچنے والے۔

(۲)۔ **توحید:** اولین ترجیح اور فکر کے ساتھ اپنا دامن شرک کی نجاست سے بچانے والے۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے شدید نفرت کرتے ہوئے اُسکے نورِ توحید سے منور ہونے کو زندگی کا طرہ امتیاز بنانے والے۔

(۳)۔ **رسالت:** رسالت کے کما حقہ تقاضے (محبت، ادب واحترام، اطاعت واتباع، درودوسلام .....) پورے کرتے ہوئے اپنا پیدائشی ذہن سوچ، اپنے مَن پسند فرقے اور اکابرین کو خوشدلی کے ساتھ اللہ ورسول (ﷺ) کی تعلیمات بالخصوص قرآنی احکامات کے تابع کرنے والے۔ تعصب وتنگ نظری اور فرقہ واریت سے اجتناب کرنے والے۔

(۴)۔ **عبادات:** نماز کو قائم کرنے والے، یعنی: ترجیح، شوق وجذبہ، اور خشوع وخضوع سے فرض نماز کی پابندی اور اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات بالخصوص نمازِ تہجد کو پا کر بوقتِ سحری گڑگڑا کر بخشش مانگنے والے اور عاجزی اختیار کرنے والے۔ ہمہ تن اپنے رب کی یاد سے اپنے قلوب کو تروتازہ رکھنے والے۔ طہارت وپاکیزگی اختیار کرنے والے۔

(۵)۔ **انفاق:** تنگی وخوشحالی، ہر حالت میں اللہ کی محبت میں اللہ کے دیئے ہوئے رزق: مال، جان، وقت

اور صلاحیتوں کو اللہ کی راہ میں (یعنی انسانی ہمدردی اور اقامتِ دین کیلئے) خرچ کرنے والے۔

(۶)۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنے والے۔ نہ بخل کرنے والے اور نہ بے جا اُڑانے والے۔ لغویات سے اعراض کرتے ہوئے وقت کو ضائع کرنے کی بجائے اِسے قیمتی بنانے والے۔

(۷)۔ مصائب پر صبر: زندگی میں آنے والے مصائب وآلام: فقر وفاقہ، تنگدستی، دنیاوی سختیاں۔ دکھ درد یعنی جسمانی تکلیف، بیماری اور راہِ خدا یعنی دعوتِ دین اور جہاد میں آنے والی تکالیف وغیرہ میں صبر کا دامن تھامتے ہوئے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے والے۔

(۸)۔ اپنی حیثیت اور اپنے دائرہ کار کے تحت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کرنے والے۔ بالخصوص اپنی اولاد، اپنی بیوی، اپنا خاندان اور اپنی رعیت کی نجات کیلئے کوشش اور دعا کرنے والے۔

(۹)۔ گناہ سے اجتناب: اللہ کی نافرمانی سے ہر ممکن اجتناب کرنے والے اور خدانخوستہ جہالت کی رُو سے کہیں پاؤں پھسل جائے تو اُس پر اصرار کرنے کی بجائے فوراً تائب ہو کر پلٹ آنے والے۔

(۱۰)۔ حقوق العباد: یعنی اخلاقیات ومعاملات میں خالق کی حدود پر پہرہ دینے والے۔ عدل واحسان، سچائی، شرم وحیا کی پاسداری کرنے والے اور بے حیائی کے قریب بھی نہ پھٹکنے والے۔ رزقِ حلال، کفالت کی ذمہ داری، ایفائے عہد، امانت داری، حُرمتِ مال اور حرمتِ جان کا پاس رکھنے والے۔ والدین سے حسنِ سلوک سمیت دیگر رشتوں کا لحاظ رکھنے والے۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کرنے والے۔ غربا اور مساکین پر رحم کرنے والے۔ اُنکی بنیادی ضروریات بالخصوص کھانا کھلانے، روٹی کپڑا اور دکھ درد کا مداوا بننے والے۔ غصہ کو قابو کرنے والے۔ انتقام لینے کی بجائے حتی الامکان درگزر، معاف کرنے والے اور اگر بدلہ لینا ضروری ہو تو زیادتی کرنے سے بچنے والے۔ دھوکہ، بدزبانی، تمسخر، اسکتبار، طعنہ زنی اور چغل خوری سے بچنے والے۔ گواہی پر قائم رہنے والے۔ مزید یہ کہ انتشار وبدامنی، فتنہ وفساد کا حصہ بننے سے گریز کرنے والے۔

اِن عظیم صفات کے حامل ہی حقیقی متقی ہیں۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کا پروردگار اعزاز واکرام کریں گے۔ ملائکہ اِن کا استقبال کریں گے اور اللہ کی وسیع جنت کے وارث بنا دیئے جائیں گے۔ لہٰذا جلدی کریں۔ اِس چندروزہ زندگی میں صبر کر کے، اپنے خالق کیلئے تن من دھن کی بازی لگا کر، اِن صفات کو زندگی میں لا کر ابدی بادشاہی حاصل کرنے کا پختہ فیصلہ کرلیں۔ اللہ ہمیں اِسکا اہل بنائے۔ (آمین)

(13)۔متفرق عنوانات

(1)۔کرنے کا سب سے بڑا کام.......................................198
(2)۔صحت وتندرستی.......................................199
(3)۔وقت(Time)!.......................................200
(4)۔توکل کا جامع مفہوم.......................................201
(5)۔صحبت وماحول۔بقائے ایمان کیلیئے لازم.......................................202
(6)۔ایک بندہ مومن کی دوانمول باتیں.......................................203
(7)۔بڑے زخموں کا حقیقی مرہم(Great Trajadies).......................................204
(8)۔تقویٰ کے مقابلے میں خوشحالی کا دھوکہ.......................................205
(9)۔ایمان کوڈولنے سے بچائیں.......................................206
(10)۔قانونِ طمانیت ورحمت.......................................207
(11)۔انسان کی بے بسی!.......................................208
(12)۔آنکھوں کی پلکوں کا جھپکنا(Eye blink).......................................209
(13)۔مصائب وآلام سے نمٹنا(زخموں کا حقیقی مرہم).......................................210
(14)۔انزائٹی(Anxiety) کا یقینی حل.......................................211
(15)۔مصائب اور تقدیر(بڑی غلط فہمی کا ازالہ).......................................212
(16)۔متاعِ غرور کی حقیقت(کچھ سبق ڈینگی بخار سے).......................................213
(17)۔ماضی کی یادیں اور درسِ عبرت.......................................214
(18)۔بادلوں کا پھٹنا۔ایک بڑی تنبیہ.......................................215
(19)۔اہم اذکار کا مفہوم.......................................216
(20)۔محاسبہ: اسلام اور مسلمانوں کی اقسام.......................................217

(1)۔ کرنے کا سب سے بڑا کام

بنیادی دینی ذمے داریوں (اوامر ونواہی) کی بجا آوری کے بعد مختلف عظیم کارِ خیر کے امور: نفلی عبادات، ذکر واذکار، خدمت خلق اور انفاق....... سمیت کئی ذرائع ہیں۔ لیکن کرنے کا وہ کام جس کا مقام سب سے اوپر ہے، جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد تھا وہ: ''تواصی بالحق یعنی دینی رہنمائی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''اور اُس سے اچھا قول کس کا ہوگا جو دعوت دے اللہ کی طرف اور نیک اعمال کرے اور کہے کہ میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (حم السجدہ: آیت: 33)

امتیازی وصف: ہمارا امتیازی وصف ہی یہی بتلایا گیا کہ: ترجمہ: ''تم بہترین امت ہو جنہیں لوگوں (کی ہدایت) کیلئے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (آل عمران: 110) اِس کام کو ترک کرنے کا نتیجہ ابلیس کا انسانیت کو دبوچنے کے سوا کچھ اور نہیں۔ لیکن مسلمان اسے اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ ہر شخص پر اُسکی حیثیت اور دائرہ کار کے تحت ''لازم'' ہے (بالخصوص اپنی رعیت کیلئے)۔

لازمی ذمہ داری: فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے، پھر تم اُس سے دعائیں کروگے، لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔'' (ترمذی: 2169)

حقیقی ایمان کا نتیجہ: اگر حقیقی ایمان نصیب ہو جائے تو ایمان کے ثمرات لازماً نصیب ہو جاتے ہیں اور مذکورہ اہم کام ایمان کا لازمی نتیجہ ہے جس سے دور رہنے کا مطلب حقیقی ایمان سے دوری ہی ہے۔

چند قابل عبرت حقائق

(۱)۔ اصحاب سبت کے تین گروہ: مچھلی کا شکار کرنے والے، کنارہ کش ہو جانے والے، اور نافرمانوں کو منع کرنے والے۔ ان میں سے صرف وہ گروہ بچا جو منع کرنے والا تھا: (اعراف: 165)، (۲)۔ سورۃ العصر کی روشنی میں نجات کی کم ازکم ذمہ داری کے چار اہداف میں سے تیسرا اہم ہدف ''تواصی بالحق'' ہے، (۳)۔ حقیقی اہل ایمان دعوت واصلاح کیلئے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، جہاں بھی موقع ملے غنیمت جان کر اصلاح کرتے ہیں: یہاں تک کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جیل میں ہی دعوتِ توحید شروع کردی: (یوسف: 38-40)۔ فرعون کے جادوگروں کو ایمان نصیب ہونے کے بعد جب فرعون سے شدید اذیت ''مخالف سمت کے بازو اور ٹانگوں کو کاٹنے'' کی دھمکی ملی تو اس شدید مشکل حالت میں بھی فرعون کو نصیحت شروع کردی، دیکھئے: (طٰہٰ: 73-76)....اسی قسم کے ان گنت واقعات قرآن میں موجود ہیں، (۴)۔ امتِ مسلمہ کو اسی عظیم کام کی وجہ سے ہی بہترین امت قرار دیا گیا ہے: (آل عمران: 110)۔ یہ ذمہ داری اب تا قیامت آپ ﷺ کے امتیوں کے سپرد کردی گئی ہے: (بلغو ا عنی ولو اية)۔

پس حکمت ودانائی اور عمدہ اسلوبِ دعوت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سب سے بڑے کام میں اپنا حصہ ڈالنے سے محروم نہ رہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (فریضۂ دعوت واصلاح)

(2)۔صحت وتندرستی

ایمان کے بعد زندگی کی دوسب سے قیمتی نعمتیں: وقت اور صحت وتندرستی ہیں۔ وقت تو زندگی ہے ہی لیکن دیئے گئے وقت سے فائدہ، صحت وتندرستی کی موجودگی میں ہی اٹھایا جاسکتا ہے۔آپ نے جو کچھ بھی کرنا ہے: عبادت، مطالعہ، دعوت واصلاح، معاش، دوسروں کی مدد..... اسکے لئے صحت درکار ہے۔خود ٹھیک ہوں گے تو کسی کے کام آپائیں گے۔لہٰذا ہمیں اپنی صحت کا بھرپور خیال رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔

اسباب: خالق نے دنیا کو اسباب اور طبعی قوانین کے تابع کیا ہے۔اسلئے ان قوانین کی بہتر سمجھ بوجھ اور استعمال سے صحت کو بہتر رکھنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ بچپن اور جوانی تو خود بخود گزر جاتی ہے، لیکن ۴۰ سال کے بعد جسم مرنے کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔اسلئے اسکے بعد اگر بہت فکرمندی کے ساتھ کھانے پینے میں احتیاط اور ورزش وغیرہ کا خیال نہ رکھا جائے تو زندگی ایک بوجھ اور مصیبت بن جاتی ہے۔تندرست زندگی کیلئے ''دعا'' کے ساتھ ساتھ درج ذیل طبعی امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(۱)۔بچپن سے ہی نقصان دہ غذاؤں سے بچا جائے، کیونکہ بچپن میں کھائی گئی غذا نے ہی جوانی اور بڑھاپے میں اعضا پر اپنے مضر اثرات ظاہر کرنے ہیں۔

(۲)۔متوازن غذا(Balance Diet) کھائی جائے جس میں نشاستہ، پروٹین، چکنائی (بالخصوص دیسی گھی)، وٹامنز اور منرلز موجود ہوں۔جیسے: روٹی، گوشت، دالیں، سبزی، سلاد، پھل، دودھ، کھجور، بادام، انڈہ، شہد، زیتون آئل وغیرہ۔

(۳)۔وزن کو متناسب رکھا جائے۔نہ بہت بڑھنے دیا جائے نہ ہی بہت کم ہونے دیا جائے۔بہت زیادہ پیٹ بھرنے کی بجائے کھانا ہمیشہ بھوک رکھ کر کھایا جائے۔بالخصوص ۴۰۔سال کے بعد اسکا خیال نہ رکھنا، موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

(۴)۔تیز نمک، گھی، سرخ گوشت (بالخصوص بڑا گوشت) کی بجائے ہلکا نمک، آئل، چکن، مچھلی استعمال کی جائے۔زیادہ مصالحہ جات، بھُنی ہوئی، فرائیڈ غذا کی بجائے سادہ غذا لی جائے۔

(۵)۔شہد، کلونجی، جو کا دلیہ (بالخصوص دل کی بیماریوں کیلئے) اور آبِ زمزم استعمال کیا جائے جو بہت سی لاعلاج بیماریوں کیلئے شفا کا باعث ہے۔

(۶)۔صاف پانی جو بہت زیادہ ٹھنڈا نہ ہو بلکہ نارمل یا نیم گرم (سردیوں میں) ہو، اسے استعمال کیا جائے۔پانی زیادہ لیا جائے بالخصوص گرمی میں (۸تا۱۰) گلاس تاکہ صحت بحال رہے۔

(۷)۔ نینداور آرام کا خیال رکھا جائے۔صاف ستھری تازہ ہوالی جائے اور صبح وشام واک اور ورزش کا اہتمام کیا جائے۔دانتوں کی صفائی کا خیال رکھا جائے۔زندہ رہنے کا نسخہ:

''دماغ کو ٹھنڈا رکھنا (یعنی ٹینشن سے بچنا) اور پاؤں گرم رکھنا (یعنی کام کاج ورزش کرنا) ہے۔

یوں انشاءاللہ آپ بیماریوں اور دوائیوں سے بہت حد تک بچے رہیں گے

(3)۔وقت(Time)!

ایمان کے بعد زندگی کی دو سب سے قیمتی نعمتیں: وقت اور صحت وعافیت ہیں۔اکثریت ان کے حوالے سے خسارے پر ہے۔وقت اور صحت کی قدر کا خیال انسان کو اُس وقت آتا ہے جب پانی سر سے گزرنے لگتا ہے، جب یہ نعمتیں چھننے لگتی ہیں.... لیکن اُس وقت سوائے حسرت وافسوس کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

وقت ہماری زندگی ہے۔گھڑی کی ٹک ٹک کو معمولی نہ سمجھیں یہ تو زندگی کے درخت پر کلہاڑی کے وار ہیں جنہوں بہت جلد آپکو کاٹ دینا ہے۔ہر شخص کو ایک معین وقت الاٹ کیا گیا ہے۔ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ ہمارے پاس کتنی دولت ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ وقت کتنا ہے۔جب وقت کا اختتام(t = End) آجاتا ہے تو ایک گھڑی کیا ایک سانس بھی مزید نہیں مل پاتا چاہے دنیا کی ساری دولت بھی لگادی جائے۔اُس وقت سب سمجھ لگ جائے گی، انسان حسرت کرے گا کہ کاش اُسے چند لمحے ہی مزید مل جائیں، لیکن کہاں؟ پس! عقلمند صرف وہ ہے جو بروقت مہلت کی قدر کا فیصلہ کرلیتا ہے، اور قدر کا واحد نسخہ زندگی ایک دن پر لانا ہے۔زندگی شروع ہی اُس دن سے ہوگی جب آپ زندگی موجودہ وقت یعنی ایک دن پر لائیں گے۔

وقت کا استعمال: اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو یہ دیکھیں کہ آپ وقت کو کیسے استعمال کررہے ہیں۔ فلاح کیلئے وقت کا بیلنس استعمال ناگزیر ہے یعنی: ایمان وبندگی، دین ودنیا کا مطالعہ، صحت وآرام، معاش کی جدوجہد، انسانی فلاح... کیلئے۔

توانا(جوانی) کا وقت: سب سے قیمتی وقت جوانی کا وقت ہے جو سحری سے شروع ہوکر ظہر تک جاتا ہے۔صبح کا وقت سب سے توانا اور سب سے قیمتی ہے۔اِس وقت کی بھرپور قدر کرنے والے ہی بڑے مقام کو پاتے ہیں اور جو اسے سوکر یا فضولیات میں ضائع کردیتے ہیں وہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔

وقت کا انتظام(Time Management): اسکے لئے درج ذیل کاموں پر غور کریں:

(1)۔ضروری اور فوری: (Important & Urgent)

(2)۔ضروری لیکن فوری نہیں: (Important & Not Urgent)

(3)۔غیرضروری اور فوری: (Un-Important & Urgent)

(4)۔غیرضروری لیکن فوری نہیں: (Un-Important & Not Urgent)

اب اپنے کاموں کی لسٹ بنائیں اور اس ٹیبل میں ڈالیں۔نمبر(۱) والے کاموں کو فوراً کردیں، نمبر(۳) اور نمبر(۴) کے خانے میں آنے والوں کاموں کو زندگی سے نکالنا شروع کردیں۔

اہل ایمان کی بابت فرمایا گیا: ’’اور وہ لوگ جو فضول کاموں سے منہ موڑے رہتے ہیں۔‘‘(المومنون:3)

فرمانِ رسول ﷺ: ’’انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ غیرضروری اور فضول چیزوں کو چھوڑدے‘‘(ترمذی:2317)

کامیابی: کامیابی کا سارا دارومدار نمبر(۲) والے خانے پر ہے۔اس خانے پر خصوصی توجہ(Focus) دیں۔ان کاموں کو فوری(Urgnet) یعنی پہلے خانے میں نہ آنے دیں۔انہیں آخر وقت / آخری دنوں پر ڈال کر زندگی عذاب بنانے کی بجائے بروقت کرتے جائیں دنیا بھی سوکھی رہے اور آخرت بھی بن جائے گی۔

(4)۔توکل کا جامع مفہوم

قانونِ ابتلا اور قانونِ رحمت سے آگاہی کے بعد توکل پر جامع آگاہی ضروری ہے۔اِس پر کچھ رہنمائی توحید کے باب میں بھی دی جا چکی ہے۔یہاں بات پوری طرح کھولی جائے گی۔

توکل کے سوا کوئی چارہ نہیں: ہماری کاوش کامل نہیں، لہٰذا خالق سے وابستگی اور اس پر توکل کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔اسی لئے اُس نے توکل کا ہمیں حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا:

☆ ''اور اللہ ہی پر توکل اختیار کرو اگر تم واقعتاً مومن ہو۔'' (مائدہ:23)

☆ ''اور توکل کرو اُس زندہ ذات پر جسے موت نہیں آنی۔'' (فرقان:58)

کوشش اور اسباب کو ترک کرنے کا نام توکل نہیں۔جانور کو محفوظ جگہ باندھ کر توکل کرنے کا حکم ہے۔مزید یہ کہ پرندے بھی گھونسلے میں نہیں بیٹھے رہتے، بلکہ صبح سے شام تک رزق کیلئے بھرپور کاوش کرتے ہیں۔اس ضمن میں بطورِ خلاصہ درج ذیل اہم نکات ذہن نشین رکھیں:

(۱)۔اسباب ایک ذریعہ ہیں حرفِ آخر نہیں۔خالق کو حقیقی کارساز سمجھتے ہوئے اسباب سے مستفید ہونا ہے اور اسباب کے استعمال میں بھی نظر خالق پر رکھنا توکل ہے۔

(۲)۔صرف جائز اسباب تک محدود رہنا اور ناجائز وحرام اسباب (رزقِ حرام کے ذرائع اور جادو ٹونہ، شرکیہ راستوں) سے مکمل کنارہ کشی کرنا توکل ہے۔

(۳)۔مخلوق سے بار بار سوال کرنا، پیچھے پڑ جانا، انتہاء درجے کی منت سماجت اور ذلت اختیار کر لینا توکل کے منافی ہے۔تین دفعہ سوال کر کے معاملہ اللہ کی سپرد کر دیں، اللہ حل کی کوئی اور سبیل پیدا کر دے گا۔

(۴)۔دنیوی خطرات اور نقصان کے اندیشوں کی بنا پر سچائی کو ترک کرنا، ضروری دینی تقاضوں کو پس پشت ڈالنا توکل اور ایمان کے منافی ہے۔اکثریت اس ہلاکت کا شکار ہو چکی ہے۔

(۵)۔اسباب سے بالا مافوق یعنی خدائی امور پر مخلوق کو قابض جاننا، اُنہیں خالق کی قدرتوں کا حامل ٹھرانا کہ جب چاہیں جیسے چاہیں ان میں تصرف کریں توکل کے منافی اور ''الوہیت'' میں شراکت ہے۔

(۶)۔اپنی بساط کی حد تک کوشش اور دعا کے بعد انجام اللہ کی سپرد کر کے خوف وخطرات سے آزاد ہو جانا اور خلاف توقع یا ناگوار نتیجے پر بھی ایمان پر قائم رہنا ''توکل وتفویض'' ہے۔

(۷)۔دعا کسی سے کروائی تو جاسکتی ہے، لیکن دعا کرنی صرف اللہ ہی سے ہے۔اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کرنا توکل کے منافی اور اُسے کارساز بنانا ہے۔

توکل کا طریقہ: اپنی بساط کے تحت کوشش اور جائز اسباب اختیار کرنا اور کامیابی کیلئے اللہ سے دعا کے ذریعے وابستہ ہو جانا توکل ہے۔

پس! اللہ ہی پر توکل کر کے، اُسے اپنا کارساز (وکیل، ذمے دار، پناہ دہندہ) بنا کر، اُسکی پناہ میں آ کر اپنی دنیا وآخرت کو بچا کر قابلِ رشک ہو جائیں۔

(5)۔صحبت و ماحول۔بقائے ایمان کیلئے لازم

وہ چار بنیادی لوازم جنہیں ملحوظ رکھنے سے نفس و شیطان کے طاقتور جادو سے بچنے کی سبیل پیدا ہوتی ہے، وہ:
(۱)۔اخلاص، (۲)۔جدو جہد، کاوش و قربانی، (۳)۔اچھی صحبت اور (۴)۔دعا ہے۔

ان میں سے آج صحبت پر بات کریں گے۔آگ کے قریب جانے سے تپش کا لگنا، ٹھنڈک کے قریب ٹھنڈک کا احساس ہونا.... یقینی ہے۔اسی طرح صحبت انسان پر جادو کی طرح اثر کرتی ہے۔راہِ راست پر قائم رہنا، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک بُری صحبت، بُری سنگت، بُرے ماحول سے سخت اجتناب اور اچھی صحبت/اچھے ماحول کا بھرپور التزام نہ کیا جائے۔جس کی سنگت اچھی نہ ہوئی وہ مارا گیا۔نفس و شیطان اور دنیا کے طاقتور جادو کا لقمہ بن گیا:

☆ سچے لوگوں کی صحبت میں رہنے کا حکم یوں دیا گیا: ترجمہ: ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔“ (توبہ:119)

☆ بروز قیامت انسان بُری سنگت کو اختیار کرنے پر یوں حسرت کرے گا:
ترجمہ: ”ہائے کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔(اس غلط دوستی) نے مجھے پھسلا دیا، جبکہ میرے پاس نصیحت آ گئی تھی...“ (الفرقان:28-29)

☆ نبی کریم ﷺ نے نیک ساتھی کی اور بُرے ساتھی کی سنگت کی تشبیہ: کستوری اٹھانے والے اور آگ کی بھٹی دھونکنے والے سے دی ہے۔کستوری والے کے قریب رہنے سے خوشبو، جبکہ بھٹی والے کی قربت سے بدبو کا آنا اور کپڑوں کا جلنا یقینی ہے۔(بخاری، رقم:5534)

☆ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، چنانچہ تم میں سے ہر ایک یہ دیکھے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی کر رہا ہے۔“ (ابوداؤد، 4833)

یعنی جیسا آدمی ہوگا ویسے ہی اُسکے دوست ہوں گے۔مزید یہ کہ: اگر اچھا آدمی بھی بُرے دوستوں کی سنگت میں رہے گا، تو رفتہ رفتہ وہ بھی بالآخر بُرا ہو ہی جائے گا۔

اچھی صحبت کے ذرائع: (۱)۔اچھے لوگ، (۲)۔اچھی جگہیں (مساجد، قبرستان،، تنہائی کی جگہیں، ہسپتال بطور عبرت ...)، اور (۳)۔اچھی کتابیں (بالخصوص فہمِ قرآن) اور دیگر سچائی کی بنیاد پر لکھی ہوئی اچھی تحاریر، تقاریر.... سے وابستہ رہنا۔

اچھے لوگ: لوگوں کی صحبت کے حوالے سے درج ذیل باتوں کا سختی سے خیال رکھنے کی ضرورت ہے:
(۱)۔مخلص ہوں، (۲)۔فرقہ واریت کی نحوست سے پاک ہوں، (۳)۔اہل توحید ہوں، (۴)۔اہل رسالت ہوں۔یعنی اکابر پرستی کی بجائے رسولوں علیہم السلام کی تعلیمات (قرآن و سنت) پر آمادہ کرنے والے ہوں، (۵)۔اہل آخرت ہوں۔یعنی آخرت کی فکر غالب ہو، (۶)۔صاحب تقویٰ ہوں۔

استقامت کیلئے اللہ کی خاطر ایسے لوگوں سے گاہے بگاہے رابطے میں رہیں۔تاہم اگر دین دار اہل علم لوگوں کے حوالے سے مذکورہ باتوں کو سختی سے ملحوظ نہ رکھا گیا تو مارے گئے، دین بھی گیا اور دنیا بھی۔

(6)۔ایک بندہ مومن کی دو انمول باتیں

حال ہی میں ایک ترقی یافتہ غیر ملکی دورے سے واپسی پر ایک بندہ مومن سے ملاقات ہوئی تو مَیں نے اُس سے کفار کی معاشی ترقی اور پاکستان کی معاشی بدحالی پر افسوس کا اظہار کیا۔اس تناظر میں اس بندہ مومن نے دو بہت عظیم باتیں کیں جو ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہیں،اُس نے کہا:

(۱)۔اصل امیری،اصل غنا دل کا غنا ہے نہ کہ مال وزر،اور اصل دولت ایمان اور عملِ صالح کی دولت ہے نہ کہ بے ایمانی اور بدعملی کی موجودگی میں دنیا کی ریل پیل۔اُس نے مزید کہا: ہم غریب ضرور ہیں،لیکن اللہ نے ہمارے لئے ایمان وتقویٰ،صبر وقناعت اور عاجزی کو پسند فرمایا ہے،جبکہ کفار کیلئے محض دنیا کو۔اسلئے اگر ہمارے پاس یہ عظیم دولت موجود ہے تو پھر ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے۔ہم اس عظیم دولت کی بنا پر قناعت اور اپنے رب پر بھروسہ کی بدولت امن وعافیت کے ساتھ اپنے دن پورے کر سکتے ہیں۔قاری صاحب کی اس بات سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانِ عالیشان یاد آ گیا کہ:

"غنا(امیری) مال واسباب کی کثرت سے نہیں بلکہ اصل غنا دل کی بے نیازی ہے۔"(مسلم:2420)

یعنی اگر دل غنی اور بے نیاز ہے تو انسان توکل اور قناعت کی بدولت غربت میں بھی تونگر وخوشحال ہے اور اگر دل حرص وطمع کا اسیر ہے تو ڈھیروں دولت کے باوجود بھی انسان محتاج وپریشان ہے۔

(۲)۔دوسری بات: مَیں نے جب انہیں یہ کہا کہ آپ خوش قسمت ہیں جو مسجد کے معاملات کا خیال رکھتے ہیں۔اِس پر اُس بندہ مومن نے یہ کہا کہ: دنیا ایک گزرگاہ ہے۔یہاں ہر ایک نے اپنے اپنے حصے کا کام کر کے آگے مٹی میں چلتے جانا ہے اور پیچھے سے نئی کھیپ نے آتے جانا ہے۔آج ہم اللہ کے کام میں استعمال ہو رہے ہیں،جبکہ ہمارے جانے کے بعد آگے نئے لوگ آ جائیں گے اس نظام کو چلانے کیلئے،پھر انکے بعد اگلی کھیپ آ جائے گی.....اور اصل خوش نصیبی تو یہ ہے کہ اللہ کسی سے اپنا کام لے لے۔ورنہ یہاں رہنا تو کسی نے ہے نہیں۔ہر ایک نے اپنا معین وقت گزار کر چلتے جانا ہے۔اور زندگی کا وقت اتنی جلدی ختم ہو جانا ہے کہ بوقت موت پیچھے گزری ہوئی ساری زندگی ایک لمحہ ہی محسوس ہوتی ہے۔!

قاری صاحب کی یہ سادہ سی لیکن بہت قیمتی باتیں میرے دل میں نقش ہو گئیں۔یہ ایسی عظیم باتیں ہیں کہ اگر انہیں پلے باندھ لیا جائے تو یکسر زندگی کا رُخ ہی تبدیل ہو جائے۔!

نوٹ: اسلام میں خوشحالی کی ممانعت نہیں،لیکن قناعت اور حلال ذرائع تک محدود رہنے کا تقاضا ہے۔ ہماری بدحالی کی اصل وجوہات: بددیانتی،دھوکہ دہی اور کام چوری ... ہے جن سے نجات کی ضرورت ہے۔تاہم غربت کے باوجود بھی اگر تقویٰ ہے تو سب کچھ ہے۔

(7)۔ بڑے زخموں کا حقیقی مرہم (Great Trajadies)

آج (۱۴ رمضان المبارک: ۲۰۲۵ء) کو ہماری دینی دعوت کے انتہائی اہم ساتھی (جناب شفیق صاحبؒ) اچانک حادثاتی طور پر وفات پا گئے۔ دنیا کے نقصان پر تو مجھے کبھی اتنی پریشانی نہیں ہوئی تھی، لیکن یہ ساتھی ہمارے لئے ایمان و عمل کا بہت بڑا محرک تھے اور اِن کے ساتھ بہت سے دینی کام وابستہ تھے۔ یوں دینی نقصان کی وجہ سے اِن کا اچانک چلے جانا برداشت نہیں ہو پا رہا۔ میں نے بہت سوچا کہ اس صدمے پر آخر کیسے قابو پایا جائے؟ تو اس کا جو سراغ مجھے ملا وہ سب کیلئے پیشِ خدمت ہے تا کہ ہم سب کے لئے اس قسم کے شدید صدمات: قریبی عزیز کی موت، بڑے بڑے نقصانات، خواہشات کے ٹوٹنے .... وغیرہ پر مرہم کا باعث بن سکے۔

شدید زخموں کا اصل مرہم: جو چیز مرہم کا باعث بنی وہ نبی کریم ﷺ کی رحلت مبارک کے واقعے کی یاددہانی اور اُس سے سبق حاصل کرنا ہے۔ صحابہؓ کو مخلوق میں سے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی اور محبوب نہ تھا۔ آپ ﷺ انہیں جان سے بھی زیادہ عزیز تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی وفات مبارک جیسے عظیم صدمے نے صحابہؓ کے ہوش وحواس اڑا دیئے۔ صحابہؓ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ حضرت عمرؓ سمیت سب کی حالت غیر تھی۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور کوئی کسی کی بات سننے کو تیار نہ تھا..... چنانچہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی کہ کسی طرح سنبھل نہیں پا رہے، تو انہوں نے لوگوں سے درج ذیل الفاظ میں خطاب کیا، فرمایا:

”تم میں سے جو کوئی بھی (حضرت) محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ آپ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔ اور تم میں سے جو کوئی بھی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔“ (بخاری: 4454)

پھر آپؓ نے درج ذیل آیت تلاوت کی:

ترجمہ: ”اور نہیں ہیں محمد (ﷺ) مگر ایک رسول، بے شک گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی بہت سے رسول۔ تو پھر کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل (شہید) کر دیئے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ تو جو پھرے گا اُلٹے پاؤں تو ہرگز نہیں نقصان پہنچائے گا وہ اللہ کو ذرا بھی اور اللہ اپنے شکرگزار بندوں کو لازمی جزا دے گا۔“ (آل عمران: 144)

یوں صحابہؓ سنبھل گئے، جب انہوں نے یہ آیت سنی تو انہیں محسوس ہوا کہ جیسے یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہو۔

پس! موت، شدید بیماریاں، نقصانات اور خواہشات کے ٹوٹنے سمیت ہر قسم کے بھنور سے نکلنے کا صرف یہی اصل حل ہے کہ تمام اسباب اور سہارے پیدا کرنے والے حقیقی کارساز کے ساتھ چمٹ جائیں، اس کے دامنِ کرم میں پناہ لے لیں، ہر حال میں اُسی کی طرف دیکھیں۔ اُس سے شرک سے پاک خالص توحید پر مبنی تزکیہ و تقویٰ سے مزین مضبوط تعلق بنالیں ورنہ بچنے کی کوئی سبیل نہیں۔

اللہ ہمیں اپنا حقیقی تعلق نصیب فرمائے، شفیق صاحب مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، انکے اہل خانہ کو صبرِ جمیل اور انکی کارسازی فرمائے اور ہمیں شفیق صاحبؒ جیسا نعم البدل عطا فرما کر اس کمی کو پورا فرمائے۔ (آمین)

(8)۔تقویٰ کے مقابلے میں خوشحالی کا دھوکہ

مطلقاً نفی نہیں: دنیا کی خوشحالی یعنی: مال واسباب کی فراوانی اور دنیاوی مقام ومرتبہ ..... کی اسلام میں مطلقاً نفی نہیں۔لیکن چونکہ یہ چیزیں انسان کو بہت مرغوب ہیں جن کے ذریعے شیطان انسان کو قابو کرتا ہے۔حرص وہوس اور عیش وعشرت کے نشے میں مبتلا کر کے حلال حرام کی تمیز ختم کروا کر، سارا وقت اسی کی دوڑ میں صرف کروا کر.... دینی تقاضوں سے غافل رکھتا ہے،اسلئے عمومی لحاظ سے قرآن حکیم میں انہیں فتنہ قرار دیا گیا ہے۔

دنیا کا پہیہ: دنیا کا پہیہ چلانے کیلئے اللہ نے انہیں اسباب کو بنیادی ذریعہ بنایا ہے۔دنیا میں جینے بلکہ انفاق فی سبیل اللہ کیلئے بھی مال واسباب کی ضرورت ہے۔یہ چیزیں بھی اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں بشرطیکہ غفلت، حرص وہوس سے بچا جائے اور حلال حرام کی تمیز رکھی جائے۔مزید یہ کہ: جب دنیا میں محنت کا مقصد محض ''ذاتیات'' کی بجائے ''خدمتِ خلق'' ہو جائے تو وہ کام ویسے ہی عبادت بن جاتا ہے۔

اصل سعادت : اصل سعادت ''اخلاق وایمان اور تقویٰ'' ہے ،خواہ انسان خوشحال ہو یا تنگدست۔ ''متقین'' ہی اصل خوش نصیب لوگ ہیں خواہ وہ دنیا میں سہولت میں ہوں یا تنگدستی میں۔لیکن انسان عموماً دھوکہ کھا جاتا ہے۔جو دنیا میں خوشحال ہیں اُنہیں اللہ کا مقرب اور جو مال واسباب یا صحت وتندرستی میں مشکلات کا شکار ہیں ،انہیں راندہ درگاہ سمجھا جاتا ہے ،خواہ وہ کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں۔حقیقت سے آگاہی کیلئے چند دلائل ملاحظہ کریں:

☆ ترجمہ: ''اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں جو تمہیں ہمارے قریب کرتی ہوں کسی بھی درجہ میں، ہاں مگر جو شخص ایمان لائے اور کرے صالح اعمال، سو یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہے دوگنی جزا انکے اعمال کی بدولت، اور یہی لوگ جنت کے بالاخانوں میں رہیں گے امن سے۔'' (سبا:37)

☆ ترجمہ: ''اور جب پڑھی جاتیں ہیں اُن پر روشن آیات تو کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں، ہم دونوں فریقین میں سے مکان کس کے اچھے اور مجلسیں کس کی بہتر ہیں؟'' (مریم: 73)

ان دونوں آیات میں مذکورہ عنوان کے حوالے سے ساری حقیقت ہر پہلو سے کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔

مزید یہ کہ ثابت قدم رہنے والے صاحب تقویٰ فقرا کا اللہ کے ہاں بہت بڑا مقام ہے۔چنانچہ اصحاب صفہ جو انتہائی نادار تھے، انکی دلجوئی کیلئے نبی رحمت ﷺ کو اللہ نے ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا:

ترجمہ: ''(اے نبی) روکے رکھا اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ، جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام، وہ اسکی رضا کے طالب ہیں۔'' (الکہف:28)

تقویٰ کی موجودگی میں جسمانی خوشحالی بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے، لیکن تقویٰ کے بغیر یہ بھی نری آزمائش ہی ہے۔مزید یہ کہ تقویٰ کے ساتھ تکلیف بھی باعث رحمت ہے۔پوچھا گیا: کون سے لوگ سخت تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں؟

''فرمایا: انبیاء، پھر درجہ بدرجہ آدمی اپنے دین کے مطابق آزمائش میں ڈالا جاتا ہے.... (ترمذی:2398)

پس! یہ بات واضح ہو گئی کہ خوشحالی ہو یا تنگدستی اصل خیر ہر حالت میں ''تقویٰ'' پر کار بند رہنا ہی ہے۔

(9)۔ قانونِ ابتلا: ایمان کو ڈولنے سے بچائیں

جیسے ہی انسان مصیبت سے دوچار ہوتا ہے، دوسرے لوگ تو انسان کو بُرا: یعنی مبتلائے عذاب اور مردود خیال کرتے ہی کرتے ہیں، لیکن انسان خود بھی ڈول جاتا ہے، جس کی نشاندہی یوں کی گئی:

ترجمہ: ''اور (وہ ابتلا کی شدید کیفیت میں) اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے'' (احزاب:10)

ان شدید حالات میں حقیقت سے نافہمی کی بنا پر کمزور ایمان والے تو الا ماشاءاللہ ایمان کے راستے کو ہی خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ لہٰذا ایمان کی بقا کیلئے حقیقت سے آگاہی بہت ضروری ہے۔

نوٹ: اللہ سے مشکل نہیں مانگنی بلکہ اپنی بساط کے تحت مصائب سے بچنے کی ہر ممکن کاوش ودعا ہی کرنی ہے۔

حقیقت؟ یہ قانونِ ابتلا ہے جس میں مصائب: (۱)۔ ایک تو کھوٹے کھرے کی چھان پھٹک کیلئے، جس کی سب سے بڑی شکل جہاد کا تقاضا اور اِس سے نیچے جانی اور مالی مشکلات ہیں (البقرہ:155)۔ (۲)۔ اہلِ خیر کی سابقہ کوتاہیوں کو دھونے اور مزید رغبت وقرب اور بڑی خیر کیلئے گاہے بگاہے مصائب سے دوچار کیا جاتا ہے، اور (۳)۔ ظالموں کو عموماً ڈھیل دی جاتی ہے پھر موقع دیئے بغیر ایک ہی دفعہ انکی مہلت ختم کر دی جاتی ہے۔

اہلِ ایمان سے کس قدر سخت امتحان لیا گیا، چند حقائق ملاحظہ کر کے ایمان کو ڈولنے سے بچائیں:

☆ ترجمہ: ''پھر کیا سمجھ رکھا ہے تم نے (اے امتِ مسلمہ) کہ (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تم پر نہیں آئے وہ حالات جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ پہنچی انہیں تنگدستی اور مصائب وآلام اور جھنجھوڑ دیے گئے وہ (اس قدر) یہاں تک کہ پکار اٹھا وقت کا رسول اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (تب آیا جواب) سن لو اللہ کی مدد قریب ہے۔'' (البقرہ:214)

☆ صحابہؓ نے جب اُن پر ہونے والے کفارِ مکہ کے ظلم وستم کی شکایت تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''یہ ظلم وتشدد تو اہلِ ایمان کی تاریخ کا حصہ ہے۔ تم سے پہلے مومنوں کا یہ حال کیا گیا کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں انہیں کھڑا کر دیا گیا اور پھر ان کے سروں پر آرا چلا دیا گیا، جس سے ان کے جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ اسی طرح لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت پر ہڈیوں تک پھیریں گئیں، لیکن یہ ایذائیں انہیں دین حق سے پھیرنے میں کامیاب نہ ہوئیں'' (بخاری:6943)

☆ طاعون جیسی شدید تکلیف سے گزار کر اہلِ ایمان کو شہید کے مثل اجر سے نوازا گیا۔ (بخاری:5734)

صحابہ کرامؓ میں بھی: سیدنا بلال ومقداد، سیدنا صہیب، سیدنا عمار انکی والدہ اور انکے والد حضرت یاسر ...... رضی اللہ عنہم پر بھی شدید ظلم ڈھائے گئے، لیکن وہ ثابت قدم رہے۔

مصائب سے تو سب سے مقربین یعنی انبیاءؑ کو بھی گزارا گیا اور حضرت ایوبؑ کو انسانیت کیلئے نمونہ بنایا گیا:

''آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سے لوگ سخت تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں؟ فرمایا: انبیاء، پھر درجہ بدرجہ آدمی اپنے دین کے مطابق آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ اگر دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہے تو پھر آزمائش بھی سخت ہے..... آزمائش بندے کا ساتھ نہیں چھوڑتی حتیٰ کہ بندہ زمین پر چلتا ہے کہ (مصائب پر صبر کی بدولت) اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔'' (ترمذی:2398)

صبر کیسے آئے؟ تعلق باللہ، دنیا کا عارضی پن، مصائب پر عظیم اجر اور تقویٰ پر.. ابدی فلاح.. صبر کا ذریعہ ہے۔

(10)۔قانونِ طمانیت ورحمت

دنیا کی اس زندگی کا سب سے خوبصورت پہلو اللہ کا ''قانونِ طمانیت ورحمت'' ہے۔خالق اپنے بندوں کی آزمائش تو ضرور کرتا ہے لیکن انہیں بے آسرا نہیں چھوڑتا بلکہ ساتھ ساتھ انکی دستگیری بھی فرماتا ہے جو اسکے قانونِ طمانیت ورحمت کے تحت ہے، جس کے اہم حقائق کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

(۱)۔اللہ کا ساتھ: سب سے عظیم سعادت یہ کہ اہلِ تقویٰ کو اللہ کا ساتھ نصیب ہوجاتا ہے اور اللہ اُن سے محبت کرتا ہے (سبحان اللہ)، پروردگار نے یہ عظیم خوشخبری یوں دی:

ترجمہ: ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور خوب جان لو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ:194)

(۲)۔ذہنی کرب سے نجات: پروردگار مصائب وآلام سے بچاتا بھی ہے لیکن آبھی جائیں تو مایوسی اور ذہنی کرب کی بجائے ہمت وحوصلہ عطا فرماتا ہے جو کہ بہت بڑی نعمت ہے۔اِسکے برعکس اللہ سے دور لوگ مصائب کے جھٹکے براداشت نہیں کرپاتے اور مصائب اُن کی کمر توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

(۳)۔پاکیزہ زندگی: سچے اہلِ ایمان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ ایمان کا نور داخل کرتا ہے جو صالحات پر رغبت جبکہ معاصی پر نفرت پیدا کرتا ہے۔مزید یہ کہ دولت کی کمی کے باوجود بھی اعلیٰ ظرفی، قلب کی تونگری ،خوداری اور غنا کی دولت نصیب ہوتی ہے۔(الحجرات:7-8،النحل:97)

(۴)۔توکل وتفویض: اللہ پر بھروسہ اور تفویض (معاملات اللہ کی سپرد کرنے) کی عظیم سعادت نصیب ہوگی، جو صبر وقناعت ،سکون واطمینان کا باعث بنے گی۔

(۵)۔لغویات سے اعراض: بے جا دنیاوی مشاغل کی طرف رغبت کرنا بہت مشکل ہوجائے گا۔اسکے برعکس تنہائی اور یادِ الٰہی کی طرف کشش پیدا ہوجائے گی۔(المومنون:3)

(۶)۔رقتِ قلبی: زنگ اترنے سے کساوتِ قلبی سے نجات مل جائے گی۔دل کی نرمی یعنی رقتِ قلبی اور خشیت ومحبت نصیب ہوگی، دیکھئے:(سورہ مریم:58)

(۷)۔ایمان کی حلاوت اور معجزانہ تائید ونصرت: مشکل حالات میں ایمان پر قائم رہنے والوں، ایمان پر ڈٹ جانے والوں پر اللہ کی خاص رحمت اور ملائکہ کے ذریعے گاہے بگاہے ایسی عظیم روحانی تسکین نصیب ہونا شروع ہوجائے گی جو الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی، دیکھئے:

(سورہ حم السجدہ:41:30-32)

(۸)۔دنیا کا فائدہ: جہاں تک دنیوی بھلائیوں کا تعلق ہے، تو اللہ اپنے خاص بندوں کو عموماً اپنی مشیت کے تحت (جب تک چاہے یعنی بہتر سمجھے) دنیوی مصائب سے بچا کر زندگی کو آسان بھی کرتا ہے دیکھئے: (الطلاق:2-4)۔تاہم مصائب ہوں بھی تو ذہنی کرب سے نجات رہتی ہے۔

(۹)۔اخروی نجات: اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ابدی لافانی زندگی کی عظیم فلاح نصیب ہوجاتی ہے۔

سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے؟ اسے پانے کیلئے: اخلاص، پختہ فیصلہ، فہم قرآن سے وابستگی، جدوجہد، قربانی اور اچھی صحبت ناگزیر ہے۔تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحاریر: (مجموعہ تحاریر، باب:۱۵، اور تلاش رب)

(11)۔انسان کی بے بسی!

کوتاہ نظری کی وجہ سے انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُسکا وجود اور کائنات کے دیگر نظام خود بخود (Automatically) چل رہے ہیں، جوکہ ناشکری اور کفرانِ نعمت کی بڑی وجہ بھی ہے۔اس ضمن میں چند ضروی حقائق جان کر خالق پر پختہ ایمان اور اسکی شکر گزاری پر آجائیں:

(ا)۔دماغ جو کہ جسم کے تمام افعال: نظام انہضام، گردے، جگر، پاخانہ، پیشاب، سماعت و بصارت، خون کی گردش .. کو اگر کنٹرول نہ کرے تو زندگی اجیرن بن جائے۔پیشاب پاخانہ کا کنٹرول نہ ہونا ہی انسان کو لاچار کر کے رکھ دے۔دماغ ایک سیکنڈ کیلئے بیلنس ہی نہ کرے تو انسان دھڑام سے زمین پر گر جائے۔

(۲)۔پانی کا گھونٹ یا کھانے کا لقمہ جس نے موت کے منہ یعنی سانس کی نالی کے اوپر سے گزر کر خوراک کی نالی تک پہنچنا ہے۔سانس کی نالی پر موجود ڈھکن (اپی گلاٹس) اگر پوری طرح بند نہ ہو تو پانی اور خوراک سانس کی نالی میں گر کر پھیپھڑوں کو ختم کر کے قصہ تمام کر دے۔پھر بند ہونے کے بعد یہ ڈھکن دوبارہ نہ کُھلے تو سانس بند ہو جائے۔اِس ڈھکن کو کون کھولتا اور بند کرتا ہے؟

(۳)۔ہارٹ اٹیک میں تو پھر بھی کچھ مہلت مل جاتی ہے لیکن "Cardiac Arrest" جس میں بغیر بتلائے دل اچانک بند ہو کر بغیر موقع دیئے کسی لمحے بھی موت کی نیند سلا سکتا ہے۔خالق نے دل اگر پسلیوں کے مضبوط حصار کے نیچے نہ رکھا ہوتا تو ہم زندگی کیسے بچا پاتے؟

(۴)۔آنکھوں کی حفاظت کیلئے اللہ اگر پتلیوں کی شکل میں کور نہ بناتا، آنکھوں کو گہرائی کے گڑھوں میں فٹ نہ کرتا تو بہت جلد انسان آنکھوں سے محروم ہو جاتا۔تر رکھنے (Lubrication) کیلئے اگر پانی آنکھوں کو لچکدار نہ رکھتا تو آنکھیں کیسے کھل پاتیں؟اور یہ پانی اگر ضرورت سے زیادہ مقدار میں خارج ہوتا تو انسان ہر وقت اسے ہی پونچھتا ہی رہتا۔

(۵)۔بارش نہ ہونے کو تو ہم روتے ہیں، لیکن دیگر اَن گنت نعمتیں: کام کیلئے دن کا نکل آنا، آرام کیلئے رات مل جانا، زمین کا اناج اُگا دینا، زمین سے پانی اور ان گنت ذخائر ہمیں نظر نہیں آتے۔زمین کی کشش ثقل ہی ختم ہو جائے تو ہم یوں فضاء میں گم ہو جائیں کہ ہمارا نشان بھی نہ ملے۔

مزید یہ کہ: گردے اگر خون کی مکمل صفائی نہ کریں تو ڈیالسز انسان کو ذلیل کر کے رکھ دے، پھیپھڑے ہوا سے آکسیجن الگ کر کے جسم کو نہ پہنچائیں تو ہماری چیخیں نکل جائیں۔جسم پر حملہ آور لاتعداد جراثیموں کو ہماری جلد اور مدافعاتی نظام نہ روکے تو انسان چل بسے۔بولنے یا کھانا کھانے کے دوران حرکت کرتی ہوئی زبان کو اللہ اگر تیز دانتوں سے نہ بچائے تو دانتوں کے نیچے آکر کٹ جائے۔منہ میں ذائقے کے خلیے اگر ذائقہ نہ نکالیں تو کھانے سے عاجز آجائیں۔جسم میں موجود کیمیائی عناصر کی مقدار ضرورت سے کم یا زیادہ ہو جائے تو کئی تکالیف شروع ہو جائیں۔کٹ لگنے پر اللہ اگر خون کو روکنے والا سسٹم نہ رکھتا تو ہم چل بستے، دو دن نیند ہی نہ آئے تو انسان پاگل ہو جائے.... کیا یہ یقینی حقائق نہیں؟ تو پھر انسان کس چیز پر تکبر کرتا اور اپنے خالق کو بھول جاتا ہے۔پروردگار نے فرمایا:

ترجمہ: "اے انسان! آخر کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم سے بہکا دیا ہے۔وہی تو ہے جس نے تجھے پیدا کیا، پھر سنوارا، پھر درست اور برابر کیا۔پھر جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔" (الانفطار)

(12)۔پلکوں کا جھپکنا(Eye blink)

انسان اللہ کی اَن گنت نعمتوں اور احسانات میں ڈوبا ہوا ہے۔اِن نعمتوں کے احساس اور شکر گزاری کیلئے یہ ضروری کہ ہم آٹو موڈ سے باہر نکل کر اللہ کے احسانات پر نظر رکھ کر شب و روز گزاریں۔ہر دن کسی نہ کسی چیز پر دیہان دیں کہ میں کس طرح خالق کی عنائتوں کا محتاج ہوں۔اِسی ضمن میں آج ہم آنکھوں کے متعلق بے شمار عوامل میں سے صرف ایک نکتہ کو واضح کریں گے۔جو انشاء اللہ اپنے خالق کی شکر گزاری کا باعث بن جائے گا۔آنکھوں سے مستفید ہونے کیلئے آپ ہر منٹ میں تقریبا (۱۷) دفعہ پلکیں جھپکتے ہیں۔ہر گھنٹہ میں تقریبا (۱۰۰۰) دفعہ اور ایک دن میں قریبا (۱۷۰۰۰) دفعہ۔جسکا مقصد: (۱)۔آنکھوں میں آنے والے فالتو مادوں ڈسٹ، گرد وغبار وغیرہ کی صفائی کیلئے ایک لبریکنت ایک جگہ(Eye balls) سے نکلتا ہے اور پلکوں کو بلنک کرنے سے یہ پوری آنکھ میں پھیل کر آنکھوں کی صفائی کا ذریعہ بنتا ہے۔(۲)۔تیز روشنی سے پردہ بصارت کو بچانے کیلئے پلکیں خود بخود بند ہوجاتی ہیں،(۳)۔باہر سے آنے والی مضر اشیاء پتھر کنکر وغیرہ سے حفاظت کیلئے۔گویا پلکوں کا جھپکنا ہی آنکھوں کی زندگی ہے۔

اس کام کیلئے: پروردگار نے: خاص قسم کے پتلیوں کے مسلز ڈیزائن کئے ہیں جو لچکدار ہیں۔کُھلتے ہیں تو پھر فورا بند بھی ہوجاتے ہیں،مزید یہ کہ پتلیوں کی حرکت کیلئے خاص قسم کا لبریکنٹ جس میں آئل،نمی اور میوکس ہے اُسکے اخراج کا پورا نظام بنایا گیا ہے۔اگر یہ لبریکنٹ: (۱)۔مناسب مقدار سے کم خارج ہو یا نہ نکلے تو پلکیں رگڑ کھانا شروع کردیں بلکہ، آنکھ کے ساتھ چپڑ جائیں۔انسان موت مانگنا شروع ہوجائے۔پھر ہر دس بیس منٹ کے بعد باہر سے لبریکنٹ (Eye Tears) ڈالنے پڑھیں۔اللہ سب کو بچائے بعض لوگ اِس بیماری کا بھی شکار ہیں۔(۲)۔اگر یہ لبریکنٹ مطلوبہ مقدار سے زیادہ خارج ہونا شروع ہوجائے تو یہ آنکھوں سے باہر بہتا رہے۔اِسے بار بار پونچھنا پڑے۔اِس صورت میں کچھ ہی عرصہ میں یہ نعمت ختم ہوکر آنکھوں کو خشک کرنے کا موجب بن جائے۔اِسی تناظر میں ذرا منہ میں موجود لعاب کے بارے میں بھی سوچ لیں کہ وہ بھی اگر کم ہوجائے یا ختم ہوجائے تو گلے کے اکڑنے سے موت واقع ہوجائے۔(۳)۔خالق نے پتلیوں کا نہایت سپیشل ڈیزائن کیا ہے جس میں وہ خود بخود کھلتی ہیں پھر فورا خود ہی بند بھی ہوجاتی ہیں۔اگر اِسکے مسلز کام نہ کریں جیسے بعض لوگوں کو مسئلہ بن جاتا ہے تو اِس صورتِ حال میں یہ کھلنے کے بعد بند نہیں ہو پائیں گی اور بند ہونے کے بعد کھل نہ سکیں گی۔اب آپ کیا کریں گے؟ ہاتھ سے کھولیں گے اور ہاتھ سے ہی بند کریں گے!(۴)۔ان پلکوں کا کھلنا اور بند ہونا آٹو میٹک نظام کے تحت دماغ سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔یہ کام اگر آپ کو خود کرنا پڑ جائے تو پھر بس یہی ایک کام ہوگا، ہر وقت اِسی کی فکر لاحق ہوگی اور کچھ نہ کرسکیں گے! اگر یہ پتیلاں خود بخود کھل رہی ہیں اور خود بخود بند ہو رہی ہیں۔آپکو باہر سے لبریکنٹ نہیں ڈالنا پڑ رہا تو پھر اللہ کے حضور جھک جائیں۔اُسکے شکر گزار بن جائیں۔یہ تو صرف ایک عضو کی ہلکی سی جھلک ہے،ہم تو خالق کی عنائتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں:

﴿وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾ (نحل: آیت:18)

''اور اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ کی نعمتوں کو تو شمار نہیں کرسکتے یقیناً اللہ بہت بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

لمحہ فکریہ! آیئے، فیصلہ کیجئے کہ اِن آنکھوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہم اِنکا غلط استعمال نہیں کریں گے۔اس نعمت کو ضائع نہیں کریں گے، بلکہ اِنہیں بڑے مقصد کے تحت استعمال کریں گے۔اللہ ہمیں اپنا شکر گزار بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(13)۔مصائب وآلام سے نمٹنا (زخموں کا حقیقی مرہم)

اسباب کی اس زندگی کا تلخ پہلو مصائب وآلام ہیں۔جو بیماری، حادثات، اموات، وسائل میں کمی، شدید موسمی اثرات، انسانوں سے ملنے والی اذیتیں، خواہشات کا پورا نہ ہونا.... کی شکل میں نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ان سے کیسے نمٹا جائے؟ اسکے دو ذرائع ہیں، (۱) عمومی اور (۲) خصوصی یعنی حقیقی۔

(1)۔بچاؤ کا عمومی حل: خالق نے دنیا کو اسباب یعنی قوانینِ طبیعہ کے تابع کیا ہے اور انسان کو عقل وشعور سے نوازا ہے، تاکہ فائدے ونقصان کی پہچان کر سکے۔لہٰذا پہلا حل اسباب کو ملحوظ رکھنا ہے، یعنی: (۱)۔ ذریعہ معاش، مستقبل کیلئے کاوش: اعلیٰ تعلیم، قابلیت، ہنر، کاروبار...، (۲)۔حفاظتی اقدامات (Safety Measures) کا بھرپور خیال رکھنا اور (۳)۔لائف سٹائل، ورزش اور متوازن غذا اور دوا خیال رکھنا۔ اسباب کے تحت اس کاوش سے کافی حد تک بچاؤ تو ہو ہی جائے گا، لیکن مصائب سے مکمل نجات ممکن نہیں۔ کیونکہ بالائے اسباب (Unforeseen) بیماری، حادثات اور اموات... بہت سے عوامل کسی وقت بھی دستک دے سکتے ہیں، جسکا حقیقی حل ''بالائے اسباب'' ہے۔

(2)۔بچاؤ کا حقیقی حل: دُکھوں کا یہی اصل مداوا ہے، جسکے درج ذیل چار اہم نکات ہیں:

(۱)۔خالق سے تعلق: اللہ سے حقیقی تعلق قائم کرنا۔جس میں اللہ کی صفتِ ''الٰہ'' اور ''کارساز (وکیل)'' کو کما حقہ سمجھنا اور اِسے من وعن تسلیم کر لینا ہے۔یہی صفات انسان کو ''توکل وتفویض'' کی عظیم دولت سے بہرہ مند کر کے زخموں کا حقیقی مرہم بن جاتی ہیں۔

(۲)۔دنیا کی حقیقت کو جاننا: یعنی دنیا کی یہ زندگی صرف متاع (چند روزہ عارضی ایام) ہے، بلکہ متاعِ غرور ہے، انتہائی قلیل عارضی قیام گاہ بلکہ گزرگاہ ہے، دارالامتحان، دارالآزمائش ہے۔یہاں کی تکلیف بھی عارضی ہے ابدی نہیں اور یہاں کی خوشیاں بھی دائمی نہیں۔ہر چیز چند دنوں کیلئے ہے۔اس تصور کے پختہ ہوتے ہی، من میں بیٹھتے ہی: مصائب پر صبر اور نعمتوں پر اتراؤ، تفاخر اور عیش وعشرت سے نجات مل جاتی ہے۔

(۳)۔تقویٰ اور ایک دن پر زندگی: اللہ کی نافرمانی سے مکمل اجتناب تقویٰ ہے۔آج کی سب ذمہ داریوں کو احسن طریق (ترجیح، شوق وجذبے اور خشوع وخضوع) کے ساتھ نبھانا اور آج کی کسی ذمہ داری کو اگلے دن پر نہ ڈالنا۔اِسکے علاوہ زندگی کا کوئی اور حل نہیں۔جو ایک دن پر نہ آسکا وہ غفلت کی تاریک دلدل میں ڈوب گیا۔مزید یہ کہ صدقہ کرنا، مخلوق کیلئے نافع بننا۔

(۴)۔دعا کا دامن: بچاؤ کیلئے خالق سے بھرپور دعا کرتے رہنا۔

جو کوئی بھی ان چار حقائق کو نہ سمجھ سکا، انہیں نہ پا سکا وہ مارا گیا ہلاک ہو گیا۔کیونکہ دنیا تو چلیں اوکھی سوکھی گزر ہی جانی ہے، لیکن مرنے کے بعد ابدی لافانی زندگی کیسے گزرے گی؟

(14)۔انزائٹی (Anxiety) کا یقینی حل

فی زمانہ مادہ پرستی کی دوڑ میں انزائٹی (Anxiety/Depression) نے اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔اس حالت میں انسان کا دماغ نارمل کام نہیں کرتا اور انسان کے کنٹرول میں نہیں رہتا۔شدید پریشانی، بے چینی، دل کی دھڑکن کا تیز ہونا، سانس پھولنا....اسکی عمومی علامات ہیں۔

وجوہات؟ اسکی وجہ زندگی کی محرومیاں (Trajedies): شدید بیماری، حادثات، اموات، خواہشات پوری نہ ہونا وغیرہ ہے۔ان حالات میں دماغ میں موجود ہارمون (Cortisol) وغیرہ کا لیول بڑھ جاتا ہے جو انسان کو لاچار کر کے رکھ دیتا ہے۔اس لیول کا (طبی طور پر یا ایمانی قوت سے) اپنی سطح پر رہنا مسئلے کا حل ہے۔

علاج (Solution)؟

(1)۔طبی (Medical) علاج: (۱)۔باقاعدگی سے واک اور ورزش کرنا ، (۲)۔لمبے سانس لینا، (۳)۔دوست احباب، رشتے داروں سے میل ملاپ اور تنہائی سے گریز کرنا ، (۴)۔کام میں مشغول رہنا، (۵)۔اچھی غذا اور اچھی نیند لینا، (۶)۔پھر بھی کنٹرول نہ ہو تو ماہرِ نفسیات سے مشورہ اور دوائی لینا۔

(2)۔اسباب سے بالا حقیقی علاج: کسی حد تک طبی علاج بھی کام کرے گا ،لیکن دوائیوں کے مضر اثرات جیسے: سوئے رہنا، ذہن کا سست ہو جانا سمیت دیگر اثرات۔مزید یہ کہ محرومیاں تو جان نہیں چھوڑتیں۔تو مسئلے کا اصل حل تو اسباب سے بالا حقیقی علاج ہی ہے، جسکے اہم نکات یہ ہیں:

☆ اچھا لائف سٹائل، متوازن غذا اور واک ورزش تو جاری رکھنی ہے، مزید یہ کہ:

(۱)۔خالق سے مضبوط تعلق: خالق سے تعلق کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔اپنے پروردگار کے ساتھ شرک سے پاک، توحید پر مبنی مضبوط تعلق انسان کو "توکل و تفویض" کی عظیم دولت سے بہرہ مند کر کے زخموں کا حقیقی مرہم بن کر جسم کے تمام لیولز اور افعال کو کنٹرول کرنے کا اصل ذریعہ ہے۔

(۲)۔تقویٰ، ایک دن پر زندگی: اللہ کی نافرمانی سے مکمل اجتناب تقویٰ ہے۔اہلِ تقویٰ کی مدد، انکا ساتھ دینے، ہر بھنور سے نکالنے کا خالق نے وعدہ کیا ہے۔لہٰذا طولِ امل سے بچنا، آج ہی سابقہ کوتاہیوں سے تائب ہو کر ہر دن کی فکر و قدر کرنا، مستقبل کے دھوکے سے بچ کر موت اور اخروی محاسبے کے خوف سے نجات پا جانا ہی اصل حل ہے۔

(۳)۔استغفار اور انسانی ہمدردی: خلوص نیت سے بھرپور استغفار کرنا، صدقہ کرنا اور مخلوق کیلئے نافع بننا۔

(۴)۔دنیا کی حقیقت کو جاننا: دنیا کے متاع (یعنی چند روزہ عارضی ایام) ہونے کا تصور پختہ کرنا کہ یہاں کی تکالیف بھی عارضی ہیں اور خوشیاں بھی دائمی نہیں۔ہر کیفیت چند دنوں کیلئے ہے۔یہ یقین ہی محرومیوں پر صبر، نعمتوں پر تفاخر اور ہیجانِ نفس پر قابو کا اصل ذریعہ ہے۔

(۵)۔اچھی صحبت کا التزام: اچھی صحبت (اچھے لوگ، اچھی جگہیں، اچھی کتابیں بالخصوص قرآن فہمی) سے وابستہ رہنا ناگزیر ہے۔تنہائی میں بیٹھ کر قرآن پر غور و فکر ہر قسم کی مشکل اور انزائٹی سے نجات کا انتہائی طاقتور ذریعہ ہے۔

(۶)۔دعا: بچاؤ کیلئے خالق سے بھرپور دعا کرتے رہنا۔

یہ چھ نکات نہ صرف دنیا بلکہ اخروی ابدی لافانی زندگی کی فلاح کے لئے بھی یقینی ضامن ہیں۔

(15)۔مصائب اور تقدیر (بڑی غلط فہمی کا ازالہ)

مصیبت سے بچاؤ کیلئے اپنی کاوش کئے بغیر عموماً مصائب کو تقدیر سے جوڑ دیا جاتا ہے جو کہ بھیانک نتائج کا موجب ہے۔اس ضمن میں انتہائی اہم معلومات سے آگاہ ہو زندگی بچالیں:

یہ زندگی خالق نے اسباب (قوانینِ طبیعہ) کے تحت ڈیزائن کی ہے: آگ کو جلانے کا حکم، برف کو ٹھنڈا کرنے، پانی کو پیاس بجھانے.... کا سبب بنایا ہے۔اسی طرح تمام اشیاء کو ضرورت کے تحت خواص دیئے گئے ہیں جو جاری وساری ہیں، الا کہ خالق تبدیلی کیلئے الگ سے نیا حکم جاری نہ فرمادے جو کہ عمومی قاعدہ نہیں ۔ بلکہ انتہائی ناگزیر حالات میں اللہ اپنی مشیت کے تحت جاری قانون کو تبدیل کرتا ہے۔

آنکھیں کھول کر زندگی بسر کی جائے: معاملہ دین کا ہو یا دنیا کا بغیر دیکھے، سمجھے اندھادھند کسی راہ کا انتخاب دین ودنیا دونوں کیلئے ہلاکت کا باعث ہے، جس سے سختی سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ’’اور مت پیروی کرو کسی راہ کی جب تک کہ اسکا (صحیح) علم حاصل نہ ہوجائے۔‘‘ (بنی اسرائیل:36)

اس حکم کو ملحوظ رکھنے سے دین میں گمراہی سمیت دنیا کے مصائب سے کافی حد تک چھٹکارہ مل سکتا ہے۔

زَد سے بچنے کا حکم: تقدیر تو برحق ہے، لیکن معاملہ تقدیر پر ڈالنے سے پہلے اِسکی زَد سے بچنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔اس ضمن میں نبی کریم ﷺ نے بہت سنہری اُصول دیا ہے، فرمایا:

’’فائدے کیلئے حرص وکاوش کی جائے، پھر (کامیابی کی) اللہ سے دعا کی جائے اور پھر (ان دونوں کاموں پر) عاجز نہ ہوا جائے (یعنی کاوش اور دعا کو جاری رکھا جائے)۔‘‘ (مسلم:6774)

یعنی کسی بھی معاملے کو تقدیر پر ڈالنے سے قبل تین کام ہمارے ذمے ہیں: (ا)۔سب سے پہلے عقل وشعور، فہم وفراست کے تحت فائدے ونقصان کو بھرپور جانچا جائے کہ کسی کام میں کون کون سے خطرات ونقصانات کے پہلو ہیں؟ فائدہ کیسے مل سکتا ہے؟ کون سے حفاظتی اقدامات لئے جائیں، وغیرہ۔(۲)۔اپنی ذمے داری پوری کرنے کے بعد خالق سے کامیابی اور مدد کی دعا کی جائے، اور (۳)۔یہ دو کام یعنی فائدے کے حصول اور نقصان سے بچنے کی کاوش اور دعا جاری رکھی جائے۔

اس کے بعد جو نتیجہ نکلے وہ تقدیر ہے۔اب اس پر اگر مگر نہ کیا جائے ورنہ شیطان کے عمل دخل کا دروازہ کھل جائے گا (لو تفتح عمل الشیطان)۔اگر نتیجہ ناموافق ہو تو پھر سے بہتری کیلئے کوشش کی جائے۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی اسی کاوش کے تحت تھی اور اسی کا امت کو درس دیا۔اپنی بساط کے تحت حتی الامکان کاوش کرنے کے بعد معاملہ اللہ کی سپرد کیا ہے، جیسے:

’’جانور باندھ کر توکل کرنا، جنگ کیلئے حتی الامکان سامانِ حرب کی تیاری کرنا، آگ سے بچنے کیلئے رات کو چراغ بجھا دینا۔ایک گھر رات کو آگ سے جل گیا تو آپ ﷺ نے اسے محض تقدیر پر ڈالنے کی بجائے فرمایا: آگ تمہاری دشمن ہے لہٰذا جب سونے لگو تو اسے بجھا دیا کرو (بخاری، مسلم)۔مزید یہ کہ: جوتا جھاڑ کر پہننے، پانی دیکھ کر سونگھ کر پینے، کھانے میں مضر صحت اشیاء سے بچنے اور صحت افزا چیزیں کھانے، چلتے ہوئے سامنے دیکھ کر چلنے، بستر جھاڑ کر سونے، دوران سفر ضروری اشیاء ساتھ رکھنے، سفر سے قبل راستے کی جانچ پڑتال کرنے..... یہ سب حفاظتی اقدامات ہی ہیں‘‘۔

(16)۔متاعِ غرور کی حقیقت (کچھ سبق ڈینگی بخار سے)

اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ومشیت کے تحت انسانوں پر فراوانی نعمت ورحمت اور تنگی وتکالیف کے ذریعے حالات کا اتار چڑھاؤ لاتے رہتے ہیں۔اگر بیماری یا تکلیف آ کر،سبق دے کر گزر جائے تو یقیناً یہ اللہ کی طرف سے رحمت کا باعث ہوتی ہے۔اس ضمن میں حال ہی میں (اکتوبر:۲۰۲۴ کے آخری ہفتہ) میں مجھے ڈینگی بخار کی شدید تکلیف سے گزرنا پڑا۔ہفتہ دس دن کی شدید تکلیف (مسلسل بخار، سر سمیت پورے جسم میں شدید درد،متلی.....وغیرہ) سے اخروی زندگی کے تناظر میں کھلنے والے چند حقائق پیش خدمت ہیں۔ان حقائق کی یاددہانی ان شاء اللہ ہم سب کیلئے مرادِ اصلی کی طرف رغبت کا موجب بنتی رہے گی۔

☆ اس ضمن میں پہلہ سب سے اہم سبق تو یہی ہے کہ:ہفتہ دس دن کی مذکورہ تکلیف تو انسان برداشت نہیں کرسکتا،ایسی زندگی سے انسان موت کو بہتر سمجھتا ہے،تو کیا جہنم کا ابدی آگ سمیت دیگر بھیانک عذاب کیسے برداشت ہو سکے گا؟ کیا قرآن میں وارد ہونے والی شدید وعیدوں کا کوئی خوف،کوئی فکر، کوئی لحاظ ہمیں ہے.....؟ کیا اس سے بچنے کی بھرپور فکر اور اسکے مطابق کاوش ہم کر رہے ہیں یا نہیں......؟

مزید یہ کہ نارمل حالات میں تو زندگی اور طرح سے نظر آتی ہے،لیکن مذکورہ ایام میں درج ذیل تین نکات کی کچھ نہ کچھ سمجھ آئی:

(۱)۔آیت: ترجمہ:"اور نہیں ہے دنیا کی زندگی کچھ بھی سوائے نرے ہی دھوکے کے۔" (آل عمران:185)

(۲)۔فرمان رسول ﷺ:"اگر تمہیں وہ معلوم ہوتا جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔" (صحیح بخاری:6486)

(۳)۔امام غزالیؒ کا قول کہ:دنیا کی اُصل اس انتہائی بدشکل بوڑھی عورت کی مانند ہے جس نے میک اپ کر کے اپنی طرف کشش پیدا کر لی ہے۔(کیمیائے سعادت)

لہٰذا اس حوالے سے مذکورہ ایام میں کچھ حد تک دنیا اپنی اصل میں نظر آئی۔کھانے پینے سمیت تمام دنیاوی مرغوبات اتنی حقیر محسوس ہوئیں کہ اِن سے لطف اندوز ہونا تو بہت دور کی بات ہے،ان کے تصور سے ہی قے آنے لگی.....! یہ کیفیت مذکورہ تین نکات کی کچھ ہلکی سی جھلک تھی جو ظاہر ہے آئندہ نارمل حالات میں تو قائم نہیں رہ سکے گی،لیکن گاہے بگاہے اسکی یاددہانی ان شاء اللہ حقیقت سے آشنائی کا موجب بنتی رہے گی۔

اصل کامیابی یہی ہے کہ صحت اور وقت کی عظیم نعمت کی بھرپور قدر کرتے ہوئے زندگی ایک دن پر لا کر تمام ایام کو قیمتی بنا کر بھرپور زادِ سمیٹ کر یہاں سے رخصت ہونے کا عزم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحت وتونگری،ایمان وتقویٰ اور خیر وبرکت والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔(آمین)

(17)۔ماضی کی یادیں اوردرسِ عبرت

اپنے ماضی کے گزرے ہوئے شب وروز اورزندگی کی یادوں کوفراموش کرکے، زمانے کی بھیڑ میں گم ہوکر دنیا کے تقاضوں کی رَو میں بہتے جانا زندہ دلی کی علامت نہیں۔اِسکے برعکس زندگی کے گزرے ہوئے ایام، ماضی کی یادوں کے ساتھ جینا زندہ دلی ہے جوانسان کے اپنے وجوداور دنیا کی اصل حقیقت کوآشکار کرتے ہوئے مزید اصلاح اور رقت وتزکیہ کا بڑا موثر ذریعہ ہے۔جوانی ڈھلنے پرزندگی کے سفر کے آخری سرے پر پہنچا ہواانسان جب اپنے بچپن کے ایام پرنظر ڈالتا ہے کہ وہ کیسا بےفکری کا زمانہ تھا۔سکول کے زمانے کویاد کرتا ہے کہ کل کی بات ہے وہ چھوٹا سا بچا تھا۔بچپن میں کھیلنا کودنا،لڑنا جھگڑنا اورفوراً ہی دوستی کرلینا۔پھرلڑکپن، جوانی میں کس قدرطاقت وتوانائی تھی، چمک دمک اوررنگ ورعنائی تھی۔کتنی جلدی سب کچھ جاتا رہا! اُس دور میں لوگ دوستی کیلئے کیسے میری طرف لپکتے تھے۔ کیسے دیکھتے ہی دیکھتے سب منہ پھیر گئے۔جسم کے تمام اعضا توانا تھے۔ہاتھ پاؤں، دانت، کان، آنکھیں.... ہر چیز پوری آب وتاب میں تھی۔ہم ہر چیز کھا سکتے تھے، اُسے ہضم کرسکتے تھے۔منہ کے خلیے پوری طرح سے کھانے سے ذائقہ نکالتے تھے۔عام سی چیزوں میں بھی بڑا ذائقہ محسوس ہوتا تھااوراب اعلٰی وعمدہ ثمرات میں بھی وہ مزہ نہیں۔کتنی جلدی یہ سب جاتا رہا! وہ وقت کتنا سہانا تھا جب میں والدین کے سائے میں رہتا تھا۔بہن بھائی بھی میرے ہم رکاب تھے۔لیکن آہ افسوس! کہ بڑھاپے کی عمر میں اکثریت والدین کی اِس عظیم نعمت سے بھی محروم ہوجاتی ہے۔وہ شفقت جووالدین سے ملتی تھی اب وہ کہاں سے مل سکے؟ یہ سب کچھ کتنی جلدی ہاتھ سے جاتا رہا! زندہ قلوب والے خوش نصیبوں کیلئے ماضی کی یہی یادیں اُنہیں رقت قلبی عطا کرتی ہیں۔اُن کے دلوں کونرم کرنے، زنگ اُتار کر اُنکے اپنے وجوداوردنیا کی اصل حقیقت کوآشکارا کرکے ہمیشہ باقی رہنے والی عظیم ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ تعلق کواُستوار کرنے اور وطنِ اصلی کوپیش نظر رکھ زندگی گزارنے کا شوق وجذبہ پیدا کرنے کا موجب بنتی ہیں۔پریشان نہیں ہونا! اگرحقیقت سمجھ آ گئی ہےاوراپنے رب سے اگرلولگ گئی ہےتوپھر پریشانی کی کوئی بات نہیں۔یہاں سے جانے کے بعدنئی زندگی جواِس زندگی اور اِسکی نعمتوں سے بہت بہتر ہے، اُس سمیت ہمارے والدین اورسب رشتوں کو پروردگار پھر سے ملادے گا۔جیسا کہ اِس ضمن میں پروردگار نے عظیم مژدہ یوں سنایا:

ترجمہ:''ہمیشہ ہمیش رہنے والے باغات جن میں وہ خودبھی رہیں گےاوراُن کے آباؤاجداداور بیویوں اور اولاد میں سے بھی جوصالح ہیں (وہ بھی اُن کے ساتھ ملادیئے جائیں گے)۔ملائکہ ہر دروازے میں سے اُن کے (استقبال) کیلئے آئیں گےاور کہیں گےتم پرسلامتی ہوتمہارے صبر کی بدولت (تم اِسکے مستحق بنے) سوکیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر!''(الرعد:23-24)

پس! جلدازجلدفوراًتوبہ کرکےاللہ کی طرف پلٹ آئیں۔دنیا کواللہ کی حدوداورآخرت کے تابع کرلیں۔خواہشات کو صبر کی لگام سے قابوکریں۔اورقرآن حکیم کی رہنمائی میں حقیقی تقویٰ پرگامزن ہوکر مذکورہ عظیم خوش نصیبی کے اہل بن کردوبارہ سے دنیا سے بہت بہتر مقام پراپنے اہل خانہ کی معیت کوپالیں۔جسکے برعکس سوائے ہلاکت کے کچھ نہیں۔

(18)۔بادلوں کا پھٹنا۔ایک بڑی تنبیہ

پچھلے دنوں (اپریل۔۲۰۲۵) میں اسلام آباد میں معمول سے بہت ہٹ کر، بڑے سائز کے اولوں سے بھاری نقصان ہوا اور پھر اسکے بعد (اگست۔۲۰۲۵) میں بادلوں کے پھٹنے (Cloud Burst) سے پاکستان سمیت دنیا بھر میں پتھروں بھرے شدید سیلاب سے بستیاں کی بستیاں تہہ و بالا ہو گئیں۔اللہ ہماری حفاظت فرمائے، یہ یقیناً غیر معمولی صورت حال ہے جو یقینی بڑے عذابِ الٰہی کا پیش خیمہ ہے۔اس ضمن میں بطورِ عبرت چند اہم حقائق پیشِ خدمت ہیں۔اس حوالے سے قرآن حکیم سے جو حقیقت سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ:

''اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔پروردگار کو اپنے بندوں سے بے حد محبت ہے۔وہ ہم پر ہر صورت رحمت کرنا چاہتا ہے اور ہمیں ابدی خسارے سے ہر صورت بچانا چاہتا ہے۔اسکے لئے وہ بطورِ تنبیہ مختلف قسم کے مصائب بھیجتا رہتا ہے کہ شائد وہ انسان کو توبہ و اصلاح پر مائل کرنے اور غفلت کی دلدل سے نکال کر حقیقت کی طرف پلٹنے کا سبب بن جائیں۔خوش نصیب اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں، جبکہ بدنصیب ٹس سے مس نہیں ہوتے۔پھر وہ لوگ جو ان تنبیہات پر کان نہ دھریں اور اصلاح کی طرف نہ آئیں، انہیں ایک وقتِ مقررہ تک ڈھیل دی جاتی ہے، پھر بالآخر انکی کشتی ڈبو دی جاتی ہے۔اللہ ہم سب کو اس حالت سے بچائے۔(آمین)

بطورِ نصیحت وعبرت چند دلائل ملاحظہ کریں:

☆ ترجمہ: ''اور ضرور چکھائیں گے ہم ان کو ذائقہ دنیاوی عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ وہ پلٹ آئیں۔'' (السجدہ:21:32)

☆ ترجمہ: ''اور کیا انہیں نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنسے رہتے ہیں، (لیکن) پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں، نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔'' (توبہ:126)

☆''جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو مصیبت سے دوچار کر دیتا ہے۔'' (بخاری:5645)

اللہ ہمیں تکلیف سے بچائے اور اگر خدانخواستہ آزمائش آ جائے تو اس سے سبق حاصل کرنے کی توفیق دے۔ایسا نہ ہو کہ قومِ موسیٰؑ کی طرح عذاب آنے پر عذاب کے ٹلنے کی التجا کریں، ٹلنے پر ایمان و عمل کا عہد کریں اور جب ٹل جائے تو پھر اُسی غلط روش پر گامزن ہو جائیں:

ترجمہ: ''پھر جب ٹال دیتے ہم اُن سے عذاب ایک وقتِ مقررہ تک کیلئے جس تک بہرحال انہیں پہنچنا تھا تو اُسی لمحے وہ اپنے اس عہد کو توڑ دیتے۔'' (اعراف:135)

اسکے بعد بالآخر انہیں سمندر میں غرق کر کے انکی جگہ ان سے بہتر لوگوں کو زمین کا وارث بنا دیا گیا، دیکھئے: (اعراف:133-138)۔افسوس کہ الا ماشاء اللہ ہماری صورت حال بھی اس سے مختلف نہیں!

پس! فوراً تائب ہو کر زندگی ایک دن پر لا کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیں۔

ہم امتحان کے قابل نہیں، اللہ ہماری غفلتوں سے درگزر فرمائے اور حقیقی معنوں میں اپنی طرف رجوع کی توفیق نصیب فرما کر دنیا اور ابدی اخروی عافیت و رحمت عطا فرمائے۔(آمین)

(19)۔اہم اذکار کا مفہوم

نماز،اذکاراوردعاؤں سے کماحقہ مستفید ہونے کیلئے اِن کے معنی ومفہوم میں اُتر کرانہیں پڑھنے کی ضرورت ہے۔جس کیلئے ہمیں خودسنجیدہ ہوکرمحنت سے تراجم پرمبنی لٹریچر کی مدد سے اِن کا مفہوم ازبر کرنے کی ضرورت ہے۔تاہم یہاں ہم آپکی آسانی کیلئے اذکارمیں کثرت سے استعمال ہونے والے الفاظ کا مفہوم بیان کردیتے ہیں۔

☆ (سبحان اللہ) :اللہ پاک ہے یعنی اللہ کی ذات ہرقسم کے شرک،کجی اوربُری صفات سے مبرا ہے۔ان الفاظ کوادا کرنے والااپنی زبان سے اللہ کے ساتھ کئے جانے والے ہرقسم کے شرک سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ہمیں بھی اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ''سبحان اللہ'' کہتے ہوئے کیا ہمارا طرزِعمل حقیقت میں یہی ہوتا ہے؟

☆(الحمد للہ): ہرقسم کی تعریف اورشکراللہ کیلئے ہے۔

☆(لا الٰہ الا اللہ): کوئی معبودنہیں سوائے اللہ کے۔یہ بہت اہمیت کا حامل جملہ ہے جس میں بندہ شرک کی نفی اورتوحیدکا اقرارکرتا ہے۔قرآنِ حکیم کی روشنی میں معبودکی درج ذیل تین بنیادی صفات ہیں:(۱)۔خالق،(۲)۔عالم الغیب یعنی مخلوقات کے ہرقسم کے حالات سے ہروقت مکمل آگاہی،اور(۳)۔مختارکل یعنی ہرشے پرکامل اختیاروقدرت رکھنے والا۔

☆(اللہ اکبر)): اللہ سب سے بڑا ہے۔یعنی اُس سے اوپرکوئی نہیں۔یہ جملہ انسان کوہرقسم کے ناجائزخوف وخطرات سے نجات دلاکرایمان پرثابت قدمی کی قوت مہیا کرتا ہے۔

☆(سبحان اللہ العظیم): اللہ پاک ہےاوروہ بہت عظمت وشان والا ہے۔

☆(وھو علیٰ کل شیء قدیر): ہرچیزپرکامل قدرت واختیاررکھنےوالا ہے۔کوئی چیزاُس کے قبضہ وقدرت سے باہرنہیں۔

☆ (سبحان الملکِ القدوس، رب الملائکۃ والروح): اللہ پاک ہے حقیقی بادشاہ،نہایت مقدس،جورب ہےملائکہ اورروح القدس (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کا۔

☆درودوسلام: درودوسلام کا مطلب پیارے رسول ﷺ پراللہ سے عنایت ورحمت اورسلامتی کی دعا کرنا ہے۔لہٰذا درودِ ابراہیمی سمیت جوبھی مسنون درودِپاک پڑھیں تواُسکے معنی ومفہوم کوسمجھ کرپڑھا جائے۔

☆استغفار: (استغفر اللہ واتوب الیہ): میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں اوراُسی کی طرف پلٹتا ہوں۔

(استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ): میں بخشش مانگتا ہوں اللہ سے،وہ ذات کہ جس کے سواکوئی معبودنہیں اوروہ خودسے زندہ ہےاورسب کوتھامنے والا ہےاورمیں اُسی کی طرف پلٹتا ہوں۔

ابلیس سے بچاؤ کی دعائیں

ابلیس انتہائی طاقتوراورخطرناک دشمن ہے۔اِسکی چالوں سے بچاؤ کیلئے:اخلاص کی موجودگی میں قرآن وسنت پرکاربندہونے یعنی تقوے کے ساتھ ساتھ اس سے بچنے کی مسنون دعائیں کرنی چاہئیں جن میں سے چندایک ضروری یہاں پیش خدمت ہیں:

(۱)۔(اعوذ بااللہ من الشیطان الرجیم)۔''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردو سے''

(۳)۔(رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ۝) : ''اے پروردگارمیں شیطان کی اُکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اوراِس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ (شیاطین) میرے پاس آئیں۔''

(۲)۔(اعوذ بااللہ من الشیطان الرجیم مِن ھمزِہٖ ونَفخِہٖ ونفثِہٖ) ۔''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردو سے،اسکے اُکسانے (وسوسے) سے،اسکے تکبرپرآمادہ کرنے یااسکے جادوسے (کہ یہ مجھے مجنون بنادے)۔''

(۴)۔سورہ فلق اوناس کا سمجھ کرورد کرنا اور(۵)۔اگرشیطان کا غلبہ زیادہ ہوتو کثرت سے اللہ کی یاد،استغفارکرنا اورصدقہ کرنا بالخصوص غریب لوگوں سے ہمدردی کرنا۔اُنکی بنیادی ضروریات بالخصوص کھانے اوربیمارپُرسی وغیرہ کا خیال رکھنا۔

(20)۔محاسبہ: اسلام اور مسلمانوں کی اقسام

دینی لحاظ سے فی زمانہ مسلمانوں کی مختلف اقسام سے آگاہ ہوکر اپنا محاسبہ کریں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

(ا)۔درجہ احسان والے مخلص اہل ایمان: یہ وہ مخلص خوش نصیب ہیں جو ذمہ داری یعنی اللہ کی حدود (اوامر ونواہی) کی کماحقہ پاسداری کے ساتھ ساتھ مزید آگے بڑھتے ہیں۔سنن اور نوافل ومستحبات کے درجے میں آنے والے تقاضوں کو بھی خوب ملحوظ رکھ کر سبقت کی راہ اختیار کرنے والے، ایمان پر ڈٹ جانے والے، تنگی وخوشحالی... ہر حالت میں رضائے الٰہی پر راضی رہ کر... مزید قرب پاکر بغیر حساب جنت کے اعلیٰ درجوں کو پانے والے ہیں۔انکی تعداد بہت قلیل ہے۔

(۲)۔حدود کی کما حقہ پاسداری کرنے والے: یہ وہ مخلص خوش نصیب ہیں جو ذمہ داری یعنی اللہ کی حدود (اوامر ونواہی) کو پوری طرح (100%) ملحوظ رکھتے ہیں ،لیکن کوئی زیادہ زائد کام نہیں کر پاتے۔جہالت کی رُو سے ہونے والی کمی بیشی پر اصرار نہیں کرتے، بلکہ فوراً تائب ہوجاتے ہیں۔قانون کی رُو سے ان کا حساب کتاب ہوگا۔کمی بیشی سے درگزر کرکے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دے کر رب کی ابدی جنت میں داخل کردیئے جائیں گے۔فی زمانہ انکی تعداد بھی بہت کم ہے۔

(۳)۔فرقہ پرست لوگ: یہ وہ بدنصیب مذہبی لوگ ہیں جو اکابر پرستی/فرقہ واریت کی نحوست کا شکار ہوکر خدا ورسول (ﷺ) کی تعلیمات کو اپنے فرقے کی عینک سے دیکھتے ہوئے قرآن وسنت کو من وعن ماننے کی بجائے اپنے من پسند فرقے کے مطابق تاویل وتحریف کے قبیح جرم کا ارتکاب کرکے اللہ کے غضب کا شکار ہونے والے ہیں۔الا ماشاءاللہ فی زمانہ کٹر مذہبی لوگوں کی کثیر تعداد اسی قسم کی ہے۔

(۴)۔ادھورے دین پر چلنے والے: یہ وہ لوگ ہیں جو کنارے کنارے رہ کر ادھورے دین پر چلنے والے ہیں۔یعنی پورے دین کی بجائے جزوی دین کو اپناتے ہیں۔ ان لوگوں کی درج ذیل اقسام ہیں:

(a)۔نظریاتی نفاق: آنحضور ﷺ کے دورِ مبارک میں ان لوگوں کی اکثریت مدینہ میں پائی جاتی تھی۔یہ زبان سے کلمہ گو تھے لیکن اندر سے پکے کافر تھے۔الحمدللہ اس وقت عموماً مسلمان اس بیماری سے پاک ہیں۔

(b)۔عملی کمزوری: انہوں نے دینی تقاضوں کو شعور سے جاننے اور انہیں اپنانے کی کوشش نہیں کی۔یہ ادھورے دین پر چلتے ہوئے پورے (ضروری) دین کی بجائے جزوی دین کو اپناتے ہیں۔بعض لوگ حقوق اللہ یعنی ذکر وعبادت وغیرہ کا تو پاس رکھتے ہیں ،لیکن حقوق العباد کا خیال نہیں اور بعض اسکے برعکس ہیں۔ان میں سے اکثر کنارے کنارے چلتے ہوئے دنیا کو پہلے اور دین کو دنیا کے نیچے کرتے ہیں۔لوگوں کی اکثریت اسی قسم کی ہے۔دعا ہے اللہ سب کو بخش دے،لیکن قانون کی رُو سے انکے لئے یقینی نجات کی کوئی گارنٹی نہیں بلکہ یہ بھی خسارے کی راہ ہے۔

(۵)۔ دوُرخے لوگ: یہ لوگ اپنے دنیوی مفادات کی خاطر دوہرے معیار پر ہیں۔ سچائی کی بجائے اپنے مفادات کے ٹارگٹ میں ہر کسی سے دوہری بات کرتے ہیں۔ مفاد کے تحت بات کو بناتے ہیں۔ اللہ ہمیں اندر باہر سے ایک جیسا کردے۔ (آمین)

(۶)۔ جرائم پیشہ لوگ: یہ وہ پیدائشی کلمہ گو ہیں جو دانستہ جرائم: چوری، ڈاکہ، ظلم، حق تلفی، دھوکہ فراڈ، شراب نوشی، جُوا، بدکاری.... جیسے جرائم میں کاربندرہ کر بھی نجات کی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔۔ انکی تعداد بھی قلیل ہے۔

پس! نجات کیلئے نمبر:۲ میں بیان کردہ تقاضوں کو اپنا کر نمبر:۱ یعنی سبقت کی طرف پیش قدمی کریں۔

الحمدللہ عوام کی سہولت کیلئے خلاصے کے طور پر دین کے تمام عنوانات پر مشتمل "ایک صفحہ" پر مبنی ہمارے وڈیو لیکچرز کی آسان ترین ہدایت کتابی شکل میں جمع کردی گئی ہے۔ اللہ جلالہٗ کی حمد وثنا اور اسکا کروڑ ہا شکر ہے جس نے ہم پر اپنا فضل وکرم فرمایا، اور اس اہم ترین تحریر کو تکمیل تک پہنچانے کی مہلت وتوفیق دی۔

کروڑوں رحمتیں ہوں اللہ جلالہٗ کے پیارے حبیب **سیدنا مُحمد رسولُ الله** ﷺ پر جنہوں نے اللہ کی خالص تعلیمات ہم تک پہنچا کر ابلیس کی ہر چال سے آگاہی فرما کر اپنی اُمت کو اس مکار دشمن سے بچانے کی راہ بتلائی۔

اس تحریر میں اگر کوئی کمی بیشی ہوئی ہو تو اُسے اللہ اپنے کمال فضل سے معاف فرمائے۔ اِس عظیم کام کا ذریعہ بننے والے میرے پیارے والدین مرحومین کو پروردگار بہترین اجر عطا فرما کر اُنکی بخشش ومغفرت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اِس کاوش کو میرے ایمان کی سلامتی اور بخشش کا ذریعہ بنائے اور اس عظیم کام میں تعاون فرمانے والے سب احباب کیلئے خصوصی دعا ہے کہ اللہ اُنکے: ایمان، علم، عمل، جان، مال، رزق میں برکتیں عطا فرمائے۔ (آمین)

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾

اللہ جلالہٗ کی حمد ہے جس نے ہمیں اِس کی ہدایت دی اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔"

((وما توفیقی الاّ باللّٰه))

ہر دن کے اہداف (Goals of the Day)

مہلت کی قدر کرنے اور ہر دن کو آخری دن سمجھ کر بھر پور طریقے سے مستفید ہونے کے ضروری اہداف:

۱	دین سیکھنا	اللہ سے کچھ لینا ہے تو اپنے اندر دین سیکھنے کا شوق وجذبہ پیدا کریں۔ ہر نصیب ہونے والے دن میں دینی مطالعہ: بالخصوص فہم قرآن کیلئے کچھ نہ کچھ وقت ضرور مختص کریں اور چھٹی والے ایام میں زیادہ وقت دیں۔
۲	عبادت، ذکرو دعا	نماز روزہ زکوٰۃ حج تین شرائط کے ساتھ: (۱)۔ترجیح، (۲)۔شوق وجذبہ، (۳)۔خشوع وخضوع اور معنی ومفہوم کی طرف متوجہ ہو کر ادا کرنا۔ مزید یہ کہ: دعا، ذکر الٰہی اور درود وسلام سے قلب وجسم کو زندہ اور تر وتازہ رکھنا۔
۳	ذمہ داریوں کا لحاظ	حقوق العباد: اخلاقیات ومعاملات: ایفائے عہد، امانت داری، گھر داری، نوکری، ملازمت، کاروبار..... میں اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھانا۔
۴	نافرمانی سے بچنا	ہر جگہ: گھر، باہر، دوکان، بازار۔ دفتر.... میں اپنی زبان اور جسم کو قابو رکھنا۔ اگر کہیں بھول چوک ہو جائے تو اس پر اصرار کرنے کی بجائے فوراً اُسی دن پلٹ آنا، توبہ کرنا، پلٹنے کیلئے اگلا دن نہ چڑھنے دینا۔
۵	انفاق کرنا	اللہ کیلئے حسب توفیق: جان، مال، وقت اور صلاحیتوں میں سے خرچ کرتے رہنا: (۱)۔اشاعت دین کیلئے، اور (۲)۔انسانی ہمدردی کیلئے۔
۶	مصائب پر صبر	زندگی میں آنے والے دکھ درد، تنگی وتکالیف، بیماریوں پر صبر کرنا اور نعمتوں کے ملنے پر شکر گزار رہنا۔
۷	دعوت وجہاد	اپنی رعیت، اپنے حلقہ اثر تک تو دعوت دین سب پر لازم ہے اور اس سے آگے فرضِ کفایہ۔ مزید یہ کہ: ضرورت پڑھنے پر اپنے دین، ملک وملت کے دفاع کیلئے شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلامی ریاست کی کال پر جہاد کیلئے تیار رہنا۔
۸	درجہ احسان	کام کے تین درجے ہیں: (۱)۔عدل: تقاضا پورا کرنا، (۲)۔ظلم: تقاضا پورا نہ کرنا، اور (۳)۔احسان: تقاضے سے بہتر کرنا۔ پس دین کی ہر مد: عبادات، اخلاقیات ومعاملات، معاشیات.... میں درجہ احسان کی کوشش کرنا۔

حق کی تلاش میں: بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ

کتاب کا نام	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مصنف کا نام
1۔تفاسیر قرآنی	قریباً ہر مکتبۂ فکر کی	2۔شرح کتب احادیث	مختلف مکاتبِ فکر کی
3۔جاء الحق	مفتی احمد یار خان نعیمیؒ صاحب	4۔شرح صحیح مسلم/تبیان القرآن	غلام رسول سعیدی صاحب
5۔جملہ تصانیف	ابو یحیٰ (ریحان احمد یوسفی) صاحب	6۔جملہ تصانیف	ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ
7۔تلاش حق	نجم مصطفائی صاحب	8۔مزاراتِ اولیاء سے توسل	شاہ تراب الحق قادری صاحب
9۔غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا؟	مفتی اکمل قادری صاحب	10۔ توحید اور شرک	علامہ سعید احمد کاظمی صاحب
11۔حیات النبی، مسئلہ استغاثہ، الانتباہ للخوارج والحروراء	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	12 ۔بزرگوں کے عقیدے	مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب
13۔میٹھی میٹھی سنتیں اور دعوت اسلامی	ابو کلیم محمد صدیق صاحب	14۔توحیدِ خالص	الشیخ ابو محمد بدیع الدین راشدی صاحب
15۔الفتح الربانی، فتوح الغیب	پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ صاحب	16۔جملہ تصانیف	امام محمد غزالیؒ صاحب
17۔کشف المحجوب	سید بن علی عثمان ہجویریؒ صاحب	18۔رسالہ قشیریہ	امام ابو القاسم قشیریؒ صاحب
19۔جملہ تصانیف	واصف علی واصفؒ، اشفاق احمدؒ	20۔جملہ تصانیف	پروفیسر خلیل الرحمٰن چشتی صاحب
21۔جملہ تصانیف	علامہ پیر سید نصیر الدین نصیرؒ صاحب	22۔شرک کیا ہے؟	محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب
23۔جملہ تصانیف متعلقہ شرک	علمائے عرب	24۔جملہ تصانیف	پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب
25۔حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صاحب	26۔شرک کے چور دروازے	حافظ محمد محمود الحضری صاحب
27۔کلمہ گو مشرک	ابو الحسن مبشر ربانی صاحب	28۔فضائل اعمال	شیخ زکریا سہارنپوری صاحبؒ
29۔اختلاف اُمت اور صراط مستقیم	مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ	30۔جملہ تصانیف	حافظ زبیر علی زئی صاحب
31۔مکتوبات	حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ	32۔جملہ تصانیف	مولانا مودودی صاحبؒ
33۔حقیقت شرک	مولانا امین احسن اصلاحی صاحب	34۔صراط مستقیم وعقیدہ مسلم	سید سیف الرحمٰن، روشن صاحب
35۔تلبیس ابلیس	علامہ ابن جوزی صاحب	36۔شرک کی حقیقت	نور الحسن شاہ بخاری صاحب
36۔شیعت کا مقدمہ	حسن الامینی صاحب	37۔پھر میں ہدایت پا گیا	ڈاکٹر تیجانی سماوی صاحب
38۔المراجعات 39۔آئینِ وہابیت	عبد الحسین شرف الدین موسوی صاحب استاد جعفر سبحانی	40۔پاکستان کے دینی مسالک 41۔امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی	جناب ثاقب اکبر صاحبؒ
42۔سیرۃ النعمان	علامہ شبلی نعمانی صاحبؒ	43۔امام اعظم اور علم الحدیث	مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ
44۔جہاد پر جملہ تصانیف	مختلف سکالرز	45۔الحفظون	حافظ عبد الوہاب صاحب

ہماری دعوت!

وہ مسلمان جنھیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، موجودہ دور میں انکی حالت تشویشناک ہے۔ مسلمان جدا جدا گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں، علیحدہ علیحدہ مساجد اور مکاتب بن چکے ہیں، جو جس گھرانے میں پیدا ہوا یا جس ماحول میں پرورش ہوئی وہی اسکا دین و مذہب بن گیا۔ لوگ اپنے پسندیدہ مسلک اور فرقے کو صحیح جبکہ باقیوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ باہمی نفرت میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوتا نظر آرہا ہے۔ ان حالات میں ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ فرقوں سے بالاتر ہو کر سچائی کی بنیاد پر غلط اور صحیح کو واضح کیا جائے اس عزم کے ساتھ کہ:

☆ اللہ کے دین کو مسالک اور فرقوں پر ترجیح دی جائے۔

☆ جس مکتب فکر کی جتنی بات درست ہے اسے تسلیم کیا جائے اور غلط سے بچا جائے۔ صحیح بات جہاں سے بھی ملے اسے بلاچون وچراں تسلیم کیا جائے چاہے وہ ہماری اپنی فکر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

☆ باہمی غلط فہمیوں کو دور کر کے مسلمانوں کے مابین اتحاد و یکجہتی پیدا کی جائے۔

☆ شخصیات کا احترام کیا جائے لیکن اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو کائنات کے تمام لوگوں پر ترجیح دی جائے۔

رب کریم نے ہماری رہنمائی کے لیے فرمایا:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: 103)

"تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو"

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام، آیت: 159)

"بیشک جنھوں نے دین میں فرقے بنائے اور گروہوں میں بٹ گئے آپ (ﷺ) کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد، پھر وہ انکو بتلائے گا جو وہ کیا کرتے تھے"۔

﴿آئیں دنیا و آخرت کی کامیابی کیلئے پیغام حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

(ہمارا عزم)

سچائی کی پیروی

ہماری تحاریر

نجات: اس نایاب تحریر میں ساری کتابوں کا خلاصہ ایک جگہ "ایک ٹاپک صرف ایک صفحہ پر" جمع کر دیا گیا ہے۔

کتاب نمبر	ٹائٹل	کتاب نمبر	ٹائٹل
1	ہدایت: (ہدایت سے کیا مراد ہے اور یہ کسے نصیب ہوگی؟)	2	قرآن مجید کی حاکمیت: (احناف اور مالکیہ کے اُصولِ روایت کی روشنی میں عالمگیر غلط فہمی کا ازالہ)
3	ہمارا اخلاقی زوال: (حقیقی وجوہات اور حل)	4	قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے؟
5	راہ فلاح کی پہلی بڑی گھاٹی: (دنیا پرستی اور نفس وشیطان کے حجابات پر حقائق)	6	رسالت کا حقیقی تصور: (راہِ فلاح کی دوسری گھاٹی: رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی پر آگاہی)
7	توحید کا جامع تصور: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: شرک کے مقابلے میں توحید پر جامع رہنمائی)	8	عبادت کا معنی مفہوم: (تفہیم عبادت پر ایک اہم کتابچہ)
9	ظلم عظیم پر جامع رہنمائی: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: غلاظتِ شرک پر جامع رہنمائی)	10	کائنات سے خالق کائنات تک: (وجودِ خالق کے حیرت انگیز دلائل)
11	طاقتور ابلیسی دھوکے: (مکار ابلیس کی مزین کردہ انتہائی طاقتور چالوں سے آگاہی)	12	مجموعہ تحاریر: (مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر کا مجموعہ)
13	امت اسلامیہ کا اتحاد		

کتابچے (Booklets)

عام لوگوں کیلئے اہم موضوعات پر ضخیم کتابوں کی بجائے کتابچوں کی شکل میں مختصر تحاریر

1	ایمان ایک زندہ حقیقت (انمول تحفہ)	2	زبان سے کلمہ کا اقرار اور نجات کی ضمانت؟
3	مقصدِ حیات	4	انسانیت کی عظیم ترین آفت (خواہشِ نفس)
5	بغیر سمجھے قرآن پڑھنے کی وجوہات؟	6	اوامر ونواہی کی لسٹ
7	تلاشِ رب (اللہ کے قُرب کا یقینی راستہ)	8	تلاشِ خالق (وجودِ خالق کے یقینی دلائل)
9	توحید (لا الٰہ الا اللہ)	10	رسالت (محمد الرسول اللہ)
11	حقوق العباد	12	پریشانیوں سے نجات کا حقیقی حل
13	پردہ: (پردہ کے ضمن میں مرد وعورت کیلئے قرآن وسنت کے احکامات)	14	اسلام کا قانونِ طلاق: (یک مجلسی تین طلاق کے ایک یا تین واقع ہونے پر اہم رہنمائی)
15	قرآن کا مطلوب انسان	16	اسلام کا قانونِ جہاد

پمفلٹ اور بروشرز

مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر: پمفلٹ اور بروشرز وغیرہ۔

استفادہ کیلئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

﴿آئیں دنیا وآخرت کی کامیابی کیلئے پیغام حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

ویب سائٹ (Web Site) کا تعارف

سچی رہنمائی (Pure Guidance)

اللہ کے خصوصی فضل وکرم کی بدولت لمبا عرصہ دین میں غوطہ زن رہ کر، سچائی کی بنیاد پر فہم دین کی بلاتعصب (بے رنگ شفاف عینک والے شیشوں سے) تمام مکاتب فکر سے استفادہ کی بنا پر (ضروری دین پر مشتمل اہم موضوعات) کو تحریری شکل میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ کام درج ذیل بنیادوں پر کیا گیا ہے:

کام کی بنیاد

☆ فرقوں اور مسالک کی بجائے اسلام کی بالاتری، ☆ سچائی اور دیانتداری کا دامن تھامتے ہوئے، ☆ قرآن وسنت کے پختہ دلائل، ☆ انتہاء پسندی کی بجائے اعتدال کو ملحوظ رکھنا، ☆ فروعات کی بجائے بنیادی واصولی چیزوں کی ترجیح، ☆ سلف، آئمہ، بزرگانِ دین کے فہم سے استفادہ، ☆ عزت واحترام اور اخلاقی پہلو کو مدنظر رکھنا، ☆ اہل اسلام کے اتحاد ویکجہتی کیلئے، ☆ مختصر، عام فہم، عامی لوگوں کی سطح پر مواد۔

کام کی تفصیل

قارئین کی آسانی کیلئے یہ تحریری مواد درج ذیل شکلوں میں مرتب کیا گیا ہے:

(1)۔ وڈیو (Short Video Clip): اہم موضوعات پر مبنی دو تین منٹ کی انتہائی مختصر وڈیو (Speech)۔

(2)۔ کتابیں (Books): دین کو گہرائی سے جاننے والوں کیلئے دلائل کی بنیاد پر تفصیلی رہنمائی پر مبنی کتابیں۔

(3)۔ کتابچے (Booklets): آسانی کیلئے، کم یعنی چند ضروری دلائل کی بنیاد پر مختصر کتابچے۔

(4)۔ پمفلٹ (Pamphlets): مزید آسانی کیلئے چند (پانچ، دس) صفحات پر مشتمل پمفلٹ۔

(5)۔ بروشرز (Inspiration): عوام الناس کیلئے ایک صفحہ پر مشتمل بروشر کی شکل میں انتہائی ضروری، اہم حقائق پر مبنی انتہائی مختصر مواد جسے بار بار دہراتے رہنے کی ضرورت ہے۔

(6)۔ سنہری اقوال (Golden Quotes): انتہائی مختصر چند سطور پر مبنی زندگی تبدیل کرنے والے سنہری اقوال۔

ویب سائٹ (Web Site)

یاد رکھیں! ہدایت اس پر کھلتی ہے جس میں سچائی جاننے کی شدید تڑپ ہو، پیاس ہو، جو بے قرار ہو۔ حقیقت تک رسائی کیلئے مذکورہ مواد درج ذیل ویب سائٹ پر موجود ہے۔ خود آگاہ ہو کر دوسروں کی آگاہی کا ذریعہ بنیں۔

(www.khidmat-islam.com)

الحمد اللہ طویل عرصہ بلا تعصب (بے رنگ شفاف عینک سے) ہدایت کی تلاش کی انتھک محنت کے نتیجے میں پروردگار نے بے پناہ فضل فرماتے ہوئے حقیقی ہدایت کی راہیں کھولیں اور اس ہدایت کو منظّم تحریری شکل میں مرتب کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مادہ پرستی کے اس دور میں اکثریت کے پاس اب بھاری بھرکم تحاریر پڑھنے کا وقت نہیں رہا۔ لہٰذا دورِ حاضر کے تقاضوں کے تحت عوام کیلئے ہماری **تمام تصانیف کا نچوڑ انتہائی مختصر خلاصے** کی شکل میں مرتب کردیا گیا ہے۔ آپکے ہاتھ میں موجود اس کتاب میں ''ایک صفحہ پر مبنی تمام بروشرز'' کو ایک جگہ جمع کردیا گیا ہے۔ یوں دین کے ''تمام عنوانات کا خلاصہ'' انتہائی مختصر شکل ''صرف ایک صفحہ'' جسے پڑھنے میں تین چار منٹ درکار ہوں گے، انتہائی قیمتی خزانے کی شکل میں اب آپکے پاس موجود ہے۔ اس قیمتی خزانے سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اس روشنی کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔ اللہ ہمیں سعادت مند بنادے۔ (آمین)

ہمارا عزم
(سچائی کی پیروی)

WWW.KHIDMAT-ISLAM.COM
KHIDMAT777@GMAIL.COM

Designed By: عبدالواسع 0307-4122161